قومی اردو کونسل کا بین الاقوامی جریدہ
www.urducouncil.nic.in

مئی 2015، قیمت -/15₹

ماہنامہ

اردو دنیا

دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

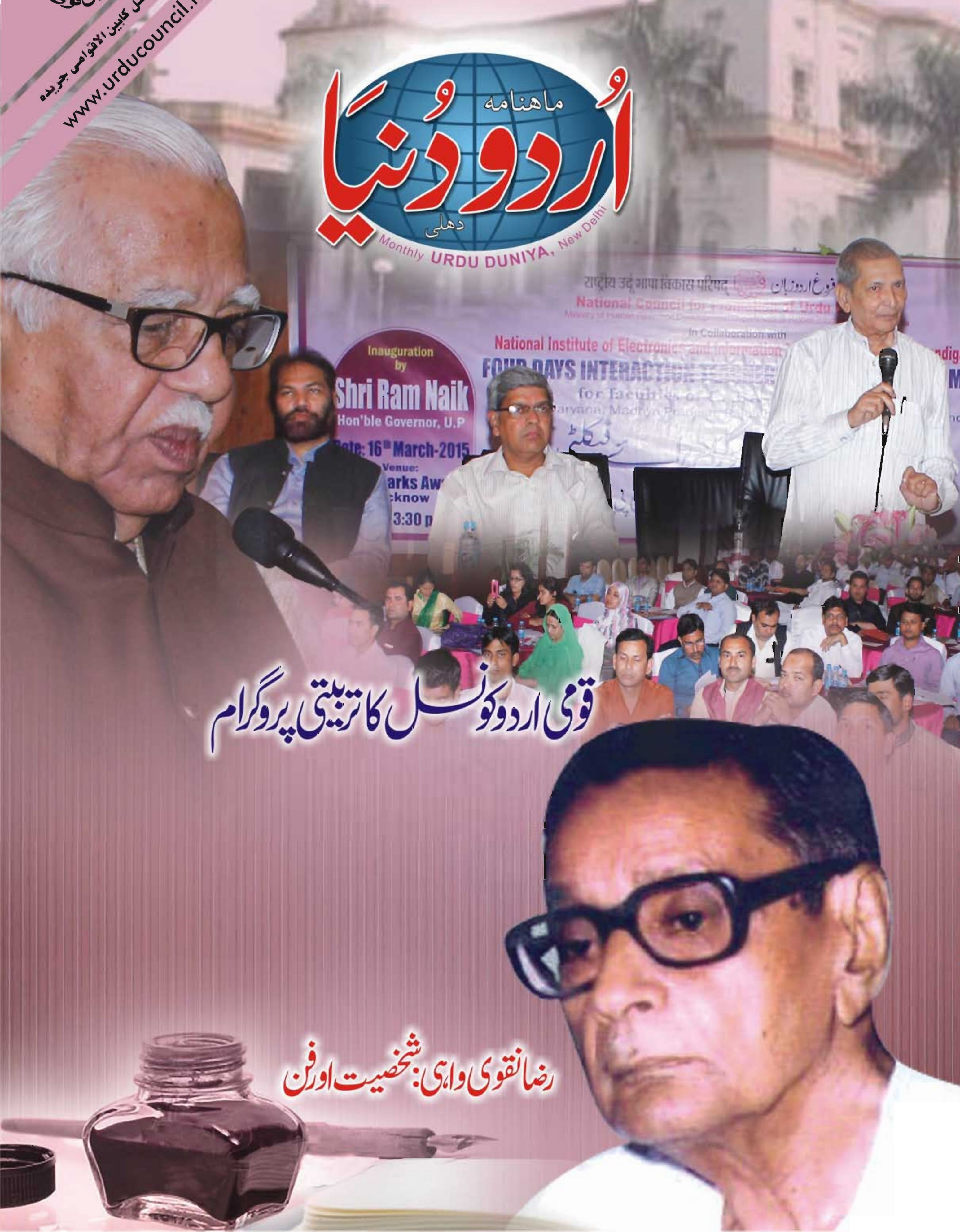

قومی اردو کونسل کا تربیتی پروگرام

رضا نقوی واہی: شخصیت اور فن

ادب اطفال کی دنیا میں اہم ترین سنگ میل

بچّوں کے لیے اردو کی تاریخ کا سب سے خوب صورت، خوب سیرت شاندار رسالہ

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ
بچوں کی دنیا
دہلی
Monthly BACCHON KI DUNIYA, New Delhi

پیاری پیاری نظمیں
قسط وار ناول
عجیب وغریب خبریں

دل چسپ کہانیاں
معلوماتی مضامین
ہنسنے ہنسانے کی باتیں

ان کے علاوہ:

دنیا کے مذاہب ◆ کامکس کہانی ◆ نانی کا صندوق

اردو ایس ایم ایس ◆ اردو فیس بک ◆ دماغی ورزش

ننھے فنکار ◆ ڈاک خانہ جیسے مستقل کالم

اور بہت کچھ

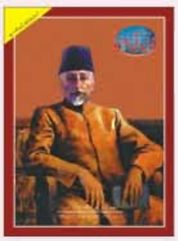

ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ چھپنے والا اردو رسالہ

قیمت فی شمارہ: 10 روپے سالانہ: 100 روپے

سالانہ خریداری اور ایجنسی کے لیے رابطہ فرمائیں

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in
شاخ: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002 فون: 24415194 - 040

ماہنامہ
اردو دنیا
دہلی
Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کا بین الاقوامی جریدہ

جلد:17 شمارہ:05 مئی 2015

مدیر : ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین
نائب مدیر : ڈاکٹر عبدالحی
اعزازی مدیر : نصرت ظہیر

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمۂ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند

مطبع:

ایس نارائن اینڈ سنز، بی۔88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا
فیز-II، نئی دہلی-110020

مقام اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

کمپوزنگ: محمد اکرام
ڈیزائننگ: فیض الاسلام فیضی

قیمت -/15 روپے   سالانہ -/150 روپے

Total Pages: 100

- اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل NCPUL اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں
- ڈرافٹ NCPUL, New Delhi کے نام ارسال کریں

صدر دفتر

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا جسولہ،
نئی دہلی-110025
فون: 49539000   شعبۂ ادارت: 49539009

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in
E-mail: editor@ncpul.in
urduduniyancpul@yahoo.co.in

شعبۂ فروخت

ویسٹ بلاک-8، ونگ-7 آر کے پورم، نئی دہلی۔110066
فون: 26109746، فیکس: 26108159
ای میل: sales@ncpul.in, ncpulsaleunit@gmail.com
شاخ: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1 پتھر گٹی، حیدر آباد۔500002
فون: 040-24415194

مشمولات

اداریہ

ہماری بات — 4

خطوط

آپ کی بات — قارئین کے خطوط — 5

انٹرویو

کبھی تنہائیوں میں یوں ہماری یاد آئے گی: مبارک بیگم — صدر عالم گوہر — 9

کور اسٹوری

قومی اردو کونسل کا تربیتی پروگرام — قاسم انصاری — 13

گوشہ رضا نقوی واہی

طنز و ظرافت کا شاعر — سید احمد قادری — 17

قصہ 'شعرستان' کا — منظر اعجاز — 21
واہی کا فن اور طنز و مزاح — ہمایوں اشرف — 26
واہی صاحب کی یاد میں — ابوالفیض — 29
اردو کی طنزیہ شاعری اور رضا نقوی واہی — جاوید احمد ڈار — 31
رضا نقوی واہی کے تیر و نشتر — محمد جابر زماں — 34
واہی اور ضیاء الحق قاسمی کی منظوم خط و کتابت — مناظر عاشق ہرگانوی — 36
انتخاب کلام — رضا نقوی واہی — 39

زبان و تعلیم

جدید تعلیمی منظر نامہ اور فکر اقبال کی معنویت — تبسم نقی — 41

ادبی مباحث

اکیسویں صدی میں ادب کی معنویت — محمد اسد اللہ — 44
باسط بھوپالی کی غزل گوئی — سیفی سرونجی — 46

تہذیب و ثقافت

دہلی کی ادبی و تہذیبی فضا — محمد رضا علی — 48

میڈیا

ٹیلی ویژن کے اردو پروگرام اہمیت و تشکیل — محمد کوثر — 52

کتابوں کی دنیا

تبصرہ و تعارف — 55

عالمی اردو نامہ

اردو نامہ — ادارہ — 65

خبر نامہ

اردو دنیا کی خبریں — ادارہ — 67

ہماری بات

قومی اردو کونسل، یوں کہنے کو تو محض اردو زبان کو فروغ دینے والا ایک سرکاری ادارہ ہے لیکن، جس طرح اردو زبان اپنے وسیع تر مفہوم میں صرف ایک زبان نہیں بلکہ ایک تہذیب، ایک ثقافت، یہاں تک کہ رہن سہن، اور ایک ہندوستانی اندازِ فکر کا دوسرا نام بن چکی ہے، اسی طرح 'قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان' کا دائرۂ عمل بھی اُس مشترکہ قومی زندگی کو سجانے سنوارنے کے معاملے میں دور دور تک پھیل گیا ہے جس نے اس لاجواب زبان کو جنم دیا اور اسے ہر دل عزیز بنایا ہے۔

19 سال پہلے یہ ادارہ اردو کتابوں کی اشاعت، مالی امداد اور خریداری جیسی چند سرگرمیوں تک محدود تھا۔ آج اس ادارے کے ذریعے اردو کے علاوہ عربی اور فارسی زبانوں کے تعلیمی کورسز چل رہے ہیں۔ فاصلاتی نظام تعلیم کا یہ ایک اہم اردو ادارہ بن چکا ہے۔ اردو والوں کی کمپیوٹر خواندگی میں جو کردار اس ادارے نے ادا کیا ہے اس کا ثانی پورے ملک میں کوئی نہیں ہے۔ اردو پڑھے لکھے لاکھوں نوجوانوں کو کمپیوٹر ایجوکیشن سے جوڑ کر اور ملک کے طول و عرض میں اس کے لیے سیکڑوں مراکز قائم کر کے کونسل نے انھیں روزگار کے مواقع فراہم کرائے ہیں۔ اردو کتابوں کی اشاعت میں ٹائٹلز کی تعداد اور کم قیمت کے لحاظ سے کونسل ملک کا اول درجے کا اشاعت گھر بن گئی ہے۔ کونسل کے تین جریدے پابندی سے شائع ہو رہے ہیں اور تینوں اپنے اپنے زمرے میں ملک کے سب سے اچھے اردو رسالے مانے جاتے ہیں۔ یہ سبھی رسالے اور کونسل کی شائع کردہ تقریباً تمام کتابیں کونسل کی ویب سائٹ پر موجود 'ای لائبریری' میں مفت دستیاب ہیں۔ ہر سال کونسل کی طرف سے اردو کتاب میلے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ چلتی پھرتی لائبریری سے کونسل ملک کے دور دراز حصوں میں کم قیمت پر اردو کتابیں پہنچاتی ہے۔ حال ہی میں کونسل نے عالمی اردو کانفرنس کے سالانہ انعقاد کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ ادبی و تہذیبی موضوعات پر سیمیناروں اور جلسوں کی مالی امداد سے اردو کے حق میں ایک تعمیری ماحول بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کونسل کے سبھی کاموں کو 'ای گورننس' کے دائرے میں لا کر اس کی کارکردگی میں شفافیت لائی گئی ہے اور کونسل سے مالی تعاون حاصل کرنے کے جو لوگ مستحق ہیں اور جو ملک کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں انھیں بلاوجہ کی پریشانیوں سے بچانے کے لیے تمام ضروری فارم وغیرہ ویب سائٹ پر ڈال دیے گئے ہیں اور ضروری ہدایات بھی لکھ دی گئی ہیں۔ اردو کتابوں کی اشاعت اور خریداری میں معاونت کے ضابطوں میں یہ گنجائش پیدا کی گئی ہے کہ اردو مصنفین، پہلے سے زیادہ تعداد میں کونسل سے مستفیض ہو سکیں۔ اردو رسم الخط کی حفاظت اور فروغ میں کونسل نے تاریخی نوعیت کا کام کیا ہے اور اسے کمپیوٹر سے اور آگے بڑھ کر موبائل فون اور نئے سافٹ ویرز سے جوڑنے میں کامیاب ہوئی ہے۔

ان سب کے علاوہ کونسل اقلیتی فرقوں کے معاشی استحکام کے بھی کئی کاموں سے جڑ چکی ہے۔ اقلیتوں کے روایتی ہنر اور کاریگری کے فروغ اور مہارت کی درجہ بندی کے پراجیکٹ سے کونسل خاص طور پر وابستہ ہے۔ یہاں تک کہ طب یونانی اور آیوروید کے فروغ سے بھی کونسل نے خود کو وابستہ کیا ہے۔ یہ سب ہو رہا ہے مگر جیسے جیسے کونسل آگے بڑھ رہی ہے نئے چیلنج اور نئے امکانات کونسل کے سامنے آ رہے ہیں۔ حال ہی میں کونسل نے برسرِ کار اردو صحافیوں کی کارکردگی کو اور بھی بہتر بنانے کے لیے تربیتی سلسلہ شروع کیا تھا۔ اب کونسل اردو اساتذہ کے جدید تقاضوں کے مطابق تربیت پر توجہ دے رہی ہے اور فی الحال اس نے اپنے کمپیوٹر مراکز کے اساتذہ کو اس دائرۂ عمل میں شامل کیا ہے۔ اس سلسلے کی چوتھی کانفرنس حال ہی میں لکھنؤ میں منعقد ہوئی جس کا افتتاح کرتے ہوئے ریاستی گورنر عالی جناب رام نائک نے اردو کو روزی روٹی سے جوڑنے کے کاموں کے لیے کونسل کی ستائش کی اور کونسل کے وائس چیئرمین پدم شری مظفر حسین نے کہا کہ اردو کے تمام بہی خواہوں سے مل کر ہم اردو کے فروغ کی ایک ایسی پالیسی بنائیں گے کہ کونسل کے کاموں میں ہر خاص و عام کی شرکت یقینی ہو جائے۔ لکھنؤ میں میر انیس کے مزار کی خستہ حالی دیکھ کر جناب مظفر حسین اور دیگر حاضرین کا دل بھر آیا جس کا اظہار مظفر حسین صاحب نے ریاست کے وزیر اعلیٰ سے کیا تو انھوں نے میر و انیس کے مزارات کی تزئین کاری کا اعلان کیا۔ اساتذہ کی چار روزہ تربیت کے اس پروگرام میں یہ بھی محسوس کیا گیا کہ اردو کے فروغ کے لیے اس کی تعلیم کے دائرے کو بڑھانا جتنا ضروری ہے اتنا ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اردو کی تعلیم کے طریقوں کو جدید تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے۔

ایک نیا کام اردو کونسل نے اپنے ذمے یہ لیا ہے کہ وہ ملک کی اہم ترین قومی شخصیتوں کے کارناموں کا بھرپور جائزہ لینے کے لیے ایسی کتابوں کی اشاعت اور نمائشوں وغیرہ کا اہتمام کرے گی جو اردو میں پہلے نہیں دیکھی گئیں۔ اس سلسلے میں فی الحال دو شخصیتوں، مولانا ابوالکلام آزاد اور بابا بھیم راؤ امبیڈکر کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس بارے میں تفصیلات آپ اس شمارے کے خبرنامے میں پڑھ سکتے ہیں۔ امید ہے یہ سبھی سلسلے اردو زبان کی ہمہ گیریت میں اضافے کا سبب بنیں گے، اور وہ اردو کارواں، جس کا نام قومی اردو کونسل ہے، اسی طرح تیز گامی سے آگے بڑھتا رہے گا۔

(پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین)

آپ کی بات

ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی
سابق ممبر راجیہ سبھا، نئی دہلی

'اردو دنیا' کا مارچ 2015 کا شمارہ دیرینہ امتیازی خوبیوں اور خصوصیتوں کے ساتھ باصرہ نواز ہوا۔ یہ شمارہ متعدد حددرجہ محققانہ مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان کی اشاعت پر دلی مبارک باد قبول فرمائیں۔ یہ مضامین ہیں: ہندوستان میں خطاطی کا ارتقا اور چند ہندو خوشنویس، ریاست جموں اور کشمیر میں اردو زبان کی اہمیت اور مستقبل، جاویدنامہ–اقبال، رتن ناتھ سرشار کے ناول، مثنوی سحرالبیان اور ہندوستانی طرزِ معاشرت' اردو میں تخلص کی روایات، غالب کے فارسی اور اردو کے ہم معنی اشعار، خراجِ عقیدت کے تحت آر کے لکشمن، ہماری مطبوعات کے تحت راج کاج، نفسیات کے تحت ڈی بونو کی چھ مفکرانہ ٹوپیاں اور اردو کی تدریس۔ یہ مضمون سرفہرست ہے۔ سید حامد کی شخصیت پر جو مضمون ہے اس میں افسوس ہے کہ سب قیاس آرائی ہے اور کوئی ایسی صفت نہیں جس سے انھیں متصف نہ کیا گیا ہو۔

احمد سجاد
رانچی (جھارکھنڈ)

ہر ماہ کی طرح اس ماہ مارچ کا 'اردو دنیا' بھی سابقہ معیار ووقار کے ساتھ ہمدست ہوا اس شمارے نے 'ہندوستان کی دو عظیم شخصیات' سید حامد اور آر کے لکشمن کو بطور خاص جو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے وہ صداقت پر مبنی اور موثر ہے۔ جو لوگ سید حامد صاحب سے قریب رہے ہیں وہ ان کی دو خوبیوں کو فراموش نہیں کرسکتے اولاً ان کی بے انتہا خاکساری و رواداری اور دوم لائق افراد کی حسب صلاحیت تربیت اور ان سے کام لینے کی صلاحیت۔

ریاست جموں وکشمیر میں اردو زبان کی اہمیت اور مستقبل پر دلجیت ورمانے دل جیتنے والا انداز بیان تو ضرور اختیار کیا ہے مگر وہاں اردو کے 'مستقبل' پر جو حقائق سامنے ہیں ان سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ پورے ملک کی اس واحد ریاست میں اردو سرکاری زبان ہونے کے باوجود اردو کے ساتھ ریاست سے مرکز تک کی سرکاروں تک کا رویہ مخلصانہ نہیں 'غالب کے فارسی و اردو کے

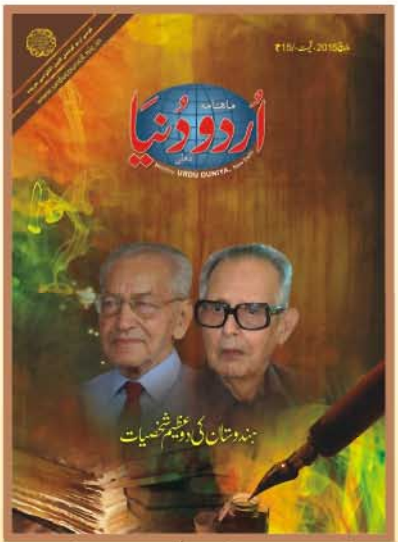

ہم معانی اشعار' میں پروفیسر عبدالحق نے غالب کی شاعری کے 'گنجینۂ معنی' اور 'سومنات خیال' کے حامل اردو فارسی اشعار میں جھانکنے کی بڑی خوبصورت کوشش کی ہے۔ اس مقالے میں ان کے مطالعے کی وسعت کے ساتھ ان کا حسین اسلوب بیان بھی دامن دل می کشد کا منظر پیش کرتا ہے۔

سید تقی عابدی نے 'جاوید نامہ۔ اقبال' میں بجا طور پر اسے 'انسان سازی کا زندہ جاوید شاہکار' ثابت کیا ہے۔ ایک خط کے حوالے سے علامہ اقبال کی اس خواہش ''جاوید نامہ ایک ایسی کتاب ہے جس پر مصور طبع آزمائی کرے تو دنیا میں نام پیدا کرسکتا ہے.....'' پر مزید کچھ روشنی ڈالتے تو اچھا ہوتا۔ کم از کم عبدالرحمٰن چغتائی نے کلام اقبال کے جن اجزا کو مصور کیا ہے اس حوالے سے کچھ اضافہ کیا جاسکتا تو اس مقالے کی معنویت واہمیت دوبالا ہوجاتی۔

پروفیسر علی احمد فاطمی نے 'رتن ناتھ سرشار کے ناول' کا بڑا خیال انگیز مطالعہ پیش کیا ہے اور اسی ذیل میں نذیرو شرر کے ناولوں پر 'تیز اور دھاردار تنقید کے جارحانہ حملوں' کے بجائے 'اس عہد کے پیمانے پر پرکھنے' کی جو صلاح دی ہے وہ مبنی برانصاف ہے۔

ڈاکٹر محمود شیخ کا مقالہ 'بیان کی تلاش' ہمیں کئی پہلو سے غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ 'مجروح سلطان پوری- غزل گوئی سے فلمی شاعری تک' کو انجینئر محی بخش قادری نے بڑی خوبی سے عملی مثالوں سے واضح کیا ہے۔ دراصل دونوں قسم کی ان کی شاعری خیال اور جذبے کی ہم آہنگی کے سبب آج تک سب کے لیے پرکشش ہے۔ عبدالناصر فاروقی نے اپنے عالمانہ تحقیقی مضمون میں 'ابومروان عبدالملک ابن زہر' کو 'دنیا کا ایک اہم طبیب' بے شک ثابت کردیا ہے۔ البتہ اس طرح کے مضامین کا مطالعہ کرتے وقت یہ سوال برابر ذہن میں کچوکے لگاتا رہتا ہے کہ آج جبکہ 57 مسلم ممالک دنیا کے بہترین انسانی اور مادی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود علمی وسائنسی اور سیاسی ہر اعتبار سے اس قدر پسماندہ اور ظالموں کا تختۂ مشق کیوں بنے ہوئے ہیں؟ اس اعتبار سے بھی تحقیق وتجسس اور غور وفکر کی ضرورت ہے۔

ان مضامین کے علاوہ 'تبصرہ وتعارف، تعارفی تبصرے، عالمی اردونامے، قومی کونسل کی سرگرمیاں، کونسل کے مالی تعاون سے چلنے والے گوناگوں پروگرام، دیگر قومی و علاقائی خبریں، رسم اجرا، وفیات اور خراج عقیدت وغیرہ کے صفحات سابق دستور معلومات سے بھر پور ہیں۔ بحیثیت مجموعی اردو دنیا صوری ومعنوی ہر اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔

ملک امجد اسلام امجد
جنرل سکریٹری تحصیل پریس کلب گوجرہ
جہانگیر ہاؤس، عثمان ٹاؤن، گلی نمبر2، گوجرہ پنجاب، پاکستان

ماہنامہ اردو دنیا دہلی کا ہر ماہ مطالعہ کرتا ہوں اور نئے شمارے کا بے چینی سے انتظار ہوتا ہے کیونکہ جس انتھک محنت سے آپ اور آپ کے ساتھی رسالہ کے لیے کام کرتے ہیں اس کی داد الفاظ میں دینا مشکل ہے کیونکہ اردو کی ترقی و ترویج کے لیے اردو کونسل کے زیر اہتمام نکلنے والا یہ رسالہ بہت بڑا کارنامہ ہے اور اب تک برصغیر پاک و ہند میں اس جیسا معیاری رسالہ نظروں سے نہیں گزرا۔ خصوصی طور پر اس میں شامل نئی کتابوں پر تبصرے کا سلسلہ انتہائی مفید ہے۔ جس سے رسالے کی قدر و منزلت دوگنی ہو جاتی ہے۔ ماہنامہ اردو دنیا دہلی پاکستان میں اردو سے محبت کرنے والوں کے لیے آب حیات سے کم نہیں ہے کیونکہ پاکستان میں تاحال اردو دنیا دہلی جیسے رسالے کی مثال ملنی مشکل ہے۔

ملک العزیز کاتب

18/23، وی پی کالونی، ساؤتھ اسٹریٹ، چینئی

مارچ 2015 کا شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ حسبِ معمول شاندار مضامین سے مزین ہے۔ زبان وتعلیم کے زمرے میں 'ہندوستان میں خطاطی کا ارتقا' اور 'چند ہندو خوشنویس' اور جموں وکشمیر میں اردو زبان کی اہمیت خاصے معلوماتی مضامین ہیں۔ خراجِ عقیدت کے تحت جناب سید حامد صاحب پر سیر حاصل گفتگو کے بعد آر کے لکشمن پر مضمون شائع کرکے فن شناسی کا حق ادا کیا ہے۔ اگرچہ کہ لکشمن کا تعلق اردو سے نہیں تھا، مگر ایک فنکار کے طور پر انھیں خراج پیش کرکے آپ نے فن نوازی کا ثبوت پیش کیا۔ 'جاوید نامہ' پر سید تقی عابدی کا مضمون کئی ایسے نکات سے بھرپور ہے، جو ابھی تک اوسط درجہ کے قاری تک نہیں پہنچے ہیں۔ یقیناً 'جاوید نامہ' فارسی میں پانچویں اہم کتاب ہے مگر عالمی ادب میں اسے کسی بھی بڑی کتاب کے برابر رکھا جاسکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی کئی بڑی اور اہم زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوچکا ہے مگر اردو ادب کا قاری میری نظر میں اس سے کماحقہ استفادے سے محروم ہے۔

اصل میں 'جاوید نامہ' کو سمجھنے کے بعد ایک طالب علم کے لیے بنیادی طور پر یہ ضروری ہے کہ وہ علامہ کی استعمال کردہ تلمیحات اور اصطلاحات کو بخوبی سمجھ لے۔ اس کے بغیر 'جاوید نامہ' یقیناً ناقابل فہم رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ فروری 1932 میں پہلا ایڈیشن شائع ہونے کے بعد پورے پندرہ سال بعد اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ کیونکہ اس دوران عوام نے اس کا پرتپاک خیر مقدم نہیں کیا جیسا کہ بانگ درا یا دیگر تصانیف کا کیا گیا۔

علامہ کی خوش قسمتی یہ تھی کہ ان کی زندگی میں انھوں نے قدر وقیمتی اور شہرت دیکھ لی۔ یہی وجہ تھی کہ مغربی دنیا کے بڑے بڑے مفکرین ان سے ملاقات اور استفادہ کے متمنی تھے۔ اٹلی کا مشہور ڈکٹیٹر مسولینی بھی علامہ کو اٹلی بلاکر ان سے تبادلۂ خیال کرتا ہے اور مشورہ طلب کرتا ہے۔

'جاوید نامہ' کے کئی ترجمے ہوچکے ہیں مگر ان میں یوسف سلیم چشتی کا ترجمہ کسی حد تک مشہور ومقبول ہوا ہے۔ پروفیسر سید سراج الدین نے اس کا منظوم ترجمہ کیا ہے مگر کتاب کی فکر کا حق ادا نہیں ہوسکا۔ اقبال ادب برائے ادب نہیں بلکہ ادب برائے ہدف یا ادب برائے مقصد کے زبردست قائل تھے۔ اس لیے اس کتاب کو عام کرنے کی ضرورت سابق کے مقابلے میں آج بہت زیادہ ہے۔

کرشن بھاوک

A-201، گورونانک نگر، گلی نمبر K-18، پٹیالہ (پنجاب)

مارچ کے 'اردو دنیا' کے زیرِ عنوان 'ہماری بات' اداریہ کے تحت کہا گیا ہے کہ امیر خسرو نے پہلی بار غزل کی صنف سے متعارف کرایا۔ اس کے برعکس ہندی زبان کے چند علما ہندی کے سنت کبیر کو ہی اس صنفِ شاعری کا بانی ثابت کرتے ہیں۔ بہاء الدین صاحب نے اپنی مشہور تالیف 'گلستانِ ہزار رنگ' میں بھی کبیر کا یہ شعر نقل کیا تھا: ''ہمن ہیں عشقِ دیوانہ، ہمن کو ہوشیاری کیا/ رہیں آزاد یہ جگ میں ہمن دنیا سے یاری کیا'

اسی شمارے میں سیدہ شانِ معراج صاحبہ کا مضمون ہندوستان میں بلا تخصیص مختلف مذاہب کے لوگوں کی اجتمائی اخوت کی خوشبو کی جاندار شعری زبان میں شاندار خط کشی کرتا ہے۔ فقط لفظ 'شیو راتری' (صفحہ 48) کی بجائے صحیح املا 'شِو وراتری' ہونا چاہیے تھا اور صفحہ 49 پر شوق کی محولہ نظم میں 'گرانی سے' کی جگہ الفاظ 'گرانی نے' درکار تھے۔ اس معیاری مقالے کے آخر میں علی جواد زیدی کی نظم کا ٹکڑا ہندوستانیوں کی اپنے خون سے ہولی کھیل کر دستیاب کی جانے والی آزادی کی داستانِ جدو جہد کو برمحل استعارے کے توسط سے قلمبند کیا گیا ہے۔

'آپ کی بات' کالم کے تحت ڈاکٹر معراج الدین نے شاید غلطی سے ہی سادیت یا مساکیت کو ایک قسم کی 'بیماری' لکھنے کی جگہ 'بیداری' لفظ تحریر کر ڈالا ہے۔ یہ پروف کی فروگزاشت تو نہیں ہوسکتی ہے۔ ڈاکٹر شمیم بدایونی صاحب کے خط میں (کی) 'سوانح' لفظ کو پہلے تو مونث میں لکھا گیا ہے اور ایک سطر چھوڑ کر ہی (کے سونح) مذکر میں۔ (صفحہ 6) ڈاکٹر رضوانہ ارم کے خط میں 'مشکور' (صفحہ 7) لفظ کا غلط استعمال ہوا ہے۔ اس کی بجائے لفظ 'شکر گزار' یا پھر لفظ 'شاکر' کا تصرف درکار تھا، کیونکہ 'مشکور' تو وہ شخص ہوا کرتا ہے، جس کے تئیں شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ اس شمارے میں انجینئر محی بخش قادری صاحب کا معیاری مقالہ مجروح کے فن وشخصیت کو کوزے میں سمندر کی مانند مقید کرتا ہے۔ اس میں فقط چند باتیں مزید جوڑنا چاہتا ہوں۔ مجروح سلطان پوری اتر پردیش کے ضلع سلطان پور میں قصبہ گجہڑی میں پیدا ہوئے تھے۔ طالب علمی کے دور میں ہی یہ اِتنے ذہین تھے کہ انھوں نے طب پر خاصی قدرت حاصل کرلی تھی اور اسی بنا پر سنہ 1938 میں اس کالج سے سند حاصل کرنے کے بعد ضلع فیض آباد کے قصبہ ٹانڈہ جا کر اِنھوں نے باقاعدہ اپنا ایک مطب بھی قائم کر لیا۔ ان کا وہاں کی ایک لڑکی سے عشق ہوگیا اور لوگوں کو اس کا علم ہوجانے پر اسے رسوائی سے بچانے کے لیے یہ ٹانڈا چھوڑ کر سلطان پور چلے گئے تھے۔

پروفیسر شمیم حنفی کے مطابق ''مجروح تقریباً ساٹھ برس کی تخلیقی زندگی میں مشکل سے پچاس، (ڈاکٹر کپل شرما کے مطابق تعداد 84) غزلیں کہنا عجیب سی بات لگتی ہے۔ اصل میں ان کی خود اعتمادی کو ہی بیشتر ان کی خودسری سمجھ لیا جاتا رہا ہے۔'' (مقالہ ''ادھر بھی دیکھ تماشہ ہے میری کم سخنی'')

شاعر جون ایلیا سے متعلق عظیم اقبال کا مقالہ شائع کرکے ادارے نے قارئین پر مزید احسان کیا ہے۔ ان کی شاعری علوی جیسے مقبولِ عام شاعر کے کلام کی مانند متنوع لب ولہجے کا ثبوت فراہم کرتی رہی ہے۔ جون ایلیا کا یہ ایک شعر ہی بطور ثبوت قابلِ حوالہ تھا:

'یوں جو تکتا ہے آسمان کو تُو
کوئی رہتا ہے آسمان میں کیا

مصطفی ندیم خاں غوری

نئی دہلی

'اردو دنیا' مارچ 2015 ہولی کی مبارکباد اور رنگوں کے ساتھ ساتھ اداسیوں کے چند سائے میں سمیٹ لایا۔ یعنی ہندوستان کی دو عظیم شخصیتوں کی یاد تازہ کرگیا:

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں
(اقبال)

اسی جریدے کے ص 5 پر معروف اُردو ادیب، مفکر ونقاد محترم کرشن بھاوک کا مراسلہ نظر سے گزرا۔ اِس ضمن میں یہ عرض کرنا ہے کہ لفظ 'قدم' کے دو معنی ہیں۔ پہلا لفظی یہ کہ چلنے پھرنے میں ایک پیر اٹھا کر آگے رکھنا یعنی ہم نے ایک قدم طے کیا۔ ایسی صورت میں قدم کی جمع 'اقدام' صحیح ہوا۔ دوسرے اِس لفظ کے مرادی معنی جو انتظامی، ادبی، تحقیقی وغیرہ امور میں انجام دی گئی کارروائی سے متعلق ہوں۔ مثلاً بد نظمی دور کرنے کے لیے کیا کارروائی کی گئی ہے؟ یا ادبی تحقیقی تکمیل میں کیا پیش قدمی ہوئی اب یہاں قدم کی جمع اقدام بھی ہوسکتا ہے لیکن ایسی صورتوں میں لفظ 'اقدامات' راہ پایا گیا اور خاصا مروّج بھی ہوگیا ہے۔ تو کہنا یہ ہے کہ اس میں کون ادبی ضرر واقع ہوگیا۔ اِس سلسلے میں پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی کا ترجمہ 'دریائے لطافت' فکر وتحقیق جنوری تا مارچ 2014 ص 86 قومی اردو کونسل نئی دہلی پیش نظر رکھا جائے تو صورتِ حال کافی کچھ واضح ہوجائے گی۔ اب تو ایسے الفاظ لاشعوری طور پر استعمال ہونے لگے ہیں کہ اصول وضوابط سے ان کا سدِّ باب ازبس دشوار سا نظر آتا ہے۔ ہندی، پنجابی اور اردو تینوں الگ الگ زبانیں ہیں کیونکہ تینوں کے مزاج مختلف ہیں۔ اب اگر ہندی اور پنجابی زبانوں میں لفظ 'بوال' کا چلن چل پڑا ہو تو غالباً ان کے تئیں یہ صحیح ہے اور اردو زبان میں لفظ 'وبال' صحیح ہے، تو غلط کیا ہے؟ اردو ادب کے غیر مسلم اور ہندو ادبا کسی میدان میں کسی سے

کبھی پیچھے نہیں رہے۔ ص 11 پر 'ہندوستان میں خطاطی کا ارتقا اور ہندو خوشنویس' کے تحت غیر مسلم خوشنویسوں کا مختصر تذکرہ کرنے کی بجائے ان کے کارناموں پر تفصیلی روشنی ڈالی جاتی تو اس مضمون کی افادیت میں اضافہ اور عنوان سے انصاف ہوجاتا۔ اسی مضمون میں ص 13 پر شاہجہاں کا زمانہ (1627 تا 1766) کے بجائے 1628 تا 1658 درج کیا جاتا تو صحیح ہوجاتا۔ ص 28 پر مثنوی 'سحر البیان' بڑی عمدگی سے لکھا گیا اور ص 31 پر 'اردو میں تخلص کی روایت' میں بڑی قدرت ہے۔ شمیم احمد صدیقی نے ایک خوابیدہ مسئلہ پر بڑی کامیابی سے قلم اٹھایا ہے۔ مضمون بعنوان 'ایک دھوپ تھی...' (ص 33) کی عبارت موضوع کی بجائے مصنف پر مرکوز نظر آتی ہے۔ آر کے لکشمن پر لئیق رضوی کی تحریر عام احساسات پر نقش چھوڑ جاتی ہے۔ (ص 37) کہتے ہیں کہ کسی گول ڈسک پر سات بنیادی رنگوں کو تیز رفتاری سے حرکت دی جائے تو وہ باہم ایک میل ہوکر روشن ہوجاتے ہیں۔ یہی کیفیت بہن سیدہ شان معراج نے صفحہ 47 پر پیش کی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اس میں نظیر اکبرآبادی کی نظم 'پھر دیکھ بہاریں ہولی کی' شامل کی جاتی تو ہر رنگ دوبالا ہوجاتا۔

ممتاز منور پیر بھائی

صدر انجمن ترقی اردو (ہند) پونے

'اردو دنیا' کا مارچ کا شمارہ ملا اس قدر بے مثال جریدہ کے لیے آپ داد وتحسین کے مستحق ہیں۔ اس شمارے میں سبھی مضامین لاجواب ہیں جن تین شخصیات کا اس میں ذکر ہے مجھے فخر ہے کہ ان تینوں سے ملاقات کرنے کا شرف مجھے حاصل ہوا تھا یعنی سید حامد، آر کے لکشمن اور مجروح سلطان پوری ان کے بارے میں پڑھتے ہوئے میری نظروں میں وہ منظر گھومنے لگے جب میں ان سے ملی تھی۔ ان تمام شخصیات کی کمی ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی۔

ڈاکٹر معراج الدین خاں

صدر شعبۂ اردو، ایم این آر۔اے۔ پی جی کالج، نانپارہ، بہرائچ

'اردو دنیا' مارچ 2015 کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ غضنفر اقبال کا شائستہ یوسف سے انٹرویو پسند آیا خاص کر شائستہ یوسف کا اپنی زندگی سے متعلق وہ واقعہ جس میں ان کی والدہ کے آپریشن کا ذکر کیا گیا ہے ان کا خدا کی ذات پر یقین اور سورہ یاسین کا ورد (کن فیکون) ایمانی حرارت کو بڑھا گیا، عبداللہ عثمانی کا خطاطی پر مضمون علم میں اضافے کا باعث بنا۔ ریاست جموں وکشمیر میں اردو زبان کی صورت حال پر دلجیت ورما کا مضمون وہاں اردو کی صورت حال کا مکمل احاطہ کرتا ہے اور مضمون کے آخر میں ان کا یہ سوال نہایت اہم ہے کہ کوئی اردو کیوں پڑھے؟ آج کا انسان ہر چیز میں مطلب تلاش کرتا ہے۔ انھوں نے کشمیر حکومت سے جو مطالبات کیے ہیں حکومت کو ان پر ضرور غور کرنا چاہیے۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی نے 'جاوید نامہ' پر بہترین تجزیہ پیش کیا ہے یقیناً اقبال نے جاوید نامہ میں شاعری اور فلسفہ حیات کے حقائق و معارف بڑے ہی اچھوتے اور دلکش انداز میں نظم کیے ہیں۔ پروفیسر علی احمد فاطمی کا سرشار پر مضمون یقیناً فکشن پر کام کرنے والوں کے لیے کارآمد ثابت ہوگا، ڈاکٹر شمیم احمد صدیقی کا مضمون 'اردو میں تخلص کی روایت' بیش قیمتی ہے خاص کر مسابقتی امتحانات میں طلبا کو اس سے رہنمائی ملے گی۔ انجینئر محی بخش قادری کا مجروح سلطان پوری پر مضمون مجروح کی شاعری کا مکمل احاطہ کرتا ہے۔ عبدالناصر فاروقی کا مضمون ابومروان عبدالملک ابن زہر طب کی اہمیت وافادیت بیان کرتا ہے یقیناً آنے والا دور طب اور حکمت کا ہوگا۔

ڈاکٹر عبدالعزیز عرفان

نزد مولانا آزاد کالج نیشنل کالونی، پلاٹ نمبر 34، اورنگ آباد

'اردو دنیا' کا مارچ 2015 کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ اردو دنیا قومی اردو کونسل، اردو کی ایک پہچان بن چکے ہیں۔ قومی کونسل کی خدمات اور کارہائے نمایاں ہم سب پر عیاں ہے، اردو کے لیے کیے جانے والے اقدامات قابلِ تحسین اور قابل مبارکباد ہیں۔

ہم سب جانتے ہیں کہ 'اردو دنیا' اردو کا واحد جریدہ ہے جو اردو زبان و ادب کے فروغ اور بقا کے لیے کوشاں ہے۔ اردو کی ترقی کا یہ گراف یقیناً اردو کے انتہائی عروج کا ضامن ہے۔ اردو دنیا کا ہر شمارہ ایک سے بڑھ کر ایک ہوتا ہے۔ مارچ 2015 کے شمارہ میں عبداللہ عثمانی، عبدالحق، ڈاکٹر شمیم احمد صدیقی کے مضامین معلومات سے پر ہیں۔ دیگر مضامین اور مشمولات بھی اپنی اہمیت اور مقام رکھتے ہیں۔

پرویز اشرفی

D-321، دعوت نگر، اے ایف انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

ماہ مارچ 2015 کا تازہ شمارہ ملا۔ ہماری مطبوعات کالم میں آچاریہ چانکیہ کی کتاب 'ارتھ شاستر' کی روشنی میں 'راج کاج' سے متعلق جو ہدایتیں اور تفصیلات ہیں وہ عوام کے لیے نہایت مفید ہے۔ شان الحق حقی نے اس کا ترجمہ کرکے اردو کے قارئین پر بڑا احسان کیا ہے۔ مختلف ذیلی عنوانات کے تحت حکومت اور اُس سے متعلق عملی کاموں کا بہت بہتر ذکر کیا گیا ہے۔ اگر ہمارے رہنما کم سے کم اس کا مطالعہ بھی کرلیں تو ملک سے آپس کی نفرتوں کو ہمیشہ کے لیے دور کیا جاسکتا ہے۔

عبدالناصر فاروق نے ابن زہر سے متعلق مضمون تحریر کرکے اردو دنیا کے قارئین کو بالخصوص تاریخ سے شغف رکھنے والوں کی معلومات میں اضافہ کیا ہے۔

'جون ایلیا فرد اور شاعر' شخصیت کالم کے تحت پُرمغز مضمون ہے۔ مضمون کے مطالعے سے جون ایلیا کے درد اور کرب کو سمجھا جاسکتا ہے۔ ہجرت کے بعد بھی ہندوستان کی سوندھی مٹی کی خوشبو اُنھیں اپنی جائے پیدائش کی یاد دلاتی رہی۔ ایک مسلم شخص وہ بھی مغربی یوپی کے مردم خیز علاقہ امروہہ کا باسی اُس کا نام 'جون ایلیا' کیوں کر پڑا؟ اُس کا اصل نام کیا تھا، اس سے قارئین ناواقف رہے۔

خراجِ عقیدت کے تحت آر کے لکشمن کے لیے لئیق رضوی کے احساسات یقینی طور پر قارئین کو بہت پسند آئے ہوں گے۔ بے شک سید حامد ایک گہر عالی تھے۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ آج ملت سرسید اور مولانا آزاد کے بعد ایک بار پھر یتیم ہوگئی ہے۔ 'اردو میں تخلص کی روایت' نے معلومات میں اضافہ کیا۔ غضنفر اقبال کے ذریعہ شائستہ یوسف سے لیا گیا انٹرویو بہت اچھا ہے۔ ماہنامہ 'اردو دنیا' کے تمام کالم اپنا مقام رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد ناظم علی

پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج موڑتاڑ، نظام آباد، تلنگانہ

مارچ 2015 کا 'اردو دنیا' کا شمارہ بروقت ہم دست ہوا۔ سرورق پر ہندوستان کی دو عظیم شخصیات کی تصویریں شائع کی ہیں۔ راسی پورم کرشنا سوامی لکشمن کارٹون کے ذریعے عالمی ملکی قومی حالات حوادث کو اپنے فن کے ذریعے پیش کرتے رہے۔ مدیر نے اداریہ میں لکشمن کی مجموعی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اس کے ساتھ پروفیسر سید حامد اور ڈاکٹر کلیم عاجز کی تعلیمی اور ادبی وشعری، تنقیدی خدمات پر خراجِ عقیدت پیش کیا۔ شائستہ یوسف کا انٹرویو ادبی معلومات سے مزین ہے۔ ہندوستان میں خطاطی کا ارتقا اور ہندو خوشنویس میں خطاطی کے فن اور اس کی تاریخ اور مغلوں کے دور حکومت میں فن خطاطی کو عروج حاصل ہوا ہے اس پر سیر حاصل گفتگو ہے۔ غالب کے فارسی و اردو ہم معانی اشعار اور جاوید نامہ اقبال فارسی سے اردو والوں کو سمجھانے کے لیے اہم حصہ ہے۔ رتن ناتھ سرشار کے ناول فسانۂ آزاد بہت مقبول ہوا۔ یہ مضمون سرشار شناسی میں ممد ومعاون ثابت ہوگا۔ مثنوی سحر البیان میں ہندوستانی تہذیب وتمدن معاشرت کی نشاندہی اشعار کے ذریعے کی گئی ہے۔ 6 مارچ کو ہولی کی مناسبت سے ہولی یک جہتی کی علامت بہت خوب ہے۔ ہولی تہوار سماج کے تمام طبقات مل کر مناتے تھے اور اردو ادیبوں نے خاص کر نظیر اکبرآبادی نے ہولی پر نظمیں لکھ کر اس کو تاقیامت ادب میں محفوظ کردیا۔ اس شمارے کے دیگر مشمولات بھی قابل مطالعہ ہیں۔

توفیق احسن برکاتی

132، کاسکر اسٹریٹ، ممبئی 3

تازہ شمارہ مارچ 2015 ہندوستان کی دو عظیم شخصیتوں کے نام معنون ہے۔ دونوں اپنی اپنی فیلڈ کے بادشاہ تھے۔

2008 جولائی میں محترم سید حامد مرحوم کی نگرانی میں منعقد ہونے والے اساتذہ مدارس کے تربیتی ورک شاپ میں راقم بھی مسلسل بارہ روز تک وہاں موجود تھا۔ قیام ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی میں تھا، سید حامد مرحوم ایک باوقار شخصیت کے مالک تھے، حد درجہ ملنسار، خلیق تھے تو نظر بھی آتے تھے، تازہ شمارے میں ہماری بات عبداللہ عثمانی کا مضمون ہندوستان میں خطاطی کا ارتقا اور چند ہندو خوشنویس دلجیت ورما کا ریاست جموں و کشمیر میں اردو زبان کی اہمیت اور مستقبل کافی پسند آیا۔ پروفیسر عبدالحق کا مقالہ غالب کے فارسی و اردو ہم معانی اشعار بہت محنت سے لکھا گیا ہے۔ ذاکر فیضی نے تعارفی تبصرہ محنت سے تحریر کیا ہے۔ اس کے بھی اپنے فائدے ہیں، دیگر مشمولات بھی انتہائی مفید اور دستاویزی نوعیت کے ہیں، یہ تو اردو دنیا کے ہر شمارے کا خاصہ ہے، البتہ ایک جملے ان شاءاللہ کے رسم الخط کی تصحیح کی جانب اشارہ ضروری سمجھتا ہوں۔ اردو دنیا میں بھی احباب 'انشاءاللہ' کہتے ہیں اس جملے کا معنی ''اگر اللہ نے چاہا، اگر اللہ چاہے'' ان شاء اللہ ہی سے ادا ہوگا اور یہی درست ہے، لہٰذا ارباب قلم اس نکتے پر وجہ دیں۔

سلمان جونپوری
نارول، احمد آباد

'اردو دنیا' کا مارچ کا شمارہ حسبِ معمول بذریعہ ڈاک موصول ہوا۔ ہندوستان میں خطاطی کا ارتقا اور چند ہندو خوشنویس بہت اہم مضمون ہے فی الحال کمپیوٹر کا زمانہ ہے اور قارئین کی نظر کمپیوٹر پر جم چکی ہے پھر بھی خطاطی کی جاذبیت برقرار ہے اور برقرار ہی رہے گی۔ بھلے ہی آدمی اردو فارسی وغیرہ نہ جانتا ہو مگر ایسے کتبے و عمارت پر نظر تھم ہی جاتی ہے۔ مثنوی سحر البیان اور ہندوستانی معاشرت، بہت پسند آیا محترم شمیم احمد صدیقی کی تحریر 'اردو میں تخلص کی روایات' بہت خاصے کی چیز ہے۔ مجروح سلطانپوری غزل گوئی سے فلمی شاعری تک بہت دلچسپ مضمون ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مشمولات بھی بہت معلوماتی ہیں۔

رضاء الرحمن عاکف سنبھلی
محلّہ میانسرائے سنبھل ضلع مرادآباد یوپی

اردو زبان وادب کی کہکشاں میں آپ کا رسالہ 'اردو دنیا' اپنی تابنا کی کی بنا پر آفتاب و ماہتاب کا مقام رکھتا ہے۔ دراصل اس کے مندرجات اس قدر معلوماتی و معیاری ہوا کرتے ہیں جن کی مثال کم ہی دیکھنے کو ملا کرتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ آپ کا حسن ادارت اس میں مزید چار چاند لگا دیتا ہے۔ مارچ 2015 کا شمارہ زیر نظر ہے۔ مضامین میں ہندوستان میں خطاطی، رتن ناتھ سرشار کے ناول، جون ایلیا، ہولی یکجہتی کی علامت، مجروح سلطانپوری اور بیان کی تلاش وغیرہ قابل ستائش ہیں۔ مستقل کالم میں عالمی اردو نامہ، خبر نامہ اور کتابوں کی دنیا نہایت معلومات افزا ہیں۔ 'اردو دنیا' کا اداریہ بھی کافی اہمیت کا حامل ہوا کرتا ہے، جس میں عالمی ادبی منظر نامے کے ساتھ ہی کسی اہم مسئلے یا موضوع کی جانب قارئین کی توجہ مبذول کرائی جاتی ہے — الغرض یہ کہ 'اردو دنیا' ہر اعتبار سے اعلیٰ ادبی و علمی معیار پر پورا اترتا ہے۔

شمس الهدیٰ انصاری
نشاط نگر، واسع پور، دھنباد (جھارکھنڈ)

مارچ 2015 کے اردو دنیا میں آپ نے دونوں شخصیات کو بہترین خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ باقی مشمولات بھی عمدہ اور قابل تعریف ہیں۔

محمد عرفان
ریسرچ اسکالر، شعبۂ فارسی، اُردو اور عربی، پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ

'اُردو دُنیا' مارچ کا شمارہ ملتے ہی بہت خوشی ہوئی۔ تازہ شمارہ ہاتھوں میں آتے ہی پورا پڑھ ڈالا۔ اس شمارے میں ہندوستان کی دو عظیم شخصیات بیادِ سید حامد اور آر کے لکشمن کے بارے میں بہت کچھ جاننے کا موقع ملا۔ خاص کر ہر شمارے کا کتابوں کی دُنیا والا حصّہ بہت قابلِ تعریف ہے ہر ایک ریسرچ اسکالر کے لیے بہت مددگار ہوتا ہے۔ اس میں نئی نئی کتابوں کے بارے میں جانکاری حاصل ہوتی ہے۔

محمد زاهد
شکروار پیٹھ، پونہ 2

'اردو دنیا' کے مارچ کے شمارے سے 'تعارفی تبصرے' کا کالم شروع ہوا ہے۔ ذاکر فیضی نے 'پونا یاترا' کتاب کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا یہ خالص ادبی سفر تھا۔ وہ ساہتیہ اکادمی ایوارڈ لینے آئے تھے۔ چوبیس زبانوں کے قلمکاروں کے ساتھ اس میں پونہ کے ان اردو قلمکاروں کے ساتھ ان کی ملاقاتیں باتیں ہیں جن کے بیچ انھوں نے وقت گزارا۔ میں پونہ میں ہوائی اڈے سے ہوٹل گیا اور پروگرام تک ان کے ساتھ تھا اس لیے ذاکر فیضی کا تبصرہ یک طرفہ اور ادھورا لگا۔ مختصر تبصرے میں بھی ناشر یا مصنف کا پتہ ضرور دیں تاکہ کتاب منگوائی جاسکے۔ ہر شمارے میں نیا بہت کچھ ہوتا ہے۔

فیض الرحمن فیض
بھوارہ، مدھوبنی، بہار

ہر ماہ کی طرح ماہ مارچ کا بھی 'اردو دنیا' اپنی مکمل آب و تاب کے ساتھ نظر نواز ہوا۔ اردو دنیا سے میرا لگاؤ طالب علمی کے شروع زمانے ہی سے رہا ہے۔ متفرق مضامین شعرا کی سوانح، ادبا کے فسانے، اطبا کے تعارف اور متفرق معلومات کا تعاقب اردو دنیا کے وہ امتیازات اور خصوصیات ہیں جو اردو کے دیگر مجلّات و میگزین میں سے ممتاز کرتا ہے۔ شائستہ یوسف صاحبہ نے اپنے انٹرویو میں غضنفر اقبال کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے جن نکات پر روشنی ڈالی ہے وہ قابل غور ہیں۔

سید اولاد حسین
ضلع آنند گجرات، شہر کھمبایت

ماہنامہ 'اردو دنیا' فروری 2015 دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ اردو سے متعلق دیگر قومی اور علاقائی خبریں اور ڈاکٹر

ذاکر حسین صاحب کی شخصیت مولانا عبدالماجد دریابادی سے خط و کتابت کی روشنی میں اور ملکہ ترنم بیگم اختر صاحبہ پر مضامین بہت اچھے ہیں۔ ٹھمری گائیکی میں موصوفہ نے نام پیدا کیا تو دوسری طرف غزل کو مقبول بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ علامہ اقبال پر کشمیر میں اقبالیاتی ادب بہت مفید مضمون ہے۔

عبدالحی پیام انصاری
پرولی بازار، ضلع گورکھپوری (یوپی)

محترم کرشن بھاوک نے 'اردو دنیا' کے دسمبر 2014 کے شمارے میں اپنے مضمون 'اردو شاعری میں روزمرہ' میں میرے ایک شعر کا دو جگہ حوالہ دیا ہے جس کا دوسرا مصرعہ غلط شائع ہوگیا ہے۔ اسے یوں ہونا چاہیے تھا ''جنگلوں میں دربدر ڈھونڈھتا رہتا تھا وہ'' دوسری عالمی اردو کانفرنس منعقد کرنے کے لیے آپ قابل مبارکباد ہیں۔ یہ دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی ہوئی کہ دنیا بھر کے ملکوں میں اردو پر کام ہورہا ہے اور دنیا بھر میں اردو کے دانشور پھیلے ہوئے ہیں۔ سارک کی سطح پر بھی ایک اردو کانفرنس منعقد کیجیے نیکی اور پوچھ پوچھ؟

نور محمد جنیدی
133 شدھیشور نگر، 4، ضلع شولاپور 3

ماہنامہ 'اردو دنیا' ستمبر جب خریدا تو بہت خوشی ہوئی۔ حسنِ طباعت اور کتابت گراں قدر تحقیقی مضامین اپنے اندر معلومات کا سمندر لیے ہوئے ہیں۔ ستمبر کا 'اردو دنیا' ٹیگور اور اقبال: فکر وفن پر مبنی تھا۔ ٹیگور کیا تھے اردو دنیا سے ہندوستان کے مسلمانوں کو معلوم ہوا مگر اقبال کون ہیں کیا ہیں یہ ہمارے غیر مسلم بھائیوں کو کب معلوم ہوگا۔ ■

صدر عالم گوہر

کبھی تنہائیوں میں یوں ہماری یاد آئے گی: مبارک بیگم

اردو زبان کی طاقت، اس کا سر چڑھ کر بولتا جادو اور اس کی نفاست، نزاکت اور شہرت و عزت کو دیکھنا ہو تو مبارک بیگم کو دیکھئے۔ جس نے اردو کی محض دو چار کتابیں پڑھ کر وہ عزت شہرت حاصل کی کہ دنیا عش عش کرتی ہے جو اردو کے علاوہ کوئی دوسری زبان نہیں جانتی لیکن اس کے گائے ہوئے نغمے ساری دنیا میں سنے اور گائے جاتے ہیں۔ مبارک بیگم نے کسی اسکول کالج کا منھ نہیں دیکھا۔ جنھیں پڑھایا لکھایا نہ گیا۔ پڑھنے لکھنے کا موقع نہ دیا گیا۔ لیکن انھوں نے گھر پر ہی اردو کی دو چار کتابیں پڑھ کر دنیا میں وہ کیا کہ ساری دنیا دیکھتی رہ گئی۔ ہندوستانی فلمی نغموں کی تاریخ تب تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک اس میں مبارک بیگم کا نام شامل نہ کیا جائے۔

بمل رائے کی کلاسک فلموں 'دیوداس' اور 'مدھومتی' کے صرف دو نغموں کو مبارک بیگم نے اپنی آواز دی اور سب کو چونکا دیا۔ ملکہ ترنم نور جہاں نے 'دیوداس' کے نغمے ''وہ نہ آئیں گے پلٹ کے انھیں لاکھ ہم بلائیں'' کی تعریف کی تھی۔ اور فلم مدھومتی کا نغمہ ''ہم حال دل سنائیں گے سنئے کہ نہ سنئے۔ کو بھلا کون بھلا سکتا ہے۔

جہاں ایک طرف مبارک بیگم نے اردو زبان کے جلیل القدر شعرا کے تخلیق کردہ نغموں کو اپنی آواز دی۔ جن میں ڈی این مدھوک، نخشب جار چوی، ساحر لدھیانوی، شکیل بدایونی، جاں نثار اختر، راجہ مہدی علی خاں، کیف بھوپالی، حسرت جے پوری وغیرہ ہیں۔ وہیں ہندوستانی فلمی دنیا کے مایہ ناز موسیقاروں کے نغموں کو بھی مبارک بیگم نے اپنی آواز دی۔ جن میں موسیقار اعظم نوشاد، ایس ڈی برمن، غلام محمد، سلیل چودھری، حسن لال بھگت رام، موسیقار شوکت حیدری دہلوی، جن کا فلمی نام ناشاد تھا، سجاد، سردار ملک، کلیان جی آنند جی، روشن، شنکر جے کشن، وغیرہ ہیں۔ مبارک بیگم تنگدستی کی حالت میں زندگی گزار رہی ہیں۔ ایک بیڈروم والے گھر میں رہتی ہیں۔ ان کی ایک بیٹی ہے جو پارکنسن مرض میں مبتلا ہیں ان کا بیٹا ٹیکسی چلاتا ہے۔ صدر عالم گوہر نے ان کے گھر جاکر 'اردو دنیا' کے لیے جو انٹرویو لیا اس کے اقتباس ملاحظہ ہوں۔ ادارہ

صدر عالم گوہر: آپ کی تاریخ پیدائش کہیں لکھی نہیں دیکھی۔

مبارک بیگم: تاریخ پیدائش کی جہاں تک بات ہے تو یہ مجھے پتہ نہیں ہے۔ کہیں لکھا ہوا نہیں ہے اور نہ مجھے ہی صحیح پتہ ہے۔ آپ اپنے حساب سے کچھ بھی لکھ دو۔ (میرے خیال سے مبارک بیگم کی تاریخ پیدائش 1930-35 کے درمیان ہونی چاہیے۔ کیونکہ 1949 میں ان کی پہلی فلم آئی تھی۔ اس وقت ان کی عمر 16-20 کے درمیان رہی ہوگی۔ صدر عالم گوہر)

ص ع گ: آپ کا مقام پیدائش کیا ہے۔ آپ کا آبائی وطن کہاں ہے؟ آپ کے باپ دادا کہاں کے تھے؟

مبارک بیگم: میری پیدائش جھنجھنوں کی ہے۔ وہاں میری نانیہال ہے۔ میری ماں وہیں رہتی تھیں جھنجھنوں (راجستھان) میں۔ وہاں پر ایک سید صاحب تھے بازو میں ایک درگاہ بھی تھی۔ سیّد صاحب نے پوچھا کہ کیا ہوا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ لڑکی ہوئی ہے۔ تو انھوں نے کہا کہ میرے پاس لے کر آؤ۔ جب لے گئے۔ تو مجھے گود میں رکھ کر کہا کہ اس کا نام مبارک رکھنا۔ تو اس کے بعد تو بیگم تو آپ کو پتہ ہے۔ فلم والوں نے بیگم لگادیا۔ ورنہ نام میرا مبارک ہے۔

ص ع گ: آپ کی تعلیم کہاں تک ہے۔ آپ نے کتنا پڑھا لکھا؟

مبارک بیگم: کس نے پڑھنے دیا؟ (انھوں نے راجستھانی زبان میں کہا) چھوری نو پڑھاؤ گے تو لے کر بھاگ جاں سی گھراں سے۔ پڑھایا کہاں؟ انھوں نے کچھ نہیں پڑھایا۔ وہاں لوگوں کا یہ ماننا تھا کہ پڑھ لکھ جائے گی تو گھر سے بھاگ جائے گی۔ خالی تین چار پانچ چوپڑیاں پڑھی۔ وہ بھی احمد آباد بڑودہ آکے۔ وہ بھی اس لیے کہ گانا دوسروں سے لکھوائیں اور ہم پڑھ لیں۔ راجستھان میں رہتے ہوئے کوئی پڑھائی نہیں کی۔

ص ع گ: بھائی بہن کتنے تھے آپ کے؟ کچھ بچپن کے بارے میں بتائیں؟

مبارک بیگم: پانچ بھائی بہن تھے میرے۔ میں سب میں بڑی تھی۔ نول گڑھ کے شیخاواٹی کے ہیں ہم۔ جہاں کے گیت کار بھرت ویاس تھے۔ جنھوں نے ایک سے ایک گانے لکھے۔ نول گڑھ میں تو ہمارا مولیوں کا بہت بڑا کھیت تھا۔ بازو میں ایک سندر ماموں رہا کرتے تھے اور ان کی ماں

بھی رہتی تھی تو وہ پوجا کرتی تھی باؤنڈری میں بھی وہاں پر پتھر رکھ کے بیٹھ جاتی تھی۔

پھر ہم پیر صاحب کے مرید ہوئے۔ پیر صاحب بدایوں کے تھے۔ تو میں نے کہا بادا میں تو پوجا کرتی ہوں۔ تو انھوں نے کہا نہیں بیٹا تم کو تو بچپن سے عبادت کا شوق تھا لیکن معلوم نہیں تھا کہ کیسے کیا کرنا چاہیے۔ اب میں تمھیں بتاتا ہوں کہ عبادت کیسے کرنی چاہیے۔ بڑا اچھا سا جواب تھا پیر صاحب کا۔

ص ع گ: اپنے نانا دادا کے بارے میں بتائیے وہ کس طرح کے لوگ تھے۔

مبارک بیگم: نانا دادا تو ہمارے مسجد میں اذان دیتے تھے اور تعزیہ وغیرہ بناتے تھے۔ ویسے وہاں سے جب ہم آئے بڑودہ۔ پہلے احمد آباد آئے وہاں ہمارے دادا تھے۔ وہاں چھوٹا سا ایک ہوٹل تھا۔ چھوٹی سی جگہ اس میں چھوٹا پتیلہ دودھ گرم کرنے کے لیے تھا تو میں بھی وہیں کھیلتی تھی۔ پتیلا وغیرہ لے کر۔ ایک دفعہ کیا ہوا کہ زبردست ماتا نکلی۔ تو خیر وہ اچھے ہو گئے۔ وہاں ایک ہمارا بھائی پیدا ہوا تھا۔ بہت خوبصورت۔ سب بھائی بہن سے خوبصورت۔ اس کا نام شبیر تھا۔ وہ سائکل چلاتا تھا تو کہتا تھا 'با کی (مبارک بیگم کا مخفف) میں تجھ کو سائیکل پر بیٹھنے نہیں دوں گا۔ میں نے کہا اچھا بھائی مت بیٹھنے دے۔ سب بھائی بہنوں میں سب سے خوبصورت۔ اس کے بعد اس کو زبردست بیماری ہو گئی کان کے پاس، تو جے پور لائے اس کو۔ تو وہاں وہ Expire ہو گیا اور میں اتنی سیدھی کہ بازو میں مجھ کو سلا رکھا۔ مجھے نہیں پتا کہ مرنا جینا کیا ہوتا ہے، شروع سے ہی سیدھی تھی اور آخر تک سیدھی رہی اور اس کے وجہ سے کام بھی کم ملا اور وہ سب کچھ سیدھے پن میں ہی کھو دیا۔ اس کی بے وقت موت ہو گئی۔ دوسرے بھائی تو ابھی تک ہیں۔

مجھے تو اسکول نہیں بھیجا گیا لیکن بھائیوں کو میں نے پڑھایا۔ ریکارڈنگ کر کے پڑھایا۔ شادیاں بھی ہم نے ہی اپنے بھائیوں کی کرائی۔

ص ع گ: آپ کو گانے کا شوق کب ہوا؟

مبارک بیگم: اصل میں یہ قصہ شروع ہوتا ہے تب سے جب میں چھوٹی تھی۔ گانے کا شوق مجھے کچھ بھی نہیں تھا۔ میں فلمیں دیکھنے جاتی تھی احمد آباد میں۔ وہاں میرے بڑے بابا اور باپ جو تھے وہ گاڑی چلاتے تھے۔ فروٹ بیچتے تھے۔ وہ بھی لاری میں رستے میں۔ تو شام کو ان کو فرصت ملتی تھی۔ تو وہ لوگ پکچر دیکھنے جاتے تھے۔ میرے بڑے ابا۔ ایک دن میں نے کہا میں بھی چلوں تو وہ بولے۔ کیا کرے گی تو چل کر؟ میں نے ضد کی کہ بابا میں جاؤں گی۔ تو وہ لے گئے۔ سینما ہال میں جب تک اجالا رہا تو جاگتی رہی جب اندھیرا ہو گیا تو سو گئی میں۔ اس بار پہلی دفعہ تھی میں نے فلم نہیں دیکھی۔ ایک بار پھر میں نے ضد کہ مجھے لے چلو۔ تو وہ بولے وہاں جا کے سو جاتی ہے۔ تجھ کو کیا خاک لے چلوں۔ لیکن بڑی ضد کے بعد مجھے لے گئے۔ اس بار میں سوئی نہیں فلم دیکھی۔ پردے پر ثریا آئیں۔ ثریا گا رہی تھیں۔

ص ع گ: وہ کون سی فلم تھی؟

مبارک بیگم: فلم تو یاد نہیں آ رہی ہے۔ لیکن اس کے گانے گھر آ کر میں بہت گاتی تھی۔ جب میں گانے لگی تو میرے ابا نے کہا اچھا گا لیتی ہے۔ سر میں ہے سر میں گا لیتی ہے۔ تو اب کیا کریں گے ایسا کرتے ہیں۔ احمد آباد سے بڑودہ لے چلیں۔ بڑودہ سے جائیں گے بمبئی۔ وہاں آ کا شوانی ہے۔ وہاں جا کر آڈیشن (Audition) دیں گے۔

جب میں ریڈیو میں گانے لگی تو میرے ابو نے سوچا کہ فلموں میں ٹرائی کرنی چاہیے۔ اتنا اچھا گا لیتی ہے۔ اور آواز بھی اچھی ہے تو فلموں میں قسمت آزمانے میں کیا حرج ہے۔ سو وہ مجھے لے کر نرگس کی ماں جدّن بائی کے پاس گئے اور کہا کہ میری بیٹی اچھا گا لیتی ہے آپ اس کی تھوڑی سفارش کر دیں اور کہیں فلموں میں موقع دلوا دیں۔ وہیں میرے ابو کی اور جدّن بائی کی بات ہو ہی رہی تھی تو انہوں نے کہا کہ نرگس آتی ہے تو میں بول دوں گی۔ اتفاق سے نرگس بھی کہیں سے شوٹنگ کر کے لوٹی۔ اس کے ہاتھ میں ہاکی کا بیٹ تھا۔

ص ع گ: تب آپ کی عمر کیا رہی ہوگی؟

مبارک بیگم: عمر تو یاد نہیں ہے۔ بہت چھوٹی تھی۔ اور بہت سیدھی تھی۔ میں پانی بھرنے جاتی تھی تو ایک زنجیر ڈال رکھی تھی اپنے گلے میں۔ جب پانی لے کر آئی تو گھر والوں نے کہا ایک زنجیر ڈال رکھی تھی تمہارے گلے میں وہ کیا ہوئی۔ تو میں نے کہا مجھے نہیں معلوم کیا ہوئی۔ تو گھر والوں نے کہا وہ ماجرہ ہے نہ۔ اس نے نکال لی ہوگی۔ تو گھر والوں نے اس کو بلا کر پوچھا کہ اس کے گلے کی چین تو نے نکالی ہے۔ تو اس نے کہا۔ ہاں اتنی سیدھی تھی کہ کوئی کچھ بھی نکال لے مجھے پتہ نہیں چلتا تھا۔

ص ع گ: ہاں تو آپ بتا رہی تھیں کہ آپ سن سن کر ثریا کے گانے گاتی تھی؟

مبارک بیگم: ہاں، جب میں ثریا کے گانے گانے لگی تو میرے ابو نے کہا، بڑودہ میں چلیں اس کو کچھ سکھایا جائے۔

ص ع گ: سنا ہے آپ کے ابو طبلہ بجایا کرتے تھے؟

مبارک بیگم: ہاں میرے ابو طبلہ بجایا کرتے تھے۔ شاگرد تھے تھرکوا خاں صاحب کے۔ اس وقت ریڈیو میں ادھر تھرکوا خان صاحب ادھر امیر خاں صاحب ادھر روشن آرا تینوں گا رہے ہیں۔ روشن آرا بیگم اتنا اچھا گاتی تھیں کہ کیا کہیں۔ پھر ہم لوگ بمبئی آ گئے۔ میرے ابو نے کہا آل انڈیا ریڈیو چلتے ہیں۔

ص ع گ: بمبئی میں کہاں رہے؟

مبارک بیگم: آ کا شوانی نے ہم لوگوں کو جگہ دلوا دی تھی۔ وہیں۔ اور ادھر سے نکلے تو آڈیشن دیا۔ تو انھوں نے مجھے پاس کر لیا۔ غزلیں وغیرہ گائیں اور اس وقت وہ اپنے جمال سین اور غلام میاں (موسیقار غلام محمد، جنھوں نے فلم پاکیزہ کی موسیقی دی ہے) ڈھولک بجایا کرتے تھے۔ یہ طبلہ بجایا کرتے تھے۔ غلام محمد صاحب نے میری غزلیں سنی۔ بولے کہ ایک نئی لڑکی آئی ہے۔ بہت اچھا گاتی ہے تو انھوں نے غزلیں گانے کے لیے مجھے بلوایا۔ میں، وہاں چند غزلیں گائیں۔

کوئی ساتھی نہیں بس اک دل دیوانہ ہے
وہ بھی ظالم کبھی اپنا کبھی بیگانہ ہے

اور بہت ساری۔

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

ایک غزل جو مجھے پسند تھی وہ:

مجھ میں حسن کا عالم
مجھ میں عشق کی دنیا

ص ع گ: آپ فلموں میں کیسے آئیں؟

مبارک بیگم: جب میں ریڈیو میں گانے لگی تو میرے ابو نے سوچا کہ فلموں میں ٹرائی کرنی چاہیے۔ اتنا اچھا گا لیتی ہے۔ اور آواز بھی اچھی ہے تو فلموں میں قسمت آزمانے میں کیا حرج ہے۔ سو وہ مجھے لے کر نرگس کی ماں جدن بائی کے پاس گئے اور کہا کہ میری بیٹی اچھا گا لیتی ہے آپ اس کی تھوڑی سفارش کر دیں اور کہیں فلموں میں موقع دلوا دیں۔ وہیں میرے ابو کی اور جدن بائی کی بات ہو ہی رہی تھی تو انھوں نے کہا کہ نرگس آتی ہے تو میں بول دوں گی۔ اتفاق سے نرگس بھی کہیں سے شوٹنگ کر کے لوٹی۔ اس کے ہاتھ میں ہاکی کا بیٹ تھا۔ نرگس کی ماں جدن بائی نے میرے بارے میں نرگس سے کہا۔ ''اس کو کہیں کام وام دلوا دو فلموں میں۔'' نرگس نے کہا صرف سفارش سے کچھ نہیں ہوتا اسے گانا بھی آنا چاہیے اور اگر اچھا گائے گی تو خود بہ خود راستہ ملتا جائے گا۔ اس کے بعد فلموں

میں میری جدوجہد شروع ہوگئی۔

ص ع گ: کتنے پیسے ملتے تھے اس وقت؟

مبارک بیگم: مجھے آکاشوانی سے پچیاس روپے ملتے تھے۔ شروع شروع میں اور کیا ملتا۔ وہیں رفیق غزنوی نے مجھے سنا تو وہ بولے کہ اسے گوانا چاہیے اور بھی نئی لڑکیوں کے ساتھ اس وقت انھوں نے مجھے گوایا۔ وہاں گیسٹ لوگ بھی آ گئے وہاں مجھ سے گایا نہیں گیا۔ زیادہ لوگوں کو دیکھ کر میں ڈر گئی۔ دو تین جگہ ایسا ہی ہوا مجھے زیادہ لوگوں کے سامنے گانے میں ہچکچاہٹ ہوتی ہے۔ میں ڈر جاتی تھی ریہرسل میں اچھا گاتی تھی لیکن ریکارڈنگ میں پتا نہیں کیا ہو جاتا تھا۔ ڈرپوک تھی شروع سے بڑا ڈر لگتا تھا۔ پھر شیام سندر جس کا گیت ہے:

اک دل کے ٹکڑے ہزار ہوئے
کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا

انھوں نے بھی مجھے گوایا۔

وہاں راجکماری جی بھی آئیں اور انھوں نے کہا تم نئے نئے لوگوں کو گواؤ گے اس پر وہ کچھ نہیں بولے۔

ص ع گ: تو جب آپ ڈر جاتی تھیں تو پھر فلموں میں کیسے گانے لگیں؟

مبارک بیگم: جب ایک دو جگہ ریکارڈنگ نہیں ہوئی تو مجھے بہت دکھ ہوا کہ یہ تو بہت برا ہوا۔ پھر قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ میرے پیر صاحب بدایوں کے ہیں۔ ان کے مرید ہو گئے۔ اس کے بعد ایک پکچر تھی یعقوب صاحب کی انھوں نے مجھے بلایا بولے تم کام کرو۔ میں نے کہا میں کیا خاک کام کروں گی۔ انھوں نے کہا میں سیڑھی لے کر آتا ہوں اس پر چڑھ کر تم اوپر سے مسعود رانا کے اوپر چھلا پھینک دو۔ میں نے کہا مجھے ڈر لگتا ہے۔ وہاں ایک داروغہ صاحب تھے انھوں نے کہا بھئی کام کرلو فلم میں۔ خیر وہ شوکت جنھیں ناشاد بھی کہتے ہیں۔ وہ موسیقار تھے۔ ادھر ریہرسل ہو رہی ہے۔ ادھر شوٹنگ چل رہی ہے۔ میں کبھی شوٹنگ پر چلی جاؤں کبھی ریہرسل پر آجاؤں، تو شوکت ناشاد نے کہا، کیا گھڑی گھڑی یہاں سے بھاگ جاتی ہو۔ میں نے کہا اپنی مرضی سے تھوڑی ہی بھاگ جاتی ہوں میں۔ شوٹنگ میں بھی ہوں۔ جب ادھر بلاتے ہیں تو ادھر جاتی ہوں۔ جب آپ بلاتے ہیں تو ادھر آجاتی ہوں۔

خیر جب پیر صاحب کے مرید ہو گئے۔ تو یعقوب صاحب کے بھائی علاء الدین صاحب تھے۔ وہ ریکارڈسٹ تھے۔ ورلی کا پیٹرول پمپ ہے۔ اس کے سامنے ٹین اسٹوڈیو تھا۔ اس میں پہلا گانا گایا۔

آؤ چلیں، چلیں وہاں

اس گانے میں لتا جی بھی میرے ساتھ تھیں۔ لیکن سنیں گے تو ایسا لگے گا کہ ان کی بھی آواز الگ ہے میری بھی آواز الگ ہے۔

ص ع گ: آپ کی فلمی دنیا میں سب سے پہلا سولو نغمہ کون سا ہے؟

مبارک بیگم: یعقوب صاحب کی وجہ سے فلمی دنیا میں مجھے گانے کا موقع ملا۔ میرا پہلا گانا تو 'آؤ چلیں وہاں' تھا۔ جو لتا منگیشکر کے ساتھ تھا۔ یہ 1949 کی بات ہے۔ اس فلم کا نام تھا 'آئیے' اس فلم میں میں نے ایک solo نغمہ بھی۔ گایا تھا۔

''موہے آنے لگی انگڑائی''
آجا آجا بلم ہرجائی

اور پردے پر اس کو گایا تھا۔ مقری کی بیوی جو بنی ہے فلم 'مدر انڈیا' میں جو مقری کو جھاڑو مارتی ہے وہ۔ اس کا نام ہے شیلا نایک۔ ان کے اوپر فلمایا گیا تھا۔ سو (100) سے زیادہ میوزک ڈائریکٹروں میں ایسا کوئی نہ بچا جس کے ساتھ میں نے کام نہیں کیا ہو۔ اس وقت مجھے ڈر نہیں لگا۔ اس وقت میں مرید ہو گئی تھی۔ مجھ میں طاقت آ گئی تھی۔ اس کے بعد میں گاتی چلی گئی۔

انسان تھے وہ باندرہ میں رہتے تھے۔ بڑے سادہ دل انسان تھے۔ کپڑے وغیرہ کا کوئی دھیان نہیں رکھتے تھے۔ نخشب جارچوی صاحب سے گانے لکھواتے تھے۔ بعد میں پاکستان چلے گئے۔ وہ پاکستان جا کر اتنے پاپولر ہو گئے کہ ان کے نام سے روڈ بن گیا۔ فلم 'بارہ دری' ان کی مشہور فلموں میں سے ہے۔ اس فلم میں طلعت محمود کی آواز میں ایک مشہور گانا ہے:

تصویر بناتا ہوں میں تصویر نہیں بنتی

اس فلم میں میں نے بھی گانا گایا تھا۔ میرا گانا تھا:

جن کو ہو جان پیاری وہ سامنے نہ آئیں

یہ گانا میں نے لتا منگیشکر دونوں نے مل کر گایا تھا اسے لکھا تھا نخشب جارچوی نے اور موسیقار تھے شوکت حیدری ناشاد۔

ص ع گ: آپ نے S.D.Burman صاحب کے ساتھ بھی کام کیا، کچھ ان کے بارے میں بتلایئے؟

مبارک بیگم: جب ہم گئے S.D.Burman کے

ص ع گ: آپ کے گرو کون تھے؟

مبارک بیگم: عبدالکریم خاں صاحب کے بھتیجے صمد خان اور ریاض الدین خان۔ ان سے میں نے کہا تو تھوڑا ابتدا دو تانیں وانیں۔ کیونکہ اگر میں کلاسیکل زیادہ گاؤں گی۔ تو آواز خراب ہو جائے گی۔ پھر فلموں میں گانے کے لیے آواز مناسب نہ رہے گی۔ میں نے تھوڑا سا ہی سیکھا۔ ریاض وریاض کر لیتی تھی۔

ص ع گ: نرگس سے فلمی دنیا میں سب سے پہلے آپ ملی تھی۔ کیا نرگس کی فلم میں بھی آپ نے گانے گائے؟

مبارک بیگم: نرگس کی فلم کے لیے بھی میں نے گانا گایا۔ ان کی فلم 'تقدیر' کے لیے بھی میں نے گانا گایا تھا۔ وہاں بھی یہی حال ہوا۔ میں ڈر گئی تھی۔

ص ع گ: اکثر لوگ موسیقار نوشاد اور موسیقار ناشاد میں کنفیوز ہو جاتے ہیں۔ ناشاد صاحب کو بھی لوگ نوشاد ہی سمجھتے ہیں۔ آپ ناشاد صاحب کے بارے میں کچھ بتلایئے۔ جنھیں آپ شوکت دہلوی بھی کہتی ہیں۔

مبارک بیگم: ناشاد صاحب بڑے سیدھے سادے

پاس تو ہمارے ابا نے کہا برمن صاحب میری بچی گاتی ہے۔ اس سے کچھ گیت گوایئے تو وہ کہنے لگے۔ آواز کو پالش کرو۔ پھر جب دیوداس میں میرے گانے ریکارڈ ہوئے۔ تو میں نے پوچھا کیسا ہے۔ تو وہ بولے بہت اچھا ہے۔ بائی آپ بہت اچھا گاتی ہیں۔ دیوداس کا نغمہ ہے:

وہ نہ آئیں گے پلٹ کر انھیں لاکھ ہم بلائیں
ملی کون سی خطا کی مجھے اس قدر سزائیں

ص ع گ: آپ نے رفیع صاحب کے ساتھ بھی کام کیا کچھ ان کے بارے میں بتلایئے؟

مبارک بیگم: رفیع صاحب کے ساتھ میں نے پہلا گانا کمال امروہی صاحب کی فلم 'دائرہ' کے لیے گایا تھا۔ مجھے کہا گیا کہ ریہرسل رفیع صاحب کے گھر پر جا کر کرنی ہوگی۔ تو میں نے کہا کہ میں تو کسی آرٹسٹ کے گھر جا کر ریہرسل نہیں کی۔ لیکن رفیع صاحب کی بات ہے تو ٹھیک ہے۔ میں رفیع صاحب کے یہاں جاؤں گی کوئی بات نہیں ہے۔ پھر میں رفیع صاحب کے یہاں گئی وہاں طنبورہ، پیٹی (ہارمونیم) وغیرہ رکھی

ہوئی تھی۔ میں گئی تو چائے پینے کے لیے دی گئی۔ اتنی اچھی چائے تھی کہ میں نے زندگی بھر ویسی چائے نہیں پی۔ خدا جانے کیسی چائے تھی میں نے آج تک ویسی چائے نہیں پی۔ کاجو بادام منقٰی وغیرہ ڈالی ہوئی تھی مگر اس وقت مجھے کیا تمیز تھی ان سب چیزوں کی۔ اس وقت ہم لوگوں کو ایک گانے کے ڈیڑھ سو روپے ملتے تھے۔ کیا اوڑھے کیا بچھائے۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اتنا نام ہوا اتنی عزت ملی۔ فلم 'دائرہ' کا نغمہ تھا:

دیوتا تم ہو میرا سہارا
میں نے تھاما ہے دامن تمہارا
سو گئے مندروں کے پجاری
گونجتی ہے مرلیا تمہاری
آتما جھومتی ہے ہماری
دل کھنچا جا رہا ہے ہمارا

آواز مبارک بیگم اور محمد رفیع

میں نے محمد رفیع صاحب جیسا شریف انسان نہیں دیکھا۔ ہمیشہ نظریں نیچی کئے رہتے تھے۔ کبھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ فلم دائرہ میں چھ سات گانے ہم نے گائے:

سنو میرے سجنا
دیپ کے سنگ جلوں
جلی شمع زمانے کو ہو گیا معلوم
جو ہم پہ بیت رہی ہے کسی کو کیا معلوم

ص ع گ: فلم 'دائرہ' کمال امروہی صاحب کی فلم تھی کچھ کمال امروہی صاحب کے بارے میں بتلایئے۔ کیا وہ بہت غصّہ والے تھے؟

مبارک بیگم: نہیں غصّہ والے تو نہیں تھے۔ مگر بولتے کم تھے۔ کوئی اگر آتا کہ فلم دکھاؤ میں پکچر خریدوں گا تو بولتے تھے کہ پکچر نہیں دکھاؤں گا۔ ہاں گانے سن لو، گانوں پر ان کو اتنا ناز تھا۔ پکچر بہت اچھی بنی تھی۔ لیکن اس زمانے کی پکچر تھی۔ کوئی سمجھ نہ سکا اس کو۔ ناز سنیما میں ہم نے دیکھی۔ اس طرح سے 'فلم میں 'دائرہ' بنا ہوا تھا۔ اس میں مینا کماری کھڑی تھی۔ اتنی خوبصورت کی ویسی تو ہم نے نہیں دیکھی اور وہ گانا "دیوتا تم ہو میرا سہارا۔ بہت اچھا، لیکن گانا بیک گراؤنڈ میں چل رہا تھا۔ ناز سنیما میں ہم لوگ بیٹھے تھے۔ رفیع صاحب بھی بغل میں بیٹھے تھے۔ جب گانا ختم ہوا تو رفیع صاحب بولے دیکھو میرا تو گانا ہی نہیں آیا۔ اتنے سیدھے تھے رفیع صاحب۔ میں نے کہا ساری پکچروں میں تو آپ ہی گاتے رہتے ہیں اب اس میں نہیں آیا تو کیا ہو گیا۔ تو خیر وہ چپ ہو گئے۔ بہت سیدھے تھے بیچارے۔ بہت سیدھے دس بارہ فلموں میں میں نے رفیع صاحب کے ساتھ گایا رفیع صاحب کے ساتھ میرا ایک مشہور گانا ہے۔ فلم ہمراہی کا:

مجھ کو اپنے گلے لگا لو اے میرے ہمراہی
تم کو کیا بتلاؤں میں کہ تم سے کتنا پیار ہے

ص ع گ: نوشاد صاحب کے بارے میں کچھ بتلایئے۔ فلم 'شباب' میں آپ کو کیسے موقع ملا؟

مبارک بیگم: جب 'دائرہ' میں گا رہی تھی۔ تو مجھے ایک گانے کے لیے نوشاد صاحب نے بلوایا

"محلوں میں رہنے والے مجھے تیرے در سے کیا"

میں نے کہا ساتھ میں کون گا رہا ہے۔ بولے ایک قوال ہے۔ لیکن جب میں نے سنا تو کہا کہ یہ تو کورس ہے۔ بولے کہ نہیں۔ اور بڑے بڑے گانے دیں گے یہ۔ میں بولی کی میں تو بڑی بڑی پکچروں میں گا رہی ہوں میرا تو واندہ (کام بگڑا) ہو جائے گا۔ میں نے کہا خیر نوشاد صاحب کی بات ہے تو کوئی

پاکستان میں نورجہاں سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ بڑا عایشان بنگلہ تھا ان کا جب میں وہاں پہنچی تو گوپی کشن بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ نور جہاں نے کہا آپا آپ کا ایک گانا بہت اچھا بج رہا ہے۔ میں نے پوچھا کون سا گانا تو وہ بولیں، "کبھی تنہائیوں میں بھی ہماری یاد آئے گی"۔ میں نے ان سے کہا آپ تو بہت اچھا گاتی ہیں تو انہوں نے کہا سب ولی دا صدقہ ہے۔ انہوں نے کہا آپ بھی تو بہت اچھا گاتی ہیں۔ میں نے کہا میں کیا گاتی ہوں۔ تو انہوں نے کہا آپ اچھا گاتی ہیں۔

بات نہیں۔ وہ گانا چلا فلم 'شباب' میں محمد رفیع مبارک بیگم:

"محلوں میں رہنے والے مجھے تیرے در سے کیا"
"نگری ہے اپنی پیاری ہمیں اونچے گھر سے کیا"

ص ع گ: پہلے آپ لیمینگٹن روڈ کے علاقے میں رہتی تھیں۔ جوگیشوری میں کب سے آئیں؟

مبارک بیگم: آٹھ دس سال ہو گئے یہاں آئے، جاوید اختر صاحب نے یہ گھر دلوایا ہے۔

ص ع گ: ایک بار فلم 'بابی' کے بارے میں بتاتے ہوئے لکشمی کانت پیارے لال نے انٹرویو میں کہا تھا کہ ہم لوگوں کو ریشماں کی آواز بہت پسند تھی فلم 'بابی' کا نغمہ "انکھیوں کو رہنے دو انکھیوں کے آس پاس" کو ہم نے ریشما کی آواز میں ریکاڈ کر لیا تھا لیکن بعد میں راجکپور صاحب نے اسے بقا کی آواز میں ریکارڈ کر لیا اور ریشما کی آواز کا فلم بیرو کے نغمے "چار دنوں کا میل او ربا... لمبی جدائی، میں اور دوسرے نغموں کے لیے استعمال کیا۔ کیا آپ کے ساتھ بھی ایسا ہوا؟

مبارک بیگم: ہاں میرے، ساتھ بہت ایسا ہوا۔ میں شروع سے سیدھی سادی تھی۔ داؤ پیچ نہیں جانتی تھی۔ جس کی وجہ سے میرے سیدھے پن کا لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ اور میں زمانے کی دوڑ میں پیچھے رہ گئی۔ بہت بار ایسا ہوا کہ میں گانے ریکارڈ کروا کر آئی۔ اور جب فلم ریلیز ہوئی تو اس میں سے میری آواز غائب۔ فلم "جب جب پھول کھلے" کا گانا:

"پردیسیوں سے نہ انکھیاں ملانا"

یہ پہلے میری آواز میں ریکارڈ ہوا تھا۔ فلم ریلیز ہوئی تو میری آواز غائب:

ص ع گ: آپ کبھی پاکستان بھی گئیں؟

مبارک بیگم: ہاں میں پاکستان گئی تھی ہوائی جہاز سے۔ ہوائی جہاز پر چڑھنے میں مجھے بہت ڈر لگتا تھا۔ میرے ابا بھی میرے ساتھ تھے۔ اصل میں یہ ہوا کہ کسی نے پاکستان میں کہا کہ ہندوستانی پلے بیک سنگر چاہیے۔ ریڈیو پاکستان کا پروگرام تھا۔ تو میں پاکستان گئی وہاں ریڈیو اسٹیشن پہنچی تو رفیق غزنوی صاحب وہاں تھے۔ جن کا "مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے" مشہور ہے۔ وہ کہنے لگے کہ مبارک بیگم آئی ہے میری اس سے بات کروادو اور دکھا دو۔ لوگ بولے کہ بہت سیدھی ہے وہ بات کر لو خود۔ ایک کنسرٹ رکھی ہے۔ کنسرٹ میں مہدی حسن صاحب آئے کراچی میں۔ مہدی حسن مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے انھوں نے میری دعوت کی۔ وہاں میں نے دو فلموں میں گانے گائے ایک فلم تھی راز دوسری میں شمیم آرا ہیروئن تھی۔ وہاں بہت سے لوگوں نے میری دعوت کی۔

ص ع گ: جب آپ پاکستان گئیں تو کیا وہاں نور جہاں سے ملیں؟

مبارک بیگم: ہاں پاکستان میں نور جہاں سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ بڑا عایشان بنگلہ تھا ان کا جب میں وہاں پہنچی تو گوپی کشن بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ نور جہاں نے کہا آپا آپ کا ایک گانا بہت اچھا بج رہا ہے۔ میں نے پوچھا کون سا گانا تو وہ بولیں، "کبھی تنہائیوں میں بھی ہماری یاد آئے گی"۔ میں نے ان سے کہا آپ تو بہت اچھا گاتی ہیں تو انھوں نے کہا سب ولی دا صدقہ ہے۔ انھوں نے کہا آپ بھی تو بہت اچھا گاتی ہیں۔ میں نے کہا میں کیا گاتی ہوں۔ تو انھوں نے کہا آپ اچھا گاتی ہیں۔ آپ نے وہ گانا بہت اچھا گایا:

وہ نہ آئیں گے پلٹ کے انھیں لاکھ ہم بلائیں

پھر انھوں نے میری دعوت کی۔ بڑے مہمان نواز ہیں وہ لوگ۔

■

Sadre Alam Gauhar, 1155, New Islamabad (Nala Paar) Bheondi, Distt; Thane -421302 (MS)

قاسم انصاری

دیارِ میر میں قومی اردو کونسل کے زیر اہتمام منعقدہ اساتذہ کا چار روزہ تربیتی پروگرام

ایک رپورٹ

شہر لکھنؤ کو نہ صرف ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست اتر پر دیش کی راجدھانی ہونے کا شرف حاصل ہے بلکہ یہ شہر اپنے ابتدا سے ہی اردو زبان و ادب، تہذیب و ثقافت، آپسی رواداری اور اپنی مخصوص روایات کی بنا پر دنیا بھر میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ علم و ادب کا یہ ایسا گہوارہ ہے جہاں خدائے سخن میر تقی میر اور میر انیس نے اپنی شعریات سے اس شہر کی تہذیبی فضا کو معطر کیا اور اسے شہرتِ دوام بخشی۔ نوابوں کی نگری کہے جانے والے اِس شہر نے لاتعداد اردو شاعروں اور ادیبوں کو جنم دیا جنھوں نے اردو زبان و ادب کی نمایاں خدمات انجام دیں۔ اپنی انھیں خصوصیات کی بنا پر یہ شہر اردو زبان کا ایک اہم مرکز اور دبستان بنا جس نے اردو زبان وادب اور تہذیب و ثقافت کو ایک نیا حسن بخشا۔ حسن ایسا جس نے ہر خاص و عام کو اپنا گرویدہ بنایا اور ملی جلی تہذیب بالخصوص گنگا جمنی تہذیب کی ایک شاندار مثال اور روایت پیش کی۔ شام اودھ اور صبح بنارس کا یہ ایسا سنگم ہے جس کے بغیر ملک کی تہذیبی و ادبی تاریخ نامکمل ہے۔ آج بھی یہ شہر اِن تمام خصوصیات اور تاریخی حقائق کا ترجمان ہے۔ اسی لیے حکومت ہند کے سب سے بڑے اردو ادارے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے اپنی اہم ترین سرگرمیوں کے لیے اس شہر کا انتخاب کیا اور چار روزہ کمپیوٹر اساتذہ کا تربیتی پروگرام منعقد کیا۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، مرکزی حکومت کا واحد ایسا ادارہ ہے جو ملکی سطح پر اردو زبان کی ہمہ جہت ترقی کے لیے سرگرم عمل ہے، وزارت برائے فروغ انسانی وسائل کے تحت کام کرنے والے اس ادارے کے قیام کا ایک بڑا مقصد اردو کو تکنیکی تعلیم بالخصوص کمپیوٹر سے جوڑ کر اردو کی نئی نسل کو روزگار سے جوڑنا ہے، اس مقصد کی تکمیل کے لیے کونسل NIELIT چنڈی گڑھ ، مرکزی وزارت مواصلات و اطلاعات کے اشتراک سے ملک کی چوبیس (24) ریاستوں کے 193 اضلاع میں 425 کمپیوٹر مراکز چلا رہی ہے، جہاں ہر سال تقریباً 25,000 (پچیس ہزار طلبہ) ڈپلومہ ان کمپیوٹر اپلی کیشنز بزنس اکاؤنٹنگ اینڈ ملٹی لنگول ڈی ٹی پی کورس میں داخلہ لیتے ہیں، اب تک ایک لاکھ چونتیس ہزار چھ سو بارہ طلبہ (1,34,612) طلبہ ڈپلومہ کی سند حاصل کر چکے ہیں، ان میں تقریباً پچاس فیصد طلبہ آج ملک کے مختلف سرکاری و غیر سرکاری اداروں میں روزگار سے جڑ چکے ہیں، ان مراکز کی کارکردگی کو مزید بہتر اور فعال بنانے، نیز انھیں جدید تکنیکی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے مقصد سے کونسل ملک کے مختلف علاقوں میں تربیتی پروگرام بھی کرتی رہتی ہے۔ لکھنؤ کے کلارکس اودھ ہوٹل میں کونسل کے زیر اہتمام منعقد یہ بڑا جلسہ بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے، جہاں اتر پردیش کے علاوہ دہلی، ہریانہ، مدھیہ پردیش، راجستھان اور اتراکھنڈ کے مراکز کے اساتذہ اور ذمے داران نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ 16 مارچ کو اس پروقار تقریب کا افتتاح اتر پردیش کے گورنر عزت مآب ڈاکٹر رام نائک نے کیا۔ اپنی افتتاحی تقریر میں انھوں نے فروغ اردو کے لیے کونسل کی کوششوں کی بھرپور ستائش کی اور کہا کہ مرکزی حکومت اردو کو روزی روٹی سے جوڑنے کے لیے خاصی اہم کوششیں کر رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ لکھنؤ اردو زبان وادب کا گہوارہ ہے اور ہر عہد میں اس گہوارے نے اردو زبان و ادب کو جلا بخشی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو کسی مخصوص فرقے کی زبان نہیں اور نہ ہی اسے کسی خاص مذہب سے جوڑ کر دیکھا جانا چاہیے۔ اردو رابطے اور عام آدمی کی زبان ہے اور زبانیں لوگوں کے دلوں کو جوڑنے کا کام کرتی ہیں، توڑنے کا نہیں۔ ہندی اردو کے رشتوں کو اجاگر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اردو ہندی کے سب سے قریب ہے اور

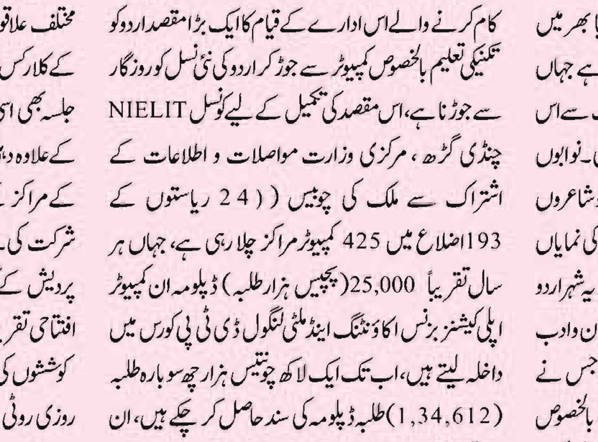

تاریخی اعتبار سے دونوں میں سگی بہنوں کا رشتہ ہے۔ اس رشتے کو تحریکِ آزادی میں بھی دیکھا جاسکتا ہے جہاں دونوں زبانوں نے ملک کو آزاد کرانے میں اہم ترین کردار ادا کیا۔ انھوں نے دور دراز کے علاقوں سے آئے اساتذہ و نمائندگان کو مشورہ دیا کہ وہ رام پور کی رضا لائبریری ضرور دیکھنے جائیں جہاں ہاتھ سے تحریر کیا ہوا قرآن کریم اور ہندوؤں کی مقدس کتاب بھگوت گیتا اردو زبان میں موجود ہے۔

اس موقعے پر انھوں نے کونسل کے مراکز کی نگرانی اور ان کی کارکردگی سے متعلق تیار کردہ مانٹرنگ سافٹ ویئر کا اجرا بھی کیا اور امید ظاہر کی کہ کونسل اردو کی ترقی اور اس کے فروغ کے لیے اسی طرح کوشاں رہے گی۔

اس موقعے پر کونسل کے وائس چیئرمین پدم شری جناب مظفر حسین نے کہا کہ ہم اردو والوں کے لیے یہ خوش آئند بات ہے کہ اردو زبان آج جدید ٹکنالوجی سے جڑ چکی ہے اور قومی اردو کونسل نے اس سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں، انھوں نے کہا کہ اردو اس وطن کی مٹی سے جنمی ہے اور قوم و ملک کی تعمیر میں اس کا نمایاں کردار رہا ہے۔ اس لیے اس زبان کو ایک مخصوص فرقے کے ساتھ جوڑ کر نہیں دیکھا جانا چاہیے۔ انھوں نے اس امر پر بھی زور دیا کہ کونسل جلد ہی جو اردو کے اسٹیک ہولڈرس ہیں، ان سے رابطہ قائم کر کے اردو زبان کے فروغ کی نئی حکمت عملی متعین کرے گی تا کہ اردو کے فروغ میں ہر خاص و عام کی حصے داری کو یقینی بنایا جاسکے۔

ملک کی مختلف ریاستوں سے آئے تمام نمائندگان و اساتذہ کا استقبال کرتے ہوئے کونسل کے ڈائرکٹر پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے کونسل کے قیام کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی اور ملک کے طول و عرض میں پھیلے کمپیوٹر مراکز کی کارکردگی سے اجلاس کو واقف کرایا انھوں نے کہا کہ اس چار روزہ اجلاس کا بڑا مقصد عہد حاضر کے جدید تکنیکی تقاضوں کے بارے میں غور و خوض کرنا اور مراکز کے ذمے داران کو بہتر تربیت دینا ہے تا کہ اساتذہ و ماہرین کے بہتر تال میل سے

کونسل کے وائس چیئرمین کی گورنر اتر پردیش اور وزیر اعلیٰ سے ملاقات، خستہ حال میر انیس کے مزار کی تزئین اور اردو گیلری کے منصوبے کی ستائش کی گئی۔

کونسل فروغ اردو کے کارواں کو مزید آگے بڑھا سکے۔ انھوں نے کہا کہ لکھنؤ میں اس سلسلے کی یہ چوتھی کانفرنس ہے اس سے قبل کونسل پونہ، سرینگر و گوہاٹی میں بھی اس قسم کے پروگرام منعقد کر چکی ہے اور مستقبل میں بھی کرتی رہے گی۔

NIELIT چنڈی گڑھ کے جوائنٹ ڈائرکٹر جناب دیپک واسن نے کہا کہ یہ دور اداروں کے باہمی اشتراک کا دور ہے اور NIELIT چنڈی گڑھ و قومی اردو کونسل نے اس سلسلے میں بہترین مثال پیش کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ دونوں اداروں کے کمپیوٹر مراکز کے ذمے داران کے بھرپور تعاون کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، جلسے کا اختتام قومی ترانے سے ہوا، اس موقع پر کمپیوٹر اساتذہ، نمائندگان اور شہر لکھنؤ کی سرکردہ شخصیات کے علاوہ کونسل کے ریسرچ آفیسر ڈاکٹر کلیم اللہ، انتخاب احمد، ریسرچ اسسٹنٹ ڈاکٹر قاسم انصاری و دیگر اسٹاف نے بھی شرکت کی۔

کونسل کے وائس چیئرمین کی گورنر اتر پردیش اور وزیر اعلیٰ سے ملاقات، خستہ حال میر انیس کے مزار کی تزئین کا اور اردو گیلری کے منصوبے کی ستائش کی گئی۔

قومی اردو کونسل کے وائس چیئرمین پدم شری جناب مظفر حسین کے اعزاز میں راج بھون میں 17 مارچ کو ایک پروقار تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں ریاست کے گورنر عزت مآب ڈاکٹر رام نائک اور وزیر اعلیٰ عزت مآب اکھلیش یادو نے شرکت کی۔ پدم شری جناب مظفر حسین اور کونسل کے ڈائرکٹر پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے کونسل کے قیام کے اغراض و مقاصد اور اردو کی موجودہ صورت حال پر روشنی ڈالی اور انھیں کونسل کی کارکردگی سے واقف کرایا۔ اس موقعے پر پدم شری مظفر حسین نے اخبار نویسوں سے بھی خطاب کیا۔ انھوں نے راج بھون میں اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اردو کے فروغ کے لیے اسے نئی تکنیک سے جوڑا جائے۔ جناب مظفر حسین نے

کہا کہ صحافی سماج بھی عجیب طرح کا سماج ہے۔ کبھی تعریف کرتا ہے، کبھی تنقید لیکن اس کی تنقید میں بھی مٹھاس ہوتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو کا فروغ مشاعروں سے نہیں ہوتا بلکہ مشاعروں سے تو شاعروں کا فروغ ہوتا ہے لیکن جب زبان سماج سے جڑتی ہے تو وہ ملک کی زبان بن جاتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو کے نام پر سیاست کرنے والے چلے گئے لیکن اردو رسم الخط ہمارے درمیان موجود ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ 18 برس قبل ہندوستان نے اردو رسم الخط کو آسان بنانے کا خواب دیکھا تھا اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی تشکیل عمل میں آئی۔ ایسا کہا جاتا ہے کہ اردو کتابوں کے خریدار نہیں ہیں لیکن ہم نے اورنگ آباد میں ایک کروڑ روپے کی کتابیں فروخت کیں۔ اس دوران مظفر حسین عظیم مرثیہ نگار میر انیس کا مقبرہ دیکھنے بھی گئے جہاں میر انیس کی قبر کی حالت دیکھ کر ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ چاروں جانب ناجائز قبضے ہیں۔ میر انیس کی قبر کو دیکھ کر ایسا لگا کہ اب اردو پر مرثیہ لکھنا ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں ملک کو جوڑنے والی تہذیب کو فروغ دینا ہے۔ اس موقعے پر انھوں نے اتر پردیش کے گورنر عزت مآب ڈاکٹر رام نائک کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے (رام نائک) مہاراشٹر میں فلاحی کام کا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے اور یہ توڑنے والے نہیں بلکہ جوڑنے والے لوگ ہیں۔ انھوں نے کہا کہ لکھنؤ ثقافت، سیاست اور انسانیت کی راجدھانی ہے اور ہم یہاں زبان کا 'تیرتھ' بنانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ تکنیک کو جوڑنے کا کام قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے کیا ہے۔ اس موقعے پر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے کہا کہ کونسل میر انیس کے تمام کلام کو یکجا کرکے کلیات میر انیس شائع کرے گی۔ اس کے لیے بہت مشقت کرنی پڑے گی اور تحقیق کے ذریعے ان کا اصل کلام یکجا کرنا ہوگا اور ہماری کوشش ہے کہ آئندہ 6 ماہ میں یہ کام مکمل ہوجائے۔ میر انیس نے مرثیہ کے ذریعے اردو کو بام عروج تک پہنچایا۔ کلیات میر شائع کرنے کے عمل کے ساتھ ہی میر انیس کی مزار کی مرمت کا عمل بھی جاری رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس موقعے پر ایک مشورہ آیا کہ کلیات میر کا اجرا میر انیس کے مقبرہ پر تقریب کا اہتمام کرکے کیا جائے جس پر سبھی نے اتفاق کیا۔ راج بھون میں کچھ دیر بعد وزیر اعلیٰ اکھلیش یادو بھی تشریف لے آئے اور انھوں نے بھی میر انیس کے مزار کی خستہ حالی پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے اسے جلد سے جلد درست کرانے کی یقین دہانی کرائی۔ دوران گفتگو یہ بات بھی سامنے آئی کہ اتر پردیش میں ایک اردو گیلری کا قیام کیا جائے جس کے لیے کونسل حکومت اتر پردیش کو تجویز پیش کرے گی۔ اس گیلری میں اردو کے ادیبوں، شاعروں، صحافیوں کی یادوں، تصاویر اور ان کے تہذیبی ورثے کو محفوظ رکھا جائے گا۔ اس سے قبل اتر پردیش کے گورنر ڈاکٹر رام نائک نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے نائب صدر پدم شری جناب مظفر حسین کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ انھوں نے مہاراشٹر میں بہت کام کیا ہے اور مختلف موضوعات پر ان کی 22-20 کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

چار روزہ تربیتی پروگرام کے بقیہ تمام اجلاس ہوٹل اودھ انٹرنیشنل میں ہوئے۔ نائلٹ NIELIT چنڈی گڑھ کے ماہرین بالخصوص محترم ریتو کمل اور سرون سنگھ نے تقریباً 100 اساتذہ کو جدید تکنالوجی کے بدلتے تقاضوں سے واقف کرایا اور نصاب سے متعلق انھیں معلومات فراہم کیں۔ تینوں دن سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا۔ اساتذہ نے اپنے تمام سوالات اور مسائل کے ازالے کے لیے ماہرین سے استفادہ کیا اور ان کا شکریہ بھی ادا کیا۔ یہ سلسلہ 19 مارچ تک جاری رہا۔ اساتذہ نے بھی بڑی دلچسپی سے اس تربیتی پروگرام میں حصہ لیا اور اس پروگرام کو بے حد کارآمد قرار دیا۔ انھوں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ اس قسم کے تربیتی پروگرام وقتاً فوقتاً ہوتے رہنا چاہیے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ استفادہ کرسکیں اور آپسی تال میل بھی پیدا ہوسکے۔ انھوں نے اس قدم کے لیے کونسل کی ستائش کی۔ کونسل کے ریسرچ آفیسر جناب انتخاب احمد کے زیر نگرانی تمام اجلاس ہوئے۔ انھوں نے اور کونسل کے ریسرچ آفیسر ڈاکٹر کلیم اللہ نے اختتامی اجلاس کے دوران تمام مراکز کے اساتذہ کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ان کے تعاون کے بغیر اس قسم کے پروگرام کامیابی کے ساتھ منعقد نہیں کیے جاسکتے۔ اپنی نوعیت کا ریاست اتر پردیش میں کونسل کا یہ پہلا تربیتی پروگرام تھا جس کی نہ صرف پذیرائی ہوئی بلکہ کونسل سے جڑے اساتذہ اور محبان اردو کو ایک نئی قوت اور ایک نیا حوصلہ ملا ہے۔

Dr. Qasim Ansari, I-35/B, Moti Apts. Third Floor, Thokar No 4, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi - 110025

طنز و مزاح میں سنجیدگی کا نقیب: رضا نقوی واہی

اردو ادب میں طنز و مزاح کی روایت اتنی ہی پرانی ہے جتنا خود اردو ادب!

اردو شعر میں طنز و مزاح کا سلسلہ حضرت امیر خسرو دہلوی سے اور ان کی ذاتِ گرامی کے ساتھ منسوب کی گئی کہہ مکرنیوں اور پر مزاح پہیلیوں سے جاملتا ہے___ آیو کتّا کھا گیو تو بیٹھی ڈھول بجا___ تو نثر میں طنز و مزاح اور شگفتہ نگاری کے دروازے، اسی طوطیِ ہند، اور خسروِ شیریں سخن کے پاؤں دھوکر پینے میں فخر محسوس کرنے والے غالب دہلوی کے خطوط سے کھلتے ہیں___ نہ دم ہی نکلتا ہے نہ پھندا ٹوٹتا ہے___ لیکن اپنی سوفسطائی جہلت کی قید میں بیٹھا اردو نقاد اس روایت کو اردو ادب میں کوئی خاص مقام یا درجہ دینے کی بات تو دور رہی ہیں اس پر زیادہ بات کرنے کو بھی کسرِ شان سمجھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مزاح انتہائی سنجیدہ، اور بے حد تخلیقی عمل ہے جسے آپ زبردستی انجام نہیں دے سکتے۔ نہ اس کی کوئی ردیف اور بحر ہوتی ہے کہ فاعلاتن فاعلاتن فاعلات کی گردان کرتے ہوئے مصرعے جوڑ لیے جائیں۔ نہ یہ کنسٹرکشن یا ڈی کنسٹرکشن کی تھیوری سے تخلیق پاتا ہے کہ کافکا، کامو اور دریدا یا اسی قبیل کے ناموں والے معروف بزرگوں کے محیّر العقول حوالوں کے ساتھ لکھے گئے تنقیدی مقالوں کی طرح 'تخلیق' کر لیا جائے۔ یعنی کوئی طے شدہ فارمولہ یا پیمانہ یا معیار یا اوزار ایسا نہیں ہے کہ اُسے تھام کر جب جی چاہا مزاح پیدا کر لیا۔ پھر ترسیل کا معاملہ بھی ہے۔ جدید شاعری اور جدید افسانے میں عجیب و غریب علامات و غیر مربوط تلمیحات کے مزید غیر مربوط استعمال سے ایک خاص طرح کی تخلیقی شان بڑی آسانی سے پیدا کر لی جاتی ہے، چند خاص الخاص لوگ اس کی تعریف کرنے لگتے ہیں اور اس طرح تیار کیا گیا 'فن پارہ' جتنا زیادہ ناقابلِ فہم ہوتا اتنا ہی عظیم مان لیا جاتا ہے۔ مگر طنز و مزاح میں یہ سب ہتھکنڈے نہیں چلتے۔ بات کو پڑھنے یا سننے والے کے دل میں فوراً اس طرح اتار دینا پڑتا ہے کہ وہ اسے خود اپنے دل سے نکلی ہوئی بات محسوس ہونے لگے۔ آخر کوئی تو بات ہے کہ دنیا کی ہر زبان کے ادب میں طنز و مزاح دیگر اصناف کے مقابلے میں سب سے کم لکھا جاتا ہے۔

اردو اگر چہ دوسری زبانوں کی بہ نسبت مزاح کے معاملے میں انگریزی کی طرح خاصی متموّل زبان ہے لیکن اس میں بھی یہ حال ہے کہ ڈھائی من اردو ادب تو لیے، تب کہیں جا کر ایک دو چھٹانک خالص مزاحیہ ادب ہاتھ میں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر خسرو، جعفر زٹلی، نظیر اکبرآبادی، مرزا غالب، اکبر الہ آبادی، پطرس بخاری، دلاور فگار اور مشتاق یوسفی کے آگے پیچھے، دائیں بائیں اردو نظم و نثر میں طنز و مزاح نگاروں کا سلسلہ زیادہ دور تک پھیلا نظر نہیں آتا۔ لیکن اردو طنز و مزاح کی ان ہی عظمتوں میں ایک نام رضا نقوی واہی کا بھی ہے۔ معیار اور مقبولیت کے لحاظ سے دیکھیں تو اکبر الہ آبادی کے بعد دلاور فگار تک ایک طویل وقفہ آجاتا ہے جس میں یوں تو راجہ مہدی علی خاں، سید محمد جعفری اور سید ضمیر جعفری جیسے کئی اچھے طنزیہ مزاحیہ شاعر اردو ادب کی دنیا میں آئے اور چلے گئے لیکن وقت کے اس ٹوٹے ہوئے حلقے کو ایک کڑی بن کر رضا نقوی واہی نے ہی جوڑا تھا جن کی پیدائش صدی اس سال منائی جارہی ہے۔ واہی، جوش ملیح آبادی سے بےحد متاثر تھے چنانچہ شاعری کے آغاز میں ہی ان کی قادر الکلامی نے سب کو چونکا دیا تھا۔ بعد میں طنزیہ مزاحیہ شاعری کو انھوں نے بڑی سنجیدگی سے لیا اور پھر تو ہر مکتبِ فکر کے ادب پسندوں کو انھوں نے اپنا گرویدہ کر لیا۔

شگفتگی، شائستگی اور برجستگی طنز و مزاح میں بنیادی عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ واہی نے اپنے شعری اسلوب میں شائستگی کو سب سے اوپر رکھا اور اس کے لیے کئی بار فنکارانہ برجستگی اور تبسم ریز شگفتگی کو بھی قربان کر دیا، لیکن ابتذال کی پرچھائیں تک اپنے سخن پر نہیں پڑنے دی۔ کل ملا کر یہی وجہ ہے کہ ان کے اسلوب میں مزاح پر طنز حاوی نظر آتا ہے۔ ان کا طنز محض جلی کٹی سنانے اور قصاب کی طرح چھری سے کاٹنے پیٹنے جیسا طنز نہیں بلکہ گہری سماجی بصیرت رکھنے اور شعور کی رگوں میں اتر جانے والا طنز ہے جس میں کاٹ نہیں گدگداہٹ ہے اور یہی گدگداہٹ ، پھول کی پتّی سے تراشنے کا ہنر بن جاتی ہے۔ واہی نے انسان ، سماج اور اس کے اندر باہر چاروں طرف پھیلی ہوئی کائنات کے ہر معاملے کو موضوعِ سخن بنایا اور فکری و تخلیقی وسعت کا یہ وصف انھیں اکبر اور دلاور دونوں سے کسی قدر مختلف بنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ خالص ادبی موضوعات کو بھی انھوں نے بڑی 'پر لطف سنجیدگی' سے سخن کا حصہ بنایا ہے جس کی سب سے اہم مثال ان کی طویل نظم 'شعرستان' ہے۔

واہی صاحب پر زیرِ نظر گوشے میں ہمارے قلم کار معاونینِ کرام نے ان کے فکر و فن اور شخصیت کے تقریباً ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ امید ہے گزشتہ گوشوں کی طرح اسے بھی شرفِ قبولیت ملے گا اور معزز قارئین گوشہ پڑھ کر اپنی قیمتی رائے سے نوازیں گے!

نصرت ظہیر

سید احمد قادری

طنز و ظرافت کا شاعر

رضا نقوی واہی (1فروری 1915- 5 جنوری 2002) کا اپنے عہد کے بڑے اور نامور طنز و مزاح نگاروں میں شمار ہوتا ہے۔ ان کے ادبی سفر کا آغاز نظم 'کچھ نہیں کھایا' سے ہوتا ہے۔ یہ نظم 1936 کے ادب لطیف، لاہور میں شائع ہوئی تھی۔ واہی کی تصنیفات، 'واہیات' (1950)، طنز و تبسم (1963)، نشتر و مرہم (1968)، کلام نرم و نازک (1972)، 'نام بنام' مجموعۂ خطوط (1974)، 'متاع واہی' (1977)، شعرستان (1983)، منظومات واہی (1992)، 'ترکش واہی' (1995) اور 'باقیات واہی (2004) میں طنز و مزاح کا اعلیٰ معیار، فنی ادراک اور فکری آگہی کے نمونے موجود ہیں۔

واہی ابتدائی دور میں سنجیدہ شاعری کیا کرتے تھے۔ ان کی کئی سنجیدہ نظمیں مثلاً، مانجھی، بھوک، مشعل، اور اچھوت وغیرہ جوش ملیح آبادی کی طرز پر اپنے زمانے کے مؤقر رسائل جیسے نگار، ساقی، اور ادب لطیف میں شائع ہوا کرتی تھیں۔ لیکن ایک دلچسپ واقعہ نے ان کی سنجیدہ شاعری کو ظریفانہ شاعری کی جانب موڑ دیا۔ اس سلسلے میں واہی کہتے ہیں:

"سنجیدہ نظموں کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ سلسلہ 1948 تک چلتا رہا۔ پھر اسی زمانے میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا اور یہی سبب بنا میری ظریفانہ شاعری کا۔ ہوا یوں کہ 1948 میں غالباً دسمبر کی کوئی تاریخ تھی۔ میں کرسمس کی تعطیل میں والدین سے ملنے گھر گیا ہوا تھا۔ ایک صبح کے وقت گھر سے باہر مردانہ بیٹھک کے چبوترہ پر بیٹھا ہاتھ منھ دھو رہا تھا کہ دیکھا، ایک بزرگ رشتہ دار جو کئی بار دماغی امراض میں مبتلا ہو کر رانچی اسپتال میں زیر علاج رہ چکے تھے اور اس وقت تک نارمل نہیں ہوئے تھے، میری جانب تیز تیز قدموں سے چلے آرہے تھے۔ ٹوپی، شیروانی، چوڑی مہری کا پائجامہ پہنے ہوئے ہیں، سفید داڑھی چہرے پر بکھری ہوئی ہے، سرخ سرخ آنکھیں، ایک ہاتھ میں موٹا ڈنڈا لیے ہوئے ہیں۔ میرے قریب آکر زمین پر ڈنڈا مار کر کرخت آواز میں بولے... "رضا میاں؛ کیا کر رہے ہو؟ بڑے شاعر بنتے ہو، ادھر آؤ میرے پاس۔" یہ بے ربط گفتگو سن کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور ان کے ڈندے سے محفوظ رہنے کے لیے چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ میرے عزیز نے مجھے خونخوار آنکھوں سے گھورتے ہوئے کہا...."ادھر آؤ۔" پھر مردانہ بیٹھک سے گزرتے ہوئے ہال میں داخل ہو گئے، اندر بڑی بڑی چوکیوں کا فرش تھا، کرسیاں اور میز ادھر ادھر پڑے تھے، چوکیوں کے فرش پر ڈنڈا رکھنے کے بعد میری جانب متوجہ ہوئے، کہنے لگے 'بڑے شاعر بنتے ہو، سنو یہ نظم اور صلاحیت ہو تو لکھو ایسی نظم' پھر جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر تھرک تھرک کر ترنم سے پڑھنے لگے "ایمے لے، اومے لے، لوہا میں، چھوا میں لے" وغیرہ وغیرہ۔ میں دور کھڑا یہ تماشہ دیکھتا رہا۔ جب یہ بے تکا کلام ختم ہوا تو کچھ کہے بغیر ڈنڈا اٹھا کر اسی تیز رفتاری سے واپس چلے گئے، جس تیزی سے آئے تھے۔

یہ تک بندی کے ایک شاعر پرنسپل منورنجن سنہا کے زور قلم کا نتیجہ تھی۔ منورنجن سنہا اس زمانے میں راجیندر کالج کے پرنسپل تھے۔ انھوں نے اس نظم میں ایم ایل اے حضرات کو ہدف بنایا تھا۔

اس کے بعد معاً ذہن میں یہ بات آئی کہ جب میں خود اسمبلی میں ملازم ہوں اور روزانہ ہی ارباب سیاست کو قریب سے دیکھنے کا شرف حاصل کر رہا ہوتا ہوں تو کیوں نہ میں بھی ایم ایل اے حضرات کی خبر لوں۔ چنانچہ دوپہر تک دس بارہ اشعار لکھ ڈالے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سہیل عظیم آبادی (مرحوم) پٹنہ سے روزنامہ 'ساتھی' نکالا کرتے تھے اور اس اخبار میں ایک مزاحیہ کالم 'راہی کے قلم سے' کے مستقل عنوان سے لکھا کرتے تھے۔ میں نے اپنے وہ اشعار اسی دن ان کے نام، اس تاکید کے ساتھ پوسٹ کر دیے کہ میرا نام ظاہر کیے بغیر کسی فرضی نام سے 'ساتھی' میں شائع کر دیں۔ سہیل نے مذاق یہ کیا کہ راہی کے ہم قافیہ لفظ واہی کے نام سے 'ایم ایل اے' کی سرخی لگا کر وہ اشعار شائع کر دیے۔ یوں میرے اچھے بھلے نام کی مٹّی پلید ہوئی۔

سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے میرا اصل نام ظاہر کرنا بہت سی مشکلات کا پیش خیمہ بن سکتا تھا، لہٰذا، میں نے اس مذاق کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیا۔

تعطیل کے بعد جنوری 1949 میں جب وطن سے پٹنہ واپس آیا تو یہاں میری نظم کا چرچا ہر زبان پر تھا۔"

(ادب نکھار، 1983 مئی جون صفحہ: 18-17)

اس طرح واہی کا سفر جو شروع ہوا، وہ آخری دم تک بڑی خوش اسلوبی اور ایک خاص معیار کے ساتھ جاری رہا۔ طنز و مزاح میں واہی نے عامیانہ انداز، پھوہڑ پن یا سطحیت کا کبھی مظاہرہ نہیں کیا۔

طنز و مزاح کے ماضی کے اوراق اگر ہم پلٹیں تو یہ معلوم ہوگا کہ غیر مہذبانہ، پھوہڑ پن، عامیان روی اور سطحیت نے ہی طنز و مزاح کو بہت زمانے تک ادب سے دور رکھا۔ جعفر زٹلی، درد، سودا، انشا، مصحفی، میر ضاحک وغیرہ کے طنز و مزاح میں وہ شوخی، شگفتگی، شُشتہ مزاح کے عناصر موجود نہیں، جنھیں مرزا غالب نے اپنے خطوط میں

شگفتگی، برجستگی، اور لطافت کے ساتھ بڑے خوبصورت انداز میں برتا ہے۔ ایسی شگفتگی، شوخی اور برجستگی کو بعد میں بہت سارے طنز و مزاح نگاروں جیسے اکبر الٰہ آبادی، عبدالغفور شہباز، ریاض خیر آبادی، ظفر علی خاں وغیرہ نے اپنایا اور کامیاب رہے۔ اس کی توسیع رضا نقوی واہی نے بڑے حسین اور فنکارانہ انداز میں اپنی اعلیٰ اور معیاری نگارشات میں کی اور اپنے فکروفن اور اپنی صلاحیتوں سے طنز و مزاح کو ادب میں وہ مقام دلایا، جس مقام پر سنجیدہ ادب ہے۔ واہی نے اپنے فکروفن میں لطیف احساسات وجذبات، چبھتے ہوئے انداز، مخصوص لب ولہجہ، منفرد اسلوب اور تیکھے اندازبیان سے شعری ادب میں طنزومزاح کی شاندار روایت قائم کی ہے۔

واہی الفاظ کے بادشاہ ہیں، انھیں زبان پر عبور حاصل ہے، وہ تیکھی اور میٹھی باتیں کرنے کا سلیقہ خوب جانتے ہیں اور انھیں ہنساتے ہنساتے رُلانے کا گُر بھی معلوم ہے۔

طنزومزاح حقیقتاً دودھاری تلوار ہے جس پر سے ہرکسی کا کامیابی سے گزر جانا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس کے لیے بہت زیادہ فنی مہارت اور چابکدستی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ خوبیاں واہی کے یہاں بدرجہ اُتم موجود ہیں۔ واہی اس راہ سے بڑے ہی توازن و کامیابی اورعزم کے ساتھ گزرے ہیں۔ اس کا احساس ناقدوں کے ساتھ ساتھ بذات خود واہی کو بھی ہے، وہ فرماتے ہیں:

آخرش دنیا سے واہی کا ہوا جب انتقال!
اس کے گھر والوں پہ کیا گزری نہ پوچھو اس کا حال
ریڈیو نے نشر کی جب یہ خبر چوپال سے
تعزیت کے تار آئے سندھ سے بنگال سے
ماہناموں نے نکالے خاص نمبر خوب خوب
تھا یہ رونا، ہوگیا سورج ظرافت کا غروب

(انتقال کے بعد)

واہی کی دور بین نگاہوں نے اپنے وقت سے بہت آگے کے بدلتے بلکہ بگڑتے وقت کو بہت شدّت سے محسوس کیا تھا۔ عہد حاضر میں اس بات پر بہت زیادہ تشویش کا اظہار کیا جارہا ہے کہ تحقیق اور تنقید پر زوال کے آثار نمایاں ہیں۔ آج کے ایسے حالات کو واہی نے بہت قبل شدّت سے محسوس کیا تھا۔ غور کیجیے کہ 1957 میں شائع ان کی نظم 'محقق' آج پوری طرح تلخ حقائق کے ساتھ سامنے ہے۔ نظم 'محقق' کے چند بند ملاحظہ کریں:

ہیں بہ زعم خود محقق آپ ہندوستان کے
آپ نے نقطے گِنے ہیں، میر کے دیوان کے

رضا نقوی واہی: احوال، ماہ وسال

نام: سید محمد رضا نقوی

تخلص: رضا نقوی (جب ظریفانہ کلام لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا تو تخلص واہی ہوگیا)

تاریخ پیدائش: 17 جنوری 1914 **والد کا اسم گرامی:** مولوی سید ظہور حسین **وفات والد:** جنوری 1962

والدہ کا اسم گرامی: محترمہ خیرالنسا **وطن:** موضع کھجوا، ضلع سیوان (بہار)

تعلیم: ابتدائی تعلیم روایتی طرز پر گھر میں ہوئی۔ مولوی عین الہدیٰ ثم (پٹنہ سٹی کے باشندہ تھے) سے عربی اور فارسی سیکھی۔ پٹنہ کالجیٹ ہائی اسکول سے میٹرک (1930 اور پٹنہ کالج، پٹنہ سے انٹرمیڈیٹ 1932 پاس کرنے کے بعد صوفی کمرشیل انسٹی ٹیوٹ سے ڈپلوما ان کامرس 1933 حاصل کیا۔

صحبت: پٹنہ کالج میں اختر اورینوی، زبیر احمد تمنائی، علی عباس (چچازاد بھائی جو ڈی آئی جی کے عہدہ سے ریٹائرڈ ہوئے) یحییٰ نقوی، شرف الدین احمد شرف عظیم آبادی، سلطان احمد، بہزاد فاطمی وغیرہ کی صحبت رہی۔

شادی: 1938 میں۔ **اہلیہ کا نام:** سیدہ شاکرہ خاتون **وطن:** قصبہ بھگونی، ضلع سیوان، صوبہ بہار

اولاد: پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں

بیٹے: (1) سید علی رضا نقوی (2) سید احسن رضا نقوی (3) سید عابد رضا نقوی (4) سید جعفر رضا نقوی (5) سید موسیٰ رضا نقوی (مرحوم)

بیٹیاں: (1) رضیہ فاطمہ (شوہر کا نام: سید محمد رضی نقوی، پیشہ: بینک منیجر کے عہدے سے سبکدوش) (2) مرضیہ فاطمہ (شوہر کا نام: سید نادر قلی، پیشہ: محکمہ ریلوے میں پارسل کلرک) (3) ذکیہ فاطمہ (شوہر کا نام: سید سرور عباس رضوی، پیشہ، آڈیٹر محکمہ امداد باہمی)

ملازمت: 1937 میں بہار لیجس لیٹو اسمبلی میں اردو رپورٹر کی حیثیت سے داخل ملازمت ہوئے۔

- ترقی پاکر بہار لیجس لیٹو کاؤنسل کے سکریٹریٹ میں اسسٹنٹ سکریٹری کے عہدہ تک گئے۔

ملازمت سے سبکدوشی: جون 1972

تخلیقی سفر کا آغاز و ارتقا (1) پہلے شعر کی تخلیق (1928) میں۔ (2) پہلی غزل کی تخلیق (1332) میں (3) پہلی غزل کی اشاعت (1939) میں (4) پہلی نظم کی تخلیق (1935) میں (5) پہلی نظم کی اشاعت (1936) میں۔ رسالہ: 'ادب لطیف'، عنوان: آج کچھ کھایا نہیں۔ (6) پہلی ظریفانہ نظم کی اشاعت (1950) میں۔ عنوان 'ایم ایل اے' (7) پہلی تنقیدی تحریر کی اشاعت (1957) میں عنوان 'بہار میں اردو شاعری' ادبی اور شعری ذوق کی نشوونما کھجوا بستی کے ادبی ماحول میں ہوئی، موزوں، ناموزوں مصرعے مڈل اسکول کے زمانے میں ہی لکھنے لگے تھے۔ پٹنہ کالج میں طالب علمی کے دوران ان کی شاعری کو پھلنے پھولنے کا زیادہ موقع ملا۔ شروع میں سنجیدہ شاعری کی۔ 1950 میں طنز و مزاح کی طرف مائل ہوئے۔ اور پھر اسی کے ہوکر رہ گئے۔

ابتدا میں جوش ملیح آبادی سے بہت متاثر رہے جوش کے انداز فکر و بیان کو ان کے ذہن نے قبول کیا اور انھوں نے بہت سی سنجیدہ نظمیں مثلاً 'مانجھی' بھوک، مشعل، آج کچھ کھایا نہیں، اچھوت وغیرہ ان کے طرز پر لکھیں جو اس زمانے کے رسائل نگار، ساقی، ادب لطیف، اور ایشیا وغیرہ میں شائع ہوئیں۔ جوش کے علاوہ میر انیس کے کلام سے بھی متاثر ہوئے۔

شرف تلمذ: ابتدا میں مرزا نہر مرحوم سے اصلاح لیتے تھے۔ انھوں نے ہی شاعری کے ابتدائی رموز سے آگاہ کیا۔

شعری مجموعے (اردو) (1) واہیات۔ 1950 میں (قیوم انصاری مرحوم کے مالی تعاون سے اشاعت پذیر ہوا)

(2) طنز و تبسم۔ 1963 میں مکتبہ ادب، گردنی باغ، پٹنہ نے شائع کیا۔ (3) نشتر و مرہم۔ 1968 میں زندہ دلانِ حیدر آباد نے شائع کیا۔ (4) کلام نرم و نازک۔ 1972 میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے مرتب کر کے نسیم بک ڈپو لکھنو کے زیر اہتمام چھپوایا۔ (5) 'نام بنام' (منظوم خطوط کا مجموعہ) 1974 میں پی کے پبلی کیشنز پرتاپ اسٹریٹ، دریا گنج، دہلی نے شائع کیا۔ (6) 'متاع واہی' 1977 میں بہار اردو اکادمی کی جزوی مالی امداد سے شائع ہوا۔ (7) 'شعرستان واہی'۔ 1983 میں بہار اردو اکیڈمی کے جزوی مالی تعاون سے اشاعت پذیر ہوا۔ (8) 'منظومات واہی' 1992 میں جے ٹی ایس پرنٹرز پٹنہ نے شائع کیا۔ (9) 'ترکش واہی' 1995 میں منظر عام پر آیا۔

بہ زبان ہندی (10) 'چٹ پٹی نظمیں' 72-1971 میں 'مکتبہ تحریک' دہلی نے دیوناگری رسم الخط میں شائع کی۔

نثری کارنامے: واہی، ایک صاحب طرز نثر نگار بھی ہیں۔ وہ برسوں روز نامہ 'ساتھی' پٹنہ میں مزاحیہ کالم لکھتے رہے۔ وقتاً فوقتاً انھوں نے متعدد تنقیدی مضامین بھی لکھے ہیں۔ جو مختلف رسائل میں چھپ چکے ہیں۔ ان کی ایک نثری کتاب 'بہار میں اردو شاعری' بہار ہندی ساہتیہ سمّیلن کے زیر اہتمام 1957 میں بہ زبان ہندی شائع ہو چکی ہے۔

ترتیب و تدوین: 1944 میں زبیر احمد تمنائی (اب پاکستان میں ہیں) کے اشتراک سے بہار کے نظم گو شعرا پر مشتمل ایک انیتھولوجی بنام 'اشارہ' ترتیب دے کر چھاپی۔

زیر تحقیق آپ کے رہتے ہیں یہ سب مسئلے
کس قدر چوہے پلے تھے گھر میں مومن خان کے
پانچ بج کر پانچ پر یا پانچ بج کر سات پر
داغ نے توڑا تھا دم، زانو پہ منّی جان کے
رند نے اک بے وفا کے عشق میں کھائے تھے جو
وہ چھری کے زخم تھے یا گھاؤ تھے کرپان کے
دھن ہے یہ ثابت کریں دلّی تھا ملٹن کا وطن
اور سودا کے چچا بوچڑ تھے انگلستان کے

اس نظم کے مطالعے کے بعد کنھیا لال کپور نے داد دیتے ہوئے لکھا تھا:

'' حضور؛ میں تو اس دن سے آپ کا قائل وقتیل ہوں، جس دن میں نے آپ کی نظم 'محقق' پڑھی تھی۔ خدا جانے کتنے دوستوں کو میں نے وہ (چٹخارے لے کر) پڑھ کر سنائی ہے۔

میرا تب بھی عقیدہ تھا (اور اب بھی ہے) کہ اکبر الٰہ آبادی اور ظریف لکھنوی کے بعد مزاحیہ اور طنزیہ شاعری میں تیسرا بڑا نام آپ کا ہے۔ خدا آپ کو اپنی اور اغیار کی نظر سے بچائے۔

آپ کو طنز و مزاح کی جملہ اقسام پر یکساں قدرت حاصل ہے۔ خاص کر 'پیروڈی' اور 'طنز' میں آپ کا کوئی رقیب نہیں۔ شعرستان آپ کی امر تخلیق ہے۔''

واہی کی نظم پی ایچ ڈی بھی اسی سلسلے کی ایک بے حد خوبصورت اور حیرت انگیز نظم ان معنوں میں ہے کہ ان دنوں جس طرح کے پی ایچ ڈی کے مقالے لکھے جا رہے ہیں، ان کا معیار کیا ہے۔ کئی دہائی قبل واہی جیسے دور اندیش فنکار کی نگاہیں یہاں تک پہنچ گئی تھیں۔ اپنی نظم 'پی ایچ ڈی' میں وہ بتاتے ہیں:

جو لوگ ایم اے کر کے بھی بے روزگار ہیں
اور اپنے والدین کے کاندھوں پہ بار ہیں
ان سے ہے میری عرض کہ کل فکر چھوڑ دیں
اور آج ہی سے شغل میں تحقیق کے لگیں
جی لگ گیا تو کام بڑا سود مند ہے
کھل جائے گا دریچۂ قسمت جو بند ہے
ترکیب لکھ رہا ہوں عمل آپ کیجیے
دم بھر میں بیج ڈالیے، پھل توڑ لیجیے

پہنچے جو یوں صحیفۂ نو تا بہ اختتام
ہے اس کے بعد مرحلۂ سجدہ و سلام
یعنی کہ بیچ میں ہوں جو ارباب حل و عقد
جھک جھک کے سجدے کیجیے پیش ان کو نقد نقد

- 52-1951 میں علامہ جمیل مظہری مرحوم کی نظموں کا مجموعہ 'نقش جمیل' ترتیب دے کر شائع کیا۔
- 57-1956 میں علامہ جمیل مظہری مرحوم کی غزلوں کا مجموعہ فکر جمیل مرتب کر کے چھپوایا۔
- 1965 میں کچھ نوجوان دوستوں کے اشتراک سے پروفیسر اختر اور ینوی (مرحوم) کی شخصیت اور فکر و فن پر تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ایک رسالے کا خاص نمبر نکالا۔

دیگر مطبوعہ تحریریں: تقریباً 20 مقالات۔

- تقریباً دو درجن کتابوں پر تبصرے اور تجزیے۔ • متعدد کتابوں کے مقدمے، دیباچے اور آرا،

دیگر خدمات: صدہا مشاعروں میں شرکت کر کے محفلوں کو زعفران زار بنایا • ریڈیو تبصرے اور فیچر نیز ٹی وی پروگرام۔

- 1976 میں ظریفانہ ادب کے فروغ اور اسے خاص و عام میں مقبول بنانے کے لیے چند ہم خیال حضرات کے تعاون سے کل ہند جشن ظرافت کمیٹی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔
- ہندستان اور پاکستان کے کئی اہم مزاح نگاروں کو مدعو کر کے 'جشن ظرافت' کا اہتمام کیا۔ 11 اور 12 دسمبر 1976 کو پٹنہ میں منعقدہ عظیم الشان 'جشن ظرافت' تاریخی نوعیت کی محفل تھی۔ جس کے انعقاد کا سہرا یقیناً واہی کے سر جاتا ہے۔

شاگرد (شاعری) جوہر سیوانی، نٹ کھٹ عظیم آبادی، اسرار جامعی، شہزاد معصومی، قمر الزماں قمر، صابر بہاری، ابرار ساغر، منیر سیفی وغیرہ۔

ایوارڈز: بہار اردو اکیڈمی پٹنہ نے ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے 1977 میں تین ہزار روپے کا خصوصی انعام دیا۔

- غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی نے طنز و مزاح کی خدمات کے لیے 1985 اور 1987 میں غالب ایوارڈ سے نوازا۔
- محکمہ راج بھاشا، حکومت بہار نے ان کی گراں مایہ شعری خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے جون 1999 میں پروقار مولانا مظہر الحق شیکھر سمان سے نوازا۔
- ادارہ 'اعتراف' پٹنہ نے ان کے ادبی کارناموں کے اعتراف میں 'جشن واہی' کا انعقاد کر کے انھیں اعتراف ایوارڈ 1999 سے سرفراز کیا۔

کتابوں پر انعامات/اعزازات: 'طنز و تبسم' پر پٹنہ یونیورسٹی سے ڈھائی سو روپے کا انعام ملا:

- بہار میں اردو شاعری پر بہار راشٹر بھاشا پریشد نے پانچ سو روپے کا انعام دیا۔
- 'کلام نرم و نازک' پر 1972 میں یو پی اردو اکادمی لکھنو (ایک ہزار روپے) اور بہار اردو اکادمی پٹنہ (پانچ سو روپے) کے انعامات ملے
- 'نام بنام' پر 1973 میں یو پی اردو اکادمی لکھنؤ نے ایک ہزار روپے کا انعام دیا۔
- 'متاع واہی' پر 1977 میں کل ہند میرا اکادمی لکھنؤ نے پانچ سو روپے کا انعام اور سند دی۔ اس پر یو پی اردو اکادمی نے بھی پندرہ سو روپے کا انعام دیا۔
- 'شعرستان واہی' پر 1983 میں بہار اردو اکادمی (دو ہزار روپے)، اتر پردیش اردو اکادمی (دو ہزار) اور مغربی بنگال اردو اکادمی پانچ سو روپے کے انعامات ملے۔

قدر شناسی: 1985 میں رانچی یونیورسٹی نے اسی یونیورسٹی کے لکچرر محمد عقیل اشرف کو تحقیقی مقالے ''رضا نقوی واہی کی مزاحیہ شاعری کا تنقیدی مطالعہ پر پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی۔ ان کے نگراں پروفیسر سمیع الحق تھے۔

- ڈاکٹر ممتاز احمد خاں، ریڈر شعبہ اردو بی آر امبیڈکر بہار یونیورسٹی، مظفر پور کی نگرانی میں جناب مشتاق احمد صدر شعبہ اردو ویمنس کالج، حاجی پور نے جدید اردو شاعری میں طنز و مزاح کی روایت اور رضا نقوی واہی کی شاعری'' کے عنوان کے تحت تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی قلم بند کیا ہے۔ ان کا مقالہ یونیورسٹی میں جمع ہو چکا ہے۔ ڈگری ابھی تفویض نہیں ہوئی ہے۔
- شفیقہ فرحت کی نگرانی میں جاوید اختر نے تحقیقی کام کیا ہے۔
- متعدد ریسرچ اسکالرز کئی یونیورسٹیوں میں پی ایچ ڈی اور ایم فل کر رہے ہیں۔
- رسالہ 'ادب نکھار' مئو ناتھ بھنجن نے 1983 میں ان کی شخصیت اور کارنامے پر ایک ضخیم نمبر شائع کیا۔
- کئی نظمیں یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل ہیں۔
- برصغیر ہند و پاک کے متعدد ادیبوں نے ادبی خدمات کو سراہا ہے۔

بیرونی ملک کا سفر: • تقسیم ہند کے بعد بہتر زندگی اور معاش کی تلاش میں واہی صاحب پاکستان بھی گئے تھے۔ وہاں کی قومی اسمبلی میں انھیں باوقار ملازمت بھی مل گئی تھی۔ لیکن اس مملکت اسلامی میں ان کا دل نہیں لگا اور وہ وطن واپس لوٹ آئے۔

وفات: 5 جنوری 2002 **بوقت:** ڈیڑھ بجے دن **تدفین:** شیعہ قبرستان، افضل پور، پٹنہ

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

تحریر: ڈاکٹر ہمایوں اشرف (رضا نقوی واہی آئینہ در آئینہ) پبلی کیشن، کتابی دنیا دہلی سے ماخوذ

بچّوں کو ان کے جا کے سنیما دکھائیے
باتیں ہوں ان کی خشک تو مکھن لگائیے
تیور کو ان کے تو لیے اپنی نگاہ میں
بچھیے چٹائیوں کی طرح ان کی راہ میں
خدمت میں ان کی خون جگر پانی کیجیے
ہر روز تھوڑی دیر مگس رانی کیجیے
مکھی کو اُن کی ناک پہ جانے نہ دیجیے
جوتے تک ان کے گرد کو آنے نہ دیجیے
کیوں مغز صرف کیجیے اندیشہ جات میں
پی ایچ ڈی لوگ بنتے ہیں اب بات بات میں
ہر فرق علم و جہل کا معدوم ہو گیا
کیں جس نے خدمتیں وہی مخدوم ہو گیا

اردو ادب کے ناقدوں سے اکثر فنکاروں کو شکایتیں رہتی ہیں اور اگر ان کی شکایتوں کا بغور جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بڑی حد تک صحیح ہیں۔ اس لیے کہ تقریباً ہر ناقد اپنا ایک گروپ رکھتا ہے اور وہ اس گروپ بندی میں اتنا زیادہ متعصب ہو جاتا ہے کہ اسے اپنے گروپ سے باہر کے باصلاحیت اور معتبر فنکار کے فن میں کوئی اہم اور غیر معمولی فن کا نمونہ نظر نہیں آتا۔

واہی کو بھی نقادوں کے اس غلط رویے کا احساس رہا اور انھوں نے اپنے اس احساس کو طنز و مزاح کے حسین پیرایہ میں بڑے دلچسپ انداز سے پیش کیا ہے۔ نظم 'نقاد' کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ان سے ملیے آپ ہیں جوہرشناس نقد فن
کانپتی ہے دبدبے سے آپ کے روح سخن

جس سے بگڑے اسکی مٹی آپ نے کردی پلید
ہو گئے خوش جس سے دیدی اسکو شہرت کی کلید

آپ نے زاغ سخن کو بلبل گلشن کہا
آپ نے تگ بند شاعر کو امام فن کہا

واہی جس طرح ناقدین اردو ادب کے غلط رویے کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں اسی طرح اردو ادب میں نئے تجربے کے نام پر فیشن پرستی کا ثبوت دینے والے ادیبوں، شاعروں اور نقادوں کی بھی خوب خبر، اپنے مخصوص اور منفرد انداز میں لیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ایسے فیشن زدہ ادب اور ادیبوں سے اردو ادب کو فائدہ کی بجائے نقصان ہی پہونچا ہے۔ اس کا احساس واہی کو بھی شدت سے رہا۔ نتیجے میں انھوں نے اپنے احساسات و جذبات کو مخصوص فکر و آہنگ اور منفرد لب و لہجے میں کئی نظموں میں پیش کیا ہے جن میں تحسین جدید، جدید عملی تنقید، خدام ادب، اور اقتبا ساتی ادیب، وغیرہ جیسی نظمیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ تحسین جدید، اور جدید عملی تنقید کے چند نمونے دیکھیے:

مقطع سے ابتدائے غزل کر رہے ہیں...... واہ
واللہ اک انوکھی پہل کر رہے ہیں...... واہ
جدت اسی کا نام ہے

....

حضرات شعر عرض ہے۔
سورج کو چونچ میں لیے مرغا کھڑا رہا
کھڑکی کا پردہ کھینچ دیا، رات ہو گئی"
'کیا خوب'
واہ کیسی کرامات ہو گئی
مرغے کی چونچ قفل حوالات ہو گئی
سورج کے حق میں وادیِ ظلمات ہو گئی

اسی طرح 'جدید عملی تنقید' میں بھی طنز اور ظرافت کے گل بوٹے ملتے ہیں۔ اس نظم کے بھی چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

یہ بحث ہے کہ کون ہے ان میں جدید تر
دونوں میں کس کی ہوتی ہے تحریر مبتذل
دونوں میں کون کس سے زیادہ ہے بے تُکا
کہتا ہے کون طلس سے زٹل کھردری غزل
ان میں جو منخنی تھا، وہ بولا بصد غرور
سن لو کہ میں ہوں تم سے بڑا انٹلکچوئل
میری کہانیوں میں معموں کا رنگ ہے
مفلوج جن کے سامنے ہے فہم کا عمل
ترسیل نارسا کی سند میرے پاس ہے
مجھ کو سراہتا ہے مجاہد میاں کا دل

ایسی نظموں میں فیشن زدہ جدیدیت کا خوب مذاق اڑایا گیا ہے اس کے ساتھ ساتھ واہی کی وہ نظمیں بھی بڑی اہمیت کی حامل ہیں جن میں انھوں نے طنز و مزاح کو ایک خاص مقام، معیار، اور نیا موڑ دیا اور اس بلندی پر پہنچایا کہ آج اردو ادب میں طنز و مزاح کی بھی اہمیت اور افادیت تسلیم کی جا رہی ہے۔ واہی جس سماج میں رہتے ہیں، جس فضا میں سانس لیتے ہیں، یہاں کی معاشرتی، ثقافتی، سماجی اور سیاسی خامیوں اور کوتاہیوں کو شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ غریبوں کے استحصال پر ان کا دل دکھتا ہے۔ لیڈران قوم کی بے راہ روی دیکھ کر انھیں بھی تکلیف پہنچتی ہے اور وہ ایسے لوگوں سے نفرت کرتے ہیں جو سماج اور سوسائٹی میں بدامنی اور انتشار کے ذمے دار ہیں۔ چونکہ واہی کے یہاں فکری کارفرمائی بھی ہے اس لیے وہ اپنے مخصوص لب و لہجے، منفرد اسلوب اور ایک خاص زاویہ نگاہ سے بڑی گہری چوٹ کرتے ہیں۔ ایسی چوٹ کہ ذمے دار اشخاص بلبلا اٹھیں اور اس بات کا احساس ہو کہ وہ جو کر رہے ہیں، غلط کر رہے ہیں، انھوں نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ غلط ہے۔ واہی مزاح کے میٹھے اور لطیف بول کے ساتھ طنز کا نشتر ایسا چبھوتے ہیں کہ ایک خاص قسم کا تاثر ابھر کا سامنے آتا ہے واہی کو صرف دلچسپی اور تفریح کا خیال نہیں رہتا بلکہ وہ قوم و ملک اور سماج اور معاشرے کی اصلاح چاہتے ہیں۔ اس کے لیے وہ مسکرانے کا سامان کرنے کے ساتھ ساتھ پھبتیاں بھی کستے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں واہی کی بہت ساری نظمیں بے اختیار یاد آتی ہیں۔ ان میں الیکشن، الیکشن اور برقعے، نئے لیڈر کی دعا، لیڈری کا نسخہ، بلیک مارکیٹ، بلیک مارکٹیر، یو این او، دیس بھگت، ملازمت، رشوت، شہرت کے لیے، پروفیسر، راشن کی دوکان، پی ایچ ڈی، جنرل اسپتال، لے دہی، عورتوں کا سال، میرے چھچوا اور لیلائے کرپشن وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان تمام نظموں میں واہی کا مخصوص انداز بیان، فکر و آہنگ منفرد لب و لہجہ اور اپنا ایک الگ اسلوب دیکھنے کو ملتا ہے۔ اور یہ ساری خصوصیات واہی کو اپنے ہم عصروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ نظم 'لیلائے کرپشن' کے صرف تین بند ملاحظہ فرمائیں:

اس دشمن ایماں نے کسی کو بھی نہ چھوڑا
جو اس کے مخالف تھے غرور ان کا بھی توڑا
دل اپنی طرف قوم کے لیڈر کا بھی موڑا
جو دیش کے سیوک تھے اہنسا کے پجاری
خود ان سے حسینہ نے کہا "میں ہوں تمہاری"
اور ان پہ بھی الفت کا جنوں ہو گیا طاری
اب دیش کی سیوا کی بھلا کیا ہے ضرورت
اب وقت کہاں ہے جو کریں قوم کی خدمت
اب وہ ہیں اور اس شوخ کی آغوش محبت

واہی کی ان تمام نظموں کے مطالعے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے ان کے اندر فکر و فن کی بلندیاں اپنی پوری جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہیں اور وہ سماج اور معاشرے کے گلے سڑے نظام اور اس کے ذمے دار افراد پر بڑے بے خوف ہو کر اور بڑی بے باکی سے تیر و نشتر چلاتے ہیں۔

واہی کی نگارشات اردو طنز و مزاح میں ہمیشہ انھیں زندہ رکھیں گی۔

■

Dr Syed Ahmad Quadri,7 New Karimganj, Gaya - 823001, email: squadri806@gmail.com

منظر اعجاز

قصۂ شعرستان کا!

داستان 'شعرستان' ہر چند کہ حجم وضخامت میں کوئی داستان امیر حمزہ نہیں پھر بھی اختصار کے باوجود صفحات و اوراق اور ذیلی عنوانات کے تحت اس کے کئی ابواب ہیں: پہلے باب کا عنوان ہے 'تحریک شعرستان' اس کے بعد کے ابواب ہیں: تشکیل شعرستان، شعرستان سے ایک خط، شعرستان میں شاعروں کے خاندان، شعرستان میں دستور سازی کی کوشش، شعرستان کی نئی نسل، شعرستان میں الکشن، شعرستان میں کبوتر بازی، شعرستان اور ناقد، شعرستان میں مکمل انقلاب، شعرستان سے شاعروں کا اغوا، مغویہ شاعر کا خط نقاد کے نام، اغوا شدہ شاعروں کا حشر، نیم وحشی شاعری کا انجام، اور زوال شعرستان۔ گویا یہ داستان جو بارہ برسوں میں تھک ہار کر اور سُستا کر وقفے وقفے سے لکھی گئی، چودہ ابواب میں منقسم ہے اور کاوشِ قلم باعتبارِ مدت کار 1971 سے 1982 تک محیط ہے۔

اس قصے کا پہلا حصہ 'تحریک شعرستان' ہے۔ اس تحریک کا مقصد اور مطالبہ ہندوستان کے شکستہ و بدحال شاعروں کے لیے ایک اسٹیٹ کی تشکیل ہے، جس میں وہ آزادی کے ساتھ پاؤں پسار کر یا ٹانگ پھیلا کر شاعری کر سکیں۔ یہاں تک کہ وہ اس قدر آزاد و خود مختار ہوں کہ ان کے مرنے جینے پر بھی کوئی پابندی عائد نہ کی جائے۔ جب چاہیں مرجائیں اور جب جی چاہے، جی اٹھیں۔

اس تحریک کا اصل محرک وہ مردم شماری ہے جس سے انکشاف ہوا کہ ملک میں صرف شاعروں کی ہی تعداد دو کروڑ اکسٹھ ہزار ہیں۔ مزید براں کہ دس بیس فلمی شاعروں کو چھوڑ کر سب کے سب خدا کے فضل سے نکمے، ناکارے اور بے روزگار ہیں۔ شہر تو شہر گاؤں کے شاعر بھی ایسے ہی نکھٹو اور اللہ کے سنوارے ہیں اور یہ صورت حال کمایوں سے دکن اور پور بندر سے بہار تک نظر آتی ہے۔ کوئی گلی اور کوچہ ایسا نہیں جس میں دس کی مجموعی تعداد میں تین چار شاعر نہ ہوں۔ گویا شاعروں کی آبادی اوسطاً تیس سے چالیس فی صد ہے۔ اخبار والوں نے جیسے ہی یہ خبر اچھالی شاعروں کا سویا ہوا مقدر چونک کر جاگ اٹھا اور جو چند لیڈر قسم کے شاعر تھے ان کو ادب کے توے پر سیاست کی روٹی سینکنے کا موقع مل گیا۔ گویا ان کی خزاں دیدہ قیادت پر بہار آگئی۔ اور انھوں نے ایک اسکیم تیار کی جس میں ذاتی مفاد کے ساتھ ساتھ قومی غرض و غایت بھی شامل تھی۔ چنانچہ اس اسکیم کو پیش نظر رکھ کر لیڈران قوم نے پیش رفت کی:

لیڈروں نے رکھ کے اس اسکیم کو پیش نظر
اک نئی تحریک کی ڈالی بنائے استوار
شاعروں کی اک الگ اسٹیٹ ہونی چاہیے
جس میں ان کو مرنے جینے کا ہو پورا اختیار

اور پھر شعرستان کی اس مانگ نے ایسا زور پکڑا کہ ملک کے اندر ایک خلفشار سا پیدا ہوگیا۔ جلسے ہونے لگے، جلوس نکلنے لگے۔ جو نکمے، ناکارے اور نکھٹو شاعر تھے وہ بھی متحرک، سرگرم عمل اور مصروف کار ہوگئے۔ لیکن انقلابی شاعروں کی بھیڑ سے شاہراہوں پر ٹریفک جام ہونے لگے اور یہ نئی تحریک ایسے وقت میں آگے بڑھی جب ملک میں بدامنی اور انتشار کی کیفیت ہر طرف نظر آتی تھی۔ بھوک ہڑتال، اسٹرائک اور توڑ پھوڑ سے نت نئی مانگوں کا آہنگ پھوٹتا تھا

مردم شماری سے جب ہندوستان میں ان کی آبادی دو کروڑ اکسٹھ ہزار تک پہنچی ہوئی معلوم ہوئی تو دوسری کئی تحریکوں کے ساتھ ساتھ 'شعرستان' کی تحریک بھی شروع ہوئی۔ یہ تحریک کامیاب بھی ہوئی۔ شعرستان کی تشکیل عمل میں آئی۔ جناب رضا نقوی نے اس کی واہی تباہی یعنی عروج وزوال کا قصہ اپنے مخصوص انداز و اسلوب اور رنگ و آہنگ میں منظوم کیا۔ اس کار خیر اور تاریخ ساز کارنامے میں انھوں نے عمر عزیز کے دو چار دن کی بجائے بارہ سال وقف کر دیے اور کوئی اجرت نہ لی۔ کوئی صلہ نہ پایا۔ اب جب کہ قوم کو یہ خیال آیا ہے کہ انہیں عقیدت کا خراج پیش کیا جائے تاکہ قفس عنصری سے آزاد ان کی روح سرشار ہو تو یہ موقع صرف سینے کے داغ کو تازہ کرنے کا ہی نہیں ہے۔

اور بے چاری حکومت کی ناک میں دم تھا۔ اور پھر’’ایک کریلا یونہی تیتا، اس پر چڑھ گیا نیم‘‘ کے مصداق؛

ہوگئے اس مانگ میں کچھ نکسلائٹ بھی شریک
جابجا کرنے لگی تنظیم شدت اختیار

اور دن بہ دن تحریک زور دار اور مانگ شعلہ بار ہوتی گئی جس کے نتیجے میں سرکار کو جھکنا ہی پڑا۔ کیبنٹ نے تنگ آ کر مانگ مان لی اور انجام کار شاعروں کو ہوم لینڈ مل گیا۔ لیکن یہ ہوم لینڈ مدراس کے ساحل کے قریب بحر ہند میں ملا جہاں چھوٹے چھوٹے جزیروں کی قطار تھی۔ پھر بھی ایک اسٹیٹ کی تشکیل تو بہر حال ہو ہی گئی اور شاعروں کو اس کے نظم و نسق کا اختیار مل گیا۔ شاعروں کو بڑی راحت ملی، اطمینان نصیب ہوا کہ عہد افلاطون سے جو در در کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے تھے، اپنی کوئی اسٹیٹ نہیں تھی، کوئی اپنا ملک نہیں تھا سو اسے ملک خداداد جانا اور اس میں آباد ہونے کے لیے ادھر ادھر، یہاں وہاں سے شاعرانِ سوختہ سامان کارواں در کارواں جانے لگے اور جس خطۂ ارض کا بوجھ بنے ہوئے تھے اس کا بوجھ ہلکا ہونے لگا۔ یہ سلسلہ پورے ایک سال تک چلتا رہا اور پھر:

نقل آبادی مکمل ہوگئی جس ماہ میں
جشن آزادی منایا سب نے مل کر زور دار
وہ جزیرے اک زمانے سے جو غیر آباد تھے
ہوگئے اب شاعرانہ زندگی سے ہم کنار

لیکن اس رنگین زندگی میں بھنگ ڈالنے والی ایک سخت مشکل بھی درپیش تھی اور وہ یہ تھی کہ وہاں خورد و نوش کے سامان کی کمی تھی کیونکہ ان جزیروں کی مٹی بنجر اور کھاری تھی۔ شعرائے کرام اپنے ساتھ خورد و نوش کا جو سامان لائے تھے وہ کچھ دنوں تک چلا لیکن جب ختم ہوگیا تو غذائی مسئلوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ناچار کو چارہ کار کی تلاش تھی۔ بالآخر جو اس مشکل کا حل نظر آیا وہ بھی غنیمت ہی تھا کہ ان جزیروں میں مچھلیاں بے شمار تھیں۔ ناریل کے پیڑ بھی تھے اور جنگلی بیر کی جھاڑیں بھی تھیں اور سب سے بڑھ کر شرب وخمار کے لیے تاڑ کا رس بھی میسر تھا۔

بہر حال اس قصے کے ابتدائی حصے کا اختتام اس طرح ہوا ہے:

مختصر یہ ہے کہ شعرستان میں بسنے کے بعد
مل گیا اس قوم بیکاراں کو اچھا روزگار
رات بھر بزم سخن میں مست رہتی تھی یہ قوم
اور سارا دن کیا کرتی تھی مچھلی کا شکار

دوسرا باب تشکیل شعرستان ہے۔ ابتدائی دو شعر ملاحظہ ہوں:

مان لی سرکار نے جب مانگ شعرستان کی
شاعروں نے سانس لی تب جا کے اطمینان کی
پرکشش تھا، اس قدر ان کے لیے تازہ وطن
چھوڑ کر آبائی گھر جانے لگے اہل سخن

اپنا آبائی گھر بار چھوڑ کر شعرستان جانے والوں میں چند نہایت مشہور و معروف شاعروں کے نام بھی آئے ہیں۔ جو اپنے اپنے حوارین یا قافلے کے ساتھ باطمطراق نکلتے ہیں۔ مثلاً گوپی ناتھ امن، پنڈت آنند نرائن ملّا، عرش ملسیانی، ساغر نظامی، سکندر علی وجد، معین احسن جذبی اور رگھوپتی سہائے فراق۔ دوسری طرف فلمی دوکاندار ساحرو سردار بھی اپنی اپنی دوکان بڑھا کے انقلابی شاعروں کا کارواں لے کے نکلتے ہیں۔ علی گڑھ کے خلیل الرحمن اعظمی اور شہریار نہ صرف وارث علوی کو ساتھ لے کر چلتے ہیں بلکہ ان کے آگے پیچھے قطار اندر قطار کل جدیدیے بھی ہوتے ہیں۔ اگر ایک طرف گیت گاتے اور گنگناتے بیکل اتساہی چلتے ہیں تو دوسری طرف فرقت اور خود واہی بھی طنزیہ اشعار اچھالتے نکلے ہیں۔ گویا اسی انداز سے ملک کے سارے شاعرانِ خوش بیان اپنی اپنی ٹولیاں لے کر کشاں کشاں سوئے منزل کوچ کرتے ہیں اور ایک سال کے اندر اندر ملک ان شاعروں سے خالی ہوجاتا ہے اور جب ان کا انخلا مکمل ہوجاتا ہے تو شاعر کے خیال میں؛

عام تخمینے کی رو سے ان کی تعداد و شمار
طول و عرض ملک میں تھی دو کروڑ اکسٹھ ہزار

شعرستان کے شعرا نے سیاست سے مفاہمت کرلی جس کے نتیجے میں شاعروں کے ملک میں بھی سیاست کی فضا گرم ہوگئی۔ اور مرکزی ایوان میں شاعر کی نشستوں کے لیے اولین انتخاب کی جم کر تیاری ہونے لگی۔ ووٹر لسٹ تیار کرنے میں نہ زیادہ وقت لگا نہ دشواری ہوئی۔ کیوں کہ شعرستان میں تو تمام کے تمام شعرائے کرام ہی تھے۔ پھر مختلف حلقوں میں ملک کے بٹوارے کا انتظام بھی بڑی تیزی سے ہوا اور اس کے بعد الکشن کی مہم جاری ہوئی۔ اس کے بعد ہر جرگۂ شعر و سخن لنگوٹ باندھ کر میدانِ شعر و سخن میں تال ٹھوکتا پہنچ گیا۔

نقل مکانی کے اس تاریخی واقعے سے کچھ پرانے مسائل حل ہوئے تو کچھ نئے مسائل پیدا بھی ہوگئے۔ پرانے مسائل میں غذا کی قلت اور بے روزگاری کی وبا بھی تھی لیکن ان میں جو سب سے بڑا اور سنگین مسئلہ تھا، وہ خود واہی کی زبانی لطف خاص کا حامل ہے:

فیملی منصوبہ بندی کی ضرورت گھٹ گئی
باپ ماں پر تھی جو پابندی وہ فوراً ہٹ گئی

لیکن یہ مسئلے کا ایک رخ تھا۔ دوسرا رخ اتنا گمبھیر تھا جس کا حل نکلنا ٹیڑھی کھیر تھا اور وہ یہ تھا کہ محفل شعر و سخن اجڑ گئی۔ چنانچہ ناچ اور نوٹنکی کی جنتا پھر سے دیوانی ہونے لگی۔ لکھنؤ، دہلی اور عظیم آباد کے چائے خانے جو ہمیشہ شاعرانِ بے لگام کا مستقر بنے رہتے تھے، یکبارگی ان پر زوال آگیا۔ ان کے مالکان خستہ حال دیوالیہ ہوگئے:

ایک بڑا دھکا ناقدین شعر کو بھی لگا۔ کیونکہ شاعروں کے دم سے ان کا روزگار وابستہ تھا۔ ان کی ساری عزت، ساری شہرت کا مدار یہی شاعرانِ نابکار تھے اور ان کے ساتھ ناقدین کا جور یہ تھا، اس پر جناب واہی کا جو نزلہ گرا ہے اور بخار اترا ہے، وہ بھی لطف سے خالی نہیں:

ان کے قائم کردہ و خود ساختہ معیار پر
جو نہ اترا فٹ، چڑھایا اس کو فوراً دار پر
چیر پھاڑ اشعار کی کرتے تھے ناقد اس طرح
بھیڑ بکروں سے نپٹتا ہے قصائی جس طرح
شاعروں کو نوچتے تھے خامۂ خونخوار سے
ٹانگ کھینچی وجد کی الجھے کبھی سردار سے

لیکن تمام شاعروں کی یکبارگی شعرستان کی طرف کوچ سے صورتِ حال یہ پیدا ہوئی کہ:

دفعتاً ٹھپ پڑ گیا لیکن یہ سارا کاروبار
دیکھتے ہی دیکھتے سب ہوگئے بے روزگار
ایک بھی شاعر نہیں تھا جس پہ شبخوں مارتے
سب نظر آنے لگے بیٹھے ہوئے جوں مارتے
قدر شاعر تب وہ سمجھے ٹھوکریں کھانے کے بعد
’’رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس جانے کے بعد‘‘
وقت وہ آیا کہ ہر ناقد محقق بن گیا
یعنی مجبوراً گڑے مُردوں کا عاشق بن گیا
الغرض اس ملک میں تشکیل شعرستان سے
مختلف طبقات گذرے مختلف بحران سے

اگر ادھر ناقدین شعر مختلف قسم کے بحران میں مبتلا ہوئے تو اُدھر سخن سازان شعرستان کو بھی ہیجان کے اس مرحلے سے گزرنا پڑا کہ ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اس نحوست نے انھیں وہاں بھی آلیا جو ازل سے ہی گلے پڑی تھی۔ اس

اجمال کی تفصیل 'شعرستان سے ایک خط' میں ملتی ہے:

خانہ جنگی چشمکیں رشک و حسد، بغض و نفاق
ساری باتیں ہیں یہاں پر بھی پرانی شان سے
غیر شاعر کا یہاں پر داخلہ ممنوع ہے
مملکت خالی ہے یکسر نارمل انسان سے
''کاو کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ''
ایک بھی جانِ غزل آئی نہ ہندستان سے
''دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں''
ہوگئے ہیں دور ہم کچھ اس قدر رومان سے
وہ تو کہیے مچھلیاں ہیں ان جزیروں میں بہت
ورنہ ہم بچتے نہ اب تک بھوک کے بحران سے

واہی نے دوسرے معاصرین شعرستان کی ضیافتِ طبع کا خاص اہتمام کیا ہے۔ ان کے نمک خوان تکلم سے وہ خوشبو اڑی ہے جس نے ذوقِ نظر، جس سماعت اور مشامِ روح کی اشتہا بڑھادی ہے۔ ہر ہر لقمے پر واہ، واہ کی تان ٹوٹتی ہے۔ ان کے دسترخوان سے چند لقمۂ تر چکھ لیں:

کیا کریں اب مچھلیوں سے عشق کرتے ہیں فراق
لکھتے رہتے ہیں اسی موضوع پر چوپائیاں
حضرت ملّا کو اردو کی یہاں بھی فکر ہے
تاکہ اِس اسٹیٹ میں پھولے پھلے گھر کی زباں
امن صاحب دیتے پھرتے ہیں اہنسا کا پیام
کون سنتا ہے مگر درویش کی آہ و فغاں
فکر شجنوں مارنے کی یاں بھی فاروقی کو ہے
کررہے ہیں جمع نو مشتاقانِ فن کی ٹولیاں
تھا یہ خطرہ ان میں دیمک لگ نہ جائے اس لیے
مفت کیں تقسیم 'گنجِ سوختہ' کی کاپیاں
کرشن موہن بڑھ گئے ہیں حرمت الاکرام سے
ہے انھی کے ہاتھ میں بسیار گوئی کی عناں
آکے مچھلی شہر سے اس جا بہت خوش ہیں سلام
مل رہی ہیں ان کو ہر کھانے میں تازہ مچھلیاں
لگ گئے ہیں ماہی گیری میں بصد جوش و خروش
آئے تھے جتنے بھی ان کے شہر سے شاعر یہاں
ساغر و آزاد و جذبی وجد و مجروح و خمار
اس نئے ماحول میں رہتے ہیں لیکن سرگراں

اور اس سرگرانی کی وجہ یہ ہے کہ:

تاڑ کے رس سے انھیں ہوتی نہیں آسودگی
دوسرا مشروب کوئی ان جزیروں میں کہاں
شعر کہتے کہتے سب شاعر یونہی بے حال ہیں
جیسے تھک جاتی ہوں انڈے دیتے دیتے مرغیاں

شبانہ روزی کے آیات و آثار میں شاعرانِ شعرستان کی بے حالیاں بے سبب روشن نہیں ہیں۔ تابڑ توڑ نشستوں کی وجہ سے شعر کہتے کہتے ان کی ناک میں دم ہے۔ شارٹ نوٹس پر بھی اگر کہیں نشست منعقد ہوتی ہے تو چھ سات سو شاعر اکٹھے ہوجاتے ہیں اور جب کبھی بعد ازاں اعلان محفل جمتی ہے تو شاعروں کی ایسی بھرمار کہ الحفیظ والاماں!

مجموعی طور پر ارض شعرستان کی شبانہ یوم یہی کیفیت ہے جو لکھنے میں بھلے ہی کم ہو لیکن سمجھنے میں بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ یہ خط یہاں تمام ہوتا ہے:

ارضِ شعرستان میں اپنے یہی دن رات ہیں
دوستو! کتنا لکھوں ناگفتنی حالات ہیں

تحریک شعرستان کی کامیابی کے بعد مملکت شعرستان کی تشکیل ہوئی جس میں قوم شاعر آباد ہوئی۔ یہ قوم قبیلوں، گروہوں اور ٹولیوں میں بٹی اور پھر ان میں مخاصمت اور مناقشت بھی پیدا ہوئی یہاں تک کہ تصادم و پیکار کا سلسلہ بھی بار آور اور ثمر بار ہوا اور کئی دوسرے مسائل بھی پیدا ہوئے تب جاکے کہیں شعرستان میں دستور سازی کی کوشش شروع ہوئی:

ایک دستور العمل تیار کرنے کے لیے
ایک کمیٹی امن صاحب کی صدارت میں بنی

چنانچہ افلاطون اور تلسی داس کے دور سے اقبال تک کی ہسٹری اس کمیٹی کے ممبروں نے پڑھی۔ علاوہ ازیں دوسرے ملکوں کے آئین وضوابط کا بھی مطالعہ کیا گیا بالآخر رات دن کی محنت و مشقت کے بعد جب رپورٹ پیش ہوئی

اپوزیشن کا دل جیل میں سڑتا رہا۔ لیکن اس سے ایوانِ غزل سونا ہوگیا ویسے بھی شعرستان کے ان گرفتاروں کو کب تک جیل میں سڑایا جاتا۔ آخر رفتہ رفتہ سبھوں کو سرکار نے رہا کردیا۔ لیکن جیل سے چھوٹتے ہی شاعرانِ انحراف پھر جی جان سے اہل حکومت کے خلاف ہوگئے۔ عنقریب ہی 'ایوان غزل' کا انتخاب ہونے والا تھا چنانچہ اپوزیشن والے ٹوٹل انقلاب کا نعرہ لگانے لگے۔ اتفاقاً ان کی یہ ترکیب لَھہ گئی اور موصوف قائد اعظم کو پہلی بار باوقار فتح نصیب ہوئی۔

جو امن صاحب کی لکھی ہوئی تھی تو اس دستاویز کی نقل شاعروں کو بھیجی گئی تاکہ رائے عامہ ہموار کی جاسکے۔

یہ رپورٹ مثنوی کی ہیئت میں تھی۔ اس لیے اس قومی دستور کے خاکے پر رائے ظاہر کرنے کی بجائے مثنوی کے فارم اور فن پر اظہار خیال کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ کچھ نے تو باضابطہ اصلاح کا کام شروع کردیا اور کتنے ہی مصرعے بدل ڈالے۔ لیکن ترقی پسندوں اور جدیدیوں نے دستور کا تجزیہ کرنا شروع کیا تو میم میخ نکالنے لگے اور ان کے علاوہ دوسرے مذاق سخن کے شاعروں نے بھی اتفاق نہیں کیا یعنی:

مختلف اہل سخن نے اپنے اپنے طور پر
رائے دی دستور میں ترمیم اور تنسیخ کی

ترقی پسندوں کے تیور الگ تھے۔ یہاں کوئی طبقاتی کشمکش نہ تھی لیکن وہ بضد تھے کہ:

خواہ شعرستان میں اس کا نہ ہو کوئی وجود
لازماً دکھلائی جائے کشمکش طبقات کی

لیکن ایک دوسرے قبیلے کو اس سے اختلاف تھا:

اس قبیلے کا یہ کہنا تھا کہ شاعر کا کلام
لازماً ہو اک معمّہ، قید معنی سے بری
جس کو شاعر خود نہ سمجھے نظم کرلینے کے بعد
جس کو پڑھ کر گم ہو عقل مولویِ معنوی

اختلاف کرنے والوں میں نکسل وادی بھی شامل ہوگئے:

مختصر یہ ہے کہ سب نے رد کیا دستور کو
ساری محنت امن صاحب کی اکارت ہوگئی

اس طرح قانون سازی کا منصوبہ ادھر میں لٹک گیا۔

کوئی قانون نہ بن سکا۔ لاقانونیت کا دور دورہ اور غیر قانونی اتصال و اختلاط سے نئی نسل کی ایک فوج تیار ہوگئی لیکن اسی نسل نو سے محفل شعر و سخن گلزار بھی ہونے لگی۔ اسی دوران 'شعرستان میں الکشن' کا اعلان ہوا۔ اس لیے مزہ تو کرکرا ہونا ہی تھا۔ شعرستان کے شعرا نے سیاست سے مفاہمت کرلی جس کے نتیجے میں شاعروں کے ملک میں بھی سیاست کی فضا گرم ہوگئی۔ اور مرکزی ایوان میں شاعر کی نشستوں کے لیے اولین انتخاب کی جم کر تیاری ہونے لگی۔ ووٹر لسٹ تیار کرنے میں نہ زیادہ وقت لگا نہ دشواری ہوئی۔ کیوں کہ شعرستان میں تو تمام کے تمام شعرائے کرام ہی تھے۔ پھر مختلف حلقوں میں ملک کے بٹوارے کا انتظام بھی بڑی تیزی سے ہوا اور اس کے بعد الکشن کی مہم جاری ہوئی۔ اس کے بعد ہر جرگۂ شعر و سخن لنگوٹ باندھ کر میدانِ شعر و سخن میں تال ٹھوکتا پہنچ گیا۔

ہر جانب انتخابی پینترہ بازی کے ساتھ بحث و تکرار،

عبث کی گرم بازاری ہوئی:

ایسے لوگوں کو کسی دل نے نہ کوئی لفٹ دی
مشتبہ جن کی ذرا سی بھی وفا داری ہوئی
شاعرانِ نکسلی تھے اس الکشن کے خلاف
ایک دن پہلے مگر سب کی گرفتاری ہوئی
تاڑ کا رس اور بھنی مچھلی کی دے کر دعوتیں
ووٹروں کی بعض حلقوں میں خریداری ہوئی
اس مہم میں تھے سلام مچھلی شہری پیش پیش
ان کی یہ ترکیب ہر ترغیب پر بھاری ہوئی
جب الکشن کے نتیجے کا ہوا اعلانِ عام
مملکت میں سخت حیرت کی فضا طاری ہوئی
اکثریت میں نہ آیا ایک بھی جرگہ کوئی
ہر جماعت کی تگ و دو کالعدم ساری ہوئی
چند کم مشہور لوگوں نے نشستیں جیت لیں
اور اکثر لیڈروں کی ذلت و خواری ہوئی
ضبط اکثر کی ضمانت ہوگئی اور بعض کو
بچ نکلنے میں بہت ہی سخت دشواری ہوئی

اور 'شعرستان میں الکشن' کے اس قصے کا کلائمکس یہ ہے کہ:

اس شکست فاش سے کچھ اس قدر بد دل ہوئے
اختلاجِ قلب کی راہی کو بیماری ہوئی

'حلقۂ طنز و تبسم' کی دو نشستیں جیت کر فرقت اور واہی نے جب شعرستان میں اپنی عملداری قائم کرلی تو شعرستان بازی گاہ بن گیا۔ لیکن اس میں کبوتر بازی کے علاوہ کوئی دوسری بازی مثلاً تیتر بازی، بٹیر بازی وغیرہ ممنوع قرار دی گئی تھی۔ اس لیے شعر کہتے کہتے جب اہل سخن تھک جاتے تھے یا اس ریاضِ مستقل سے تن اکڑ جاتا تھا تو اعصاب کو آرام پہنچانے کے لیے سب اپنی اپنی ہابیوں سے شغل فرمانے لگتے تھے۔

اس مشق ستم یا مشق سخن کی وجہ سے شعرستان گل و گلزار اور زعفران زار ہے۔ لیکن دوسری طرف یعنی شعرستان کے باہر بالخصوص تنقید کے میدان میں بحران کی کیفیت طاری ہے جیسا کہ 'شعرستان اور ناقد' کے روزن و در میں جھانک تاک سے معلوم ہوتا ہے۔

'شعرستان اور ناقد' کے حوالے سے جو بحرانی کیفیت ہے وہ نہ تو خلافِ واقعہ ہے نہ خلاف فطرت کیوں کہ جب ہر سخنور شعرستان میں جا بسا تو تنقید کے میدان میں خاک سی اڑنے لگی۔ نکتہ چینی کا فن بحران میں پڑ گیا تو ناقدین شعر کے حلیے بگڑ گئے:

ایسے ناقد جن کا کوئی دوسرا پیشہ نہ تھا
جو لگے تھے جونک بن کر شاعری کی جان میں
ہجرتِ اہل سخن سے ان کی روزی چھن گئی
گھر گئے بے روزگاری کے گھنے طوفان میں
چند دن میں ہوگئے یوں کسمپرسی کے شکار
شکل بے چاروں کی آتی ہی نہ تھی پہچان میں

بہر حال اس صدمۂ جانکاہ کا کچھ اثر زائل ہوا اور ناقدین گرامی کو اعصاب کے ہیجان میں کچھ کمی سی محسوس ہوئی تو حال و مستقبل کے اندیشوں کو دھیان میں رکھ کر ایک میٹنگ کال کی جس میں بالاتفاق رائے یہ طے ہوا کہ شاعروں کو شعرستان سے واپس ہندوستان میں لایا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ناقدوں کو بھی شعرستان میں جگہ دی جائے۔ اس مضمون کی ایک عرضداشت تیار کی گئی اور اسے سرکار کے ایوان میں بھیجا گیا۔ علاوہ ازیں لکھنؤ، دہلی اور عظیم آباد سے کچھ وفود بھی روانہ کئے گئے لیکن ناقدوں کی مانگ نہیں مانی گئی۔ سرکار نے ٹکا سا جواب دے دیا اور واضح کر دیا کہ ہم شاعروں کو ہندوستان میں نہیں بلائیں گے۔ یہ شعرستان میں جا بسے ہیں تو ان نکموں، ناکاروں اور نکھٹوؤں سے ہم کو نجات ملی ہے۔ انھیں واپس بلا کر کیوں مشکلوں میں پھنسیں اور جان کو خلجان میں ڈالیں۔

البتہ ناقدین شعرا اگر خود جانا چاہیں تو وہ بھی شوق سے شعرستان میں جا بسیں۔

شطرنج کی بساط پر پیادے سے شہہ کو مات دیتا ہوا یہ مہرہ فاتحانہ شان سے رزمیہ آہنگ میں رجزیہ ترانے کے ساتھ آگے بڑھتا ہے اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہے اب اور تب لال قلعہ پر جھنڈا وہی گاڑے گا کہ اچانک منہ کے بل ڈھب سے گر جاتا ہے۔ اور یہی رزمیہ ہیرو شعرستان میں زخموں سے چور المیہ ہیرو کی طرح بے یار و مددگار پڑا ہوا پایا جاتا ہے۔ اس کا خواب مر گیا ہے جس کا ماتم گسار اس کے سوا کوئی اور نہیں۔ لیکن اس کا یہ حسرت ناک انجام اس تاثر سے خالی نہیں کہ اس نے تھان ہارا ہے، مگر گز نہیں پھاڑا ہے۔ اس کی سیاست گزیدہ شخصیت میں مکاری اور عیاری کے سارے عناصر و عوامل پردۂ زنگاری کے معشوق کی طرح پوشیدہ نظر آتے ہیں لیکن کب؟ جب شعرستان ملبے کا بن جاتا ہے اور اس کی ذات والا صفات کفن کے انتظار میں گنتی کی چند سانسیں لے رہی ہوتی ہے جیسے وینٹی لیٹر پر سانس لیتی ہوئی زندگی۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کاروبارِ نقد و نظر ٹھپ پڑ گیا اور سب نے اپنی اپنی دکانیں بند کر دیں۔ مسئلہ ان کی بے کاری اور بے روزگاری کا پیدا ہوا تو مرتا کیا نہ کرتا:

کوئی ناقد بن گیا ہاکر کسی اخبار کا
نوکری کر لی کسی نے پان کی دوکان میں

جس طرح انقلاب روزگار سے ناقدین کو گزرنا پڑتا ہے اسی طرح شعرستان میں بھی مکمل انقلاب برپا ہوتا ہے۔ اس مکمل انقلاب کی اصل وجہ یہ تھی کچھ شاعرانِ شعرستان کو جو علت و عادات اور نامساعد حالات سے برہم و بیزار چل رہے تھے غالباً اس لیے کہ الکشن میں انھیں منہ کی کھانی پڑی تھی اور شاعری کے سوا کوئی کام کرنے کو نہ تھا، شکست خوردگی کے احساس نے ایسا بنا دیا تھا کہ کسی سے پنگا بھی نہیں لے سکتے تھے۔

واہی اور دوسرے شاعروں کے سر بھی یہ بلائے ناگہانی آن پڑی:

شاعری واہی کے حق میں اک مصیبت بن گئی
خود انھی کے طنز سے ان کی حجامت بن گئی
چھین لیتے اہلِ مچھلی شہر کے ہاتھوں سے جال
جس سے شعرستان میں پیدا ہوا مچھلی کا کال

غرض کہ اس ایجی ٹیشن نے ہر طرف خلفشار و انتشار پیدا کر دیا۔ لیکن تخریب کاری حدِ اعتدال سے بڑھ گئی تو نظم و نسق کے ذمے داروں کو بھی جلال آ گیا چنانچہ جوابی کاروائی شروع ہوئی اور اچانک مملکت میں ایمرجنسی لاگو کر دی گئی پھر:

حکمرانوں کے مخالف جو تھے سب پکڑے گئے
بے ادب پکڑے گئے، کچھ با ادب پکڑے گئے

اپوزیشن کا دل جیل میں سڑتا رہا۔ لیکن اس سے ایوانِ غزل سونا ہو گیا ویسے بھی شعرستان کے ان گرفتاروں کو کب تک جیل میں سڑایا جاتا۔ آخر رفتہ رفتہ سبھوں کو سرکار نے رہا کر دیا۔ لیکن جیل سے چھوٹتے ہی شاعرانِ انحراف پھر جی جان سے اہل حکومت کے خلاف ہو گئے۔ عنقریب ہی 'ایوانِ غزل' کا انتخاب ہونے والا تھا چنانچہ اپوزیشن والے ٹوٹل انقلاب کا نعرہ لگانے لگے۔ اتفاقاً ان کی یہ ترکیب لہہ گئی اور موصوف قائد اعظم کو پہلی بار باوقار فتح نصیب ہوئی۔

لیکن شاعر اعظم عصر جدید کے تغلق نکلے۔ ان کی کیبنٹ میں بھی ہر شاعر انھی کا ہم مذاق و ہم مزاج تھا۔ چنانچہ:

ایک ایک مصرع پہ ہوتی تو تو میں میں اس قدر
طائر مفہوم اڑ جاتا قفس کو توڑ کر
خود سمجھ پاتے نہ جب مفہوم اپنی بات کا
اک نیا چکر چلاتے شرح و تاویلات کا

لیکن خود اپنی ہی تشریح سے مطمئن نہیں ہو پاتے۔ بہرحال

تھا 'مکملِ انقلاب' اک ایسا عنوانِ سخن
جس کی گتھی حل نہ کر پایا کوئی نقاد فن
اس طلسمی لفظ میں تھی اس قدر تجریدیت
ہوگئی بے وزن و بے مفہوم ساری شعریت

'زوالِ شعرستان' اس طویل منظوم قصے کا انجام ہے۔ زوال تو شعرستان کا پہلے ہی شروع ہو چکا تھا جب سے وہاں سیاست کی گرم بازاری شروع تھی، لیکن جب ارضِ شعرستان سے سخنوروں کا اغوا ہونا شروع ہوا اور ان کے ساتھ جال میں جناب واہی بھی جکڑے گئے اور مغویہ سامان میں شمار ہوئے تو غالباً قدر و قیمت کی گرانی کی وجہ سے اسمگلروں کی خاص نگرانی میں رہے۔ وہ اپنی بداعمالیوں سے پشیمان تھے اور یہ پشیمانی انھیں پریشان کرنے لگی تھی۔

خاص طور سے ایسے شاعران خوش الحان ان سے برہم و بیزار تھے جن کا مدار شاعری صرف سُر تال پر تھا۔ یا پھر وہ جو قوالی کا پیشہ چھوڑ کر آئے تھے۔ یا پھر ایسے شاعر جو معماتی کلام لکھ کر اکڑتے پھرتے تھے یا وہ جو سرِ محفل رقاصی کا فن دکھاتے تھے۔ ان کے مخالف وہ شعرا بھی تھے جو جرگہ کے ماہر ہوٹنگ اور تاڑی باز تھے اور اسی صف میں قطعۂ تاریخ لکھنے والے شعر ساز بھی شامل تھے۔ گویا کہ:

شاعرِ بسیار گو، تک بند، اصحابِ جدید
سب نے کر رکھی تھی ان سے منقطع گفت و شنید
سب کے سب عاجز تھے ان کی چوکھی تنقید سے
جا و بے جا واہیاتی نظم کی تولید سے
اب جو یہ آئے پکڑ کر ناقدوں کے روبرو
پا بجولاں، ہتھکڑی ہاتھوں میں رسّی در گلو
دیکھتے ہی ناقدِ اعظم نے غُرّا کر کہا
یہ وہی کمبخت ہے جو ہم کو غچہ دے گیا
شاعروں کو لے اڑا تھا جب سے شعرستان میں
ایک بھی دانہ نہ تھا تنقید کے میدان میں
رکھیے اب ایسی جگہ اس کو جہاں کوئی نہ ہو
"ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو"
چیر کے سر اس کا دیکھیں ماہرانِ نفسیات
مغز میں ہیں کون سے کیڑے ہیں کیا ان کی صفات
وائرس طنز و ظرافت کا جو ہے سر میں گھسا
'نیم وحشی شاعری' سے ہے بھی مہلک تر وبا

'نیم وحشی شاعری' کے حوالے سے ناقد اعظم کی جناب واہی نے جو خبر لی ہے، اس شیریں مقالی میں نمک پاشی کا ایک خاص ذائقہ ہے جس نے لطف و لذت کے جام کو چھلکایا ہی نہیں، دو آتشہ بھی بنا دیا ہے۔ کیوں کہ ایما و اشارے کے پردے سے بھی ناقدِ اعظم کا شناس نامہ عکس ریز ہے۔ اس کے آگے ایک دیو قامت شخصیت ہندوستان کے محقق اعظم کی بھی ہے جن کی پہچان روئے سخن سے واضح ہے:

اک محقق بھی وہاں حاضر تھے ہندستان کے
"آپ نے نقطے گنے ہیں میر کے دیوان کے"

ان محقق اعظم صاحب کی تحقیق و تجزیے اور خاص طور سے ان کے مشورے ناقدِ اعظم صاحب کے عندیے سے ہم آہنگ ہیں۔ پھر بھی لطف گویائی دامن کش دل و نگاہ ہے اس لیے دامن چھڑا کر نکل جانا ذرا مشکل ہے لیکن یہ مشکل ناگوار خاطر نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اسے بھی جھیل کر دیکھنا چاہیے:

'زوالِ شعرستان' کے آخری شعر بلکہ اس کے ایک مصرع "خلد شعرستان واہی کا تصور خانہ تھا" سے یہ بھید کھل جاتا ہے کہ تحریک شعرستان کے اصل محرک واہی ہی تھے اور انھی کی ناعاقبت اندیش سیاست اس کی تحریک و تشکیل اور عروج و زوال کا سبب بنی۔ بحیثیت ایک کردار کے اس قصے میں وہ حاشیے سے بالکل مرکز میں چلے آتے ہیں۔ شطرنج کی بساط پر پیادے سے شہہ کو مات دیتا ہوا یہ مہرہ فاتحانہ شان سے رزمیہ آہنگ میں رجزیہ ترانے کے ساتھ آگے بڑھتا ہے اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہے اب اور تب لال قلعہ پر جھنڈا وہی گاڑے گا کہ اچانک منہ کے بل ڈھب سے گر جاتا ہے

غور سے واہی کا لے کر سر سے پا تک جائزہ
ناقدِ اعظم کو وہ دینے لگے یہ مشورہ
اس کی نظموں کا کفن سلوا کے پہناؤ اسے
جیتے جی ہی کولڈ اسٹوریج میں دفناؤ اسے

ناقدِ اعظم نے محقق اعظم کے مشورے کو پسند فرمایا کیوں کہ 'زندہ دفنانا' خود ان کی بھی پسندیدہ سزا تھی:

الغرض اک آہنی تابوت بنوایا گیا
اور میاں واہی کو اس میں زندہ گڑوایا گیا

اور واہی کے ساتھ ہی شعرستان کی تباہی منتہائے کمال پر پہنچ گئی:

منجمد ہو کر شکم میں رہ گئی مثلِ ریاح
حضرتِ واہی کی چابکدستیِ طنز و مزاح
اک لپک دکھلا کے بس مفقود کوندا ہوگیا
ختم شعرستان کا سارا گھروندا ہوگیا

'زوالِ شعرستان' کے آخری شعر بلکہ اس کے ایک مصرع "خلد شعرستان واہی کا تصور خانہ تھا" سے یہ بھید کھل جاتا ہے کہ تحریک شعرستان کے اصل محرک واہی ہی تھے اور انھی کی ناعاقبت اندیش سیاست اس کی تحریک و تشکیل اور عروج و زوال کا سبب بنی۔ بحیثیت ایک کردار کے اس قصے میں وہ حاشیے سے بالکل مرکز میں چلے آتے ہیں۔ شطرنج کی بساط پر پیادے سے شہہ کو مات دیتا ہوا یہ مہرہ فاتحانہ شان سے رزمیہ آہنگ میں رجزیہ ترانے کے ساتھ آگے بڑھتا ہے اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہے اب اور تب لال قلعہ پر جھنڈا وہی گاڑے گا کہ اچانک منہ کے بل ڈھب سے گر جاتا ہے۔ اور یہی رزمیہ ہیرو شعرستان میں زخموں سے چور المیہ ہیرو کی طرح بے یار و مددگار پڑا ہوا پایا جاتا ہے۔ اس کا خواب مرگیا ہے جس کا ماتم گسار اس کے سوا کوئی اور نہیں۔ لیکن اس کا یہ حسرت ناک انجام اس تاثر سے خالی نہیں کہ اس نے تھان ہارا ہے، مگر گز نہیں پھاڑا ہے۔ اس کی سیاست گزیدہ شخصیت میں مکاری اور عیاری کے سارے عناصر و عوامل پردۂ زنگاری کے معشوق کی طرح پوشیدہ نظر آتے ہیں لیکن کب؟ جب شعرستان ملبے کا بن جاتا ہے اور اس کی ذات والا صفات کفن کے انتظار میں گنتی کی چند سانسیں لے رہی ہوتی ہے جیسے وینٹی لیٹر پر سانس لیتی ہوئی زندگی۔

ماجرا سازی میں واقعہ نگاری کا کارنامہ سلیقہ شعار جزئیات کی ہمکاری سے انجام پذیر ہوا ہے۔ جوڑ یا پیوند کاری میں لنگر کہیں نہیں نظر آتا۔ البتہ ادھیڑے ہوئے بخیے کے نشان کہیں کہیں نظر آتے ہیں لیکن وہ بھی اس وجہ سے کہ ٹھہر ٹھہر کے اور سُستا سُستا کے اس قصے کے مختلف حصے مکمل کیے گئے ہیں جیسے میمنی بارہ برسوں تک میں میں کرتے ہوئے بڑھی ہوگئی ہو تو ایک میمنے کی میں میں کرتی آواز ابھرتی ہے۔

ہماری اردو ظرافت کی مٹھی بھر کائنات میں منظوم بیانیہ کا یہ قطب مینار شعرستان کے قلعے کی مسماری اور واہی کی تباہی کے باوجود ناظرین کی نظروں میں گڑا ہے اور ایک شان بے نیازی سے کھڑا تال ٹھوک کر کہہ رہا ہے:

لاؤ کہیں سے ڈھونڈ کے مجھ سا کہو جسے

■

Dr. Manzar Eijaz, Head, P.G. Dept. of urdu,
A.N. College, Patna (Bihar)

ہمایوں اشرف

واہی کا فن اور طنز و مزاح

اردو شاعری میں طنز و مزاح کی روایت قدیم ہے۔ جعفر زٹلی سے لے کر موجودہ عہد تک کتنے ہی شاعروں نے طنز و مزاح کے اس فن کو اپنی شناخت کا ذریعہ بنایا ہے۔ رضا نقوی واہی کا شمار بھی ایسے ہی شعرا میں کیا جاتا ہے۔ بلکہ طنز و مزاح کو سند کا درجہ دلانے اور اسے ایک مکمل فن کے طور پر پہچان عطا کرانے والوں میں ان کی حیثیت منفرد ہے۔ اہل نقد کا خیال ہے کہ اکبرالہ آبادی کے بعد وہ دوسرے بڑے طنز و مزاح نگار ہیں۔ اکبرالہ آبادی نے اپنی ظریفانہ شاعری کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کا جو بیڑا اٹھایا تھا، رضا نقوی واہی نہ صرف اس کے امین بن کر سامنے آئے بلکہ اس میں اضافہ کرتے ہوئے اسے زندگی کے ہر پہلو پر محیط کر دینے میں پیش پیش رہے۔ ان کا خیال ہے کہ ملک و قوم اور فرد و سماج کی بے اعتدالیوں، ناہمواریوں اور خباثتوں کو اجاگر کرنے کے لیے طنز و مزاح نگاری سے بہتر کام لیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اپنی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کے ذریعے وہ معاشرے کی کجروی اور کوتاہی پر گرفت کرنے کی گراں قدر سعی میں مسلسل مصروف رہے۔

رضا نقوی واہی بلیغ ذہن اور دور بیں نظر کے حامل شاعر ہیں۔ وہ اپنے گرد و پیش کی سماجی، معاشی اور اخلاقی زندگی کے ہر پہلو پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ان کے کلام میں مشاہدہ اور موضوعات کا جو تنوع ملتا ہے، وہ کہیں اور نظر نہیں آتا۔ وہ طنز و مزاح کے منفرد اسلوب کے حامل شاعر ہیں۔ انھوں نے Episodes سے خاصا کام لیا ہے۔ اردو میں اس کی مثال کم ملتی ہے۔ ابتدا میں کسی مزاحیہ یا طنزیہ نکتے کو واضح کرنے کے لیے ایک قصہ ترتیب دیا جاتا تھا۔ یہ پورا قصہ کسی بنیادی نکتے کو فوکس کرتا تھا۔ واہی نے اکثر قصہ جاتی طنزیہ و مزاحیہ اشعار کہے ہیں۔ ان کا Wit اور Humour ایک خاص انداز کا حامل ہے، جو دوسروں سے میل نہیں کھاتا۔ لہٰذا اس حیثیت سے رضا نقوی واہی کا شمار اردو کے چند ممتاز ترین طنز و مزاح کے شعرا کی صف میں کیا جائے گا۔ انھوں نے عصر حاضر کے سیاسی، سماجی، اخلاقی، تعلیمی اور ادبی مسائل خواہ وہ انسان کی بداعمالی و بدعنوانی ہو یعنی حرص و ہوس، چور بازاری، قتل و غارت گری، لوٹ کھسوٹ، رشوت خوری، ناانصافی، نفس پرستی اور سماجی عدم مساوات کا معاملہ ہو یا سیاست کی زبوں حالی اور اقتدار کی رسہ کشی، درس و تدریس کے گرتے معیار کی بات ہو یا شعر و ادب کی اعلیٰ قدروں کا زوال، ہر قسم کے موضوعات کو اپنے دائرہ قلم میں رکھا اور زندگی کے ہر گوشے پر تنقیدی نظر ڈالی۔ شاعر و ناقد، محقق، تبصرہ نگار، طالب علم، لیڈر، کامریڈ، ایڈیٹر، ریسرچ اسکالر، مولوی، ملاّ، لکچرار، پروفیسر، وکیل، حکیم، عاشق، خدام ادب، کاتب، ٹیڈی بوائے، ٹیڈی گرل، چور، واعظ، مقرر، ڈکٹیٹر، وفاتی، ترقی پسند اور جدیدیے جیسے کردار ان کے طنز و مزاح کا نہ صرف نشانہ بنے بلکہ غور و فکر کی راہیں بھی کھولیں۔

واہی بلند سماجی وتہذیبی شعور ہی نہیں بلکہ وسیع مشاہدہ اور تیز نگاہ بھی رکھتے ہیں۔ وہ اپنے فن سے کما حقہ واقف ہیں۔ وہ اس بات سے واقف ہیں کہ کب اور کس پر ہنسنا چاہیے اور کہاں ہنسی سے گریز کرنا چاہیے۔ تاہم ان کی شاعری اگر ظرافت کے پھول کھلاتی ہے تو کبھی آنسوؤں کے موتی بھی ٹپکاتی ہے۔ وہ ایک ایسے فنکار ہیں جو محض دوسروں کو ہی طنز ومزاح کا نشانہ نہیں بناتے بلکہ خود کو بھی تنقید کا نشانہ بنانے کا حوصلہ رکھتے ہیں اور اپنے آپ پر بھی قہقہہ لگانے کا قاری کو موقع عطا کرتے ہیں۔

شاعری میں طنز و مزاح نگاری کا فن ان معنوں میں مشکل تصوّر کیا جاتا ہے کہ یہ اعتدال وتوازن کا طالب ہوتا ہے جسے شاعر کی کہنہ مشاقی سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ واہی اس فن میں بھی ماہر ہیں۔ ان کی کہنہ مشاقی اس پل صراط سے بے جھجکے کامیابی سے گزر جاتی ہے۔ غایت ان کی نگاہ میں ہوتی ہے۔ اور اس کے حصول کے تمام وسائل اور مقتضیات ان پر روشن ہوتے ہیں۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جو ان کے فن میں لطف بیان، لطف واقعہ اور جدّتِ اظہار پیدا کر کے قارئین کے لیے دلچسپی اور کشش کا سامان فراہم کرتی ہیں۔

واہی نے ملکی اور بین الاقوامی مسائل کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ جن میں طنز کے نشتر بھی شامل ہیں اور مزاح کا لطف بھی۔ لیکن ان کے طنز میں نفرت یا غصّے کی کیفیت نہیں پائی جاتی بلکہ ہمدردی اور رواداری کا جذبہ نمایاں ہوتا ہے۔ ان کا مقصد انسان کی ذاتی کمزوری یا سماجی کوتاہی کی نشاندہی ہوتا ہے۔ ان کی غرض واضح طور پر اصلاح سے ہوتی ہے، دل آزاری سے نہیں۔ اس لحاظ سے ان کی ظرافت کی نوعیت مصلحانہ کہی جائے گی، واعظانہ نہیں۔ وہ نصیحتوں سے گریز کرتے ہوئے بڑی کامیابی سے سماج کو آئینہ دکھا دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی کئی قابل ذکر نظموں کی مثال پیش کی جاسکتی ہیں جن میں یو این او، قیام امن، ماسٹر پلان، چال، گو ہاتھ میں جنبش نہیں...، لال فیتہ، گرومورفوڈ، بلیڈ، طوق زرّیں، ترقی، ویلفیئر اسٹیٹ، لیڈری کا نسخہ، ایک اشتہار، ہم کون ہیں ہم کیا ہیں، آبادکاری، الیکشن، اپیل، لیلائے کرپشن، رشوت، ملازمت، پیروی، ہم نے چاہا تھا کہ مرجائیں..، بلیک مارکیٹر، کرفیو، ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق، ٹیڈی کفن، ٹیڈی گرل، معرکۂ جہیز ودین مہر، جنرل اسپتال، ریل کا سفر، شہرت کے لیے، ٹیوشن، میں اسٹوڈنٹ ہوں، یلغار سے انتشار تک، مولوی اور کامریڈ، نقاد، محقق، پی ایچ ڈی، تحقیقی مقالہ برائے فروخت، اے لکچرر، پروفیسر نامہ، انٹلکچوئل، تبصرہ نگاری، خدام ادب، حضرت کاتب، گویا شاعر، غالب صدی اور اردو وغیرہ جیسی نظمیں اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ تمام نظمیں کسی نہ کسی مرکزی تجربے پر مبنی ہیں جو شاعر کے فنکارانہ اسلوب کی گواہ اور اس کی سماجی، سیاسی وتہذیبی بصیرت پر دال ہیں۔

واہی کی نظموں کا سنجیدہ مطالعہ اس بات پر دال ہے کہ ان کی تخلیقات میں سماجی، تاریخی، سیاسی اور تہذیبی ادراک اور عصری تقاضوں کا مضبوط احساس موجود ہے۔ یہاں تفصیل میں جانے کا موقع نہیں لیکن اگر ان کی چند ایک نظموں پر نظر ڈالیں تو یہ حقیقت روشن ہوجاتی ہے۔ مثلاً ان کی نظم 'یواین او' کو ہی لیجیے۔ اس نظم میں انھوں نے اقوام متحدہ کے کردار وعمل پر جس خوبصورتی

واہی نے ملکی اور بین الاقوامی مسائل کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ جن میں طنز کے نشتر بھی شامل ہیں اور مزاح کا لطف بھی۔ لیکن ان کے طنز میں نفرت یا غصّے کی کیفیت نہیں پائی جاتی بلکہ ہمدردی اورر واداری کا جذبہ نمایاں ہوتا ہے۔ان کا مقصد انسان کی ذاتی کمزوری یا سماجی کوتاہی کی نشاندہی ہوتا ہے۔ ان کی غرض واضح طور پر اصلاح سے ہوتی ہے، دل آزاری سے نہیں۔ اس لحاظ سے ان کی ظرافت کی نوعیت مصلحانہ کہی جائے گی، واعظانہ نہیں۔ وہ نصیحتوں سے گریز کرتے ہوئے بڑی کامیابی سے سماج کو آئینہ دکھا دیتے ہیں۔

سے طنز کیا ہے، اس سے اس ادارے کی موجودہ صورت حال قاری پر واضح ہوجاتی ہے۔ بڑی طاقتوں خاص طور پر امریکہ کے دباؤ میں بین الاقوامی مسائل کے حل اور حقوق انسانی کے تحفظ کے حوالے سے آج یہ تنظیم کس قدر غیر افادی ہوچکی ہے، یہ نظم اس کا خوبصورت اظہار بن کر سامنے آتی ہے:

رہا یہ سلسلۂ عدل دیر تک جاری
کبھی یہ پلّہ جھکا اور کبھی وہ پلّہ جھکا
تھا بسکہ سعیِ توازن میں پنجۂ تقسیم
کچھ اس میں سے کبھی نوچا کچھ اس میں سے نوچا
غرض ترازوئے انصاف ہو گئی خالی
پنیر ختم ہوئی، ختم ہو گیا جھگڑا
فسانہ عدل کا واہی سے سن لیا تم نے
اب اس کے بعد نہ پوچھو کہ یواین او کیا ہے؟

جمہوری نظام حکومت میں انتخابات کو خصوصی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ انتخابات میں عوام کے ذریعے منتخب نمائندے ہی حکومت قائم کرتے ہیں لیکن تیسری دنیا کے غیر ترقی یافتہ اور فرسودہ سماجی واقتصادی نظام کے حامل ممالک میں انتخابات رائے عامہ کے حقیقی اظہار کے بجائے حکمراں طبقے کے ہی مفادات کی تکمیل کرتے ہیں۔ یہاں رہنما مکاری اور دھوکے بازی سے کام لیتے ہیں۔ جھوٹے وعدوں کی باڑھ ہوتی ہے اور مختلف ہتھکنڈوں کے سہارے حکمراں طبقے کے ہی نمائندے آخرکار اقتدار پر متمکن ہوجاتے ہیں۔ اپنی نظم 'الکشن' میں واہی نے کس خوبصورتی سے طنز ومزاح کے پیرائے میں اس صورت حال کی عکاسی کی ہے۔ ذیل کے اشعار دیکھیے:

پھر اک نئے الکشن کا آچلا زمانہ
پھر لیڈری کے لب پر جنتا کا ہے ترانہ
تقدیر کے جواری عشرت کدوں سے نکلے
کھلنے لگا سیاست کا پھر قمار خانہ
پھر نرم ہو رہا ہے نیتاؤں کا رویّہ
پھر گرم ہو رہا ہے باتوں کا چنڈو خانہ
جتنے بلیکیئے تھے بگلا بھگت بنے ہیں
ملتے ہیں ووٹروں سے جاجا کے فدویانہ
بھوکوں کو مل رہی ہے وعدوں کی گرم روٹی
حلوے سے کم نہیں ہیں الفاظ مشفقانہ

واہی نے آزادی کے بعد کی صورت حال کا بھی سنجیدگی سے جائزہ لیا ہے اور اس حقیقت تک پہنچنے میں کامیاب رہے ہیں کہ انگریزوں نے جاتے جاتے ملک کا زمام اقتدار انھیں دیسی آقاؤں کے حوالے کر دیا جو غلامی کے زمانے میں ان کے وفادار تھے۔ چنانچہ طبیعت میں رچی ہوئی ان کی رعونت اور استحصالی فکر نے ملک کی بدعنوانیوں کا ایسا باب لکھا جو افسوسناک بھی ہے اور حیرت زا بھی۔ حکمراں طبقے کے لوگوں کے علاوہ ان کے خدمت گار سرکاری افسران بھی دھیرے دھیرے بدعنوانی کی اس دلدل میں گردن تک دھنس گئے۔ اس صورت حال کو واہی نے نہایت دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔ اپنی نظم 'کرپشن' میں واہی نے بدعنوانی کو لیلیٰ سے تشبیہ دیتے ہوئے معمولی کلرک سے لے کر اعلیٰ افسر اور ارباب سیاست کے بڑے بڑے رہنماؤں کو اس کی زلف گرہ گیر کی اسیری

کا جو خاکہ پیش کیا ہے، وہ نظم کے حسن کو دوبالا کر دیتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

ویسے تو پھنسانے میں وہ مشاق بڑی ہے
ہر شخص پہ، ہر دل پہ نظر اس کی گڑی ہے
جی جان سے لیکن وہ دفاتر پہ پڑی ہے
اس دشمن ایماں نے کسی کو بھی نہ چھوڑا
جو اس کے مقابل تھے غرور ان کا بھی توڑا
دل اپنی طرف قوم کے لیڈر کا بھی موڑا
جو دیش کے سیوک تھے اہنسا کے پجاری
خود ان سے حسینہ نے کہا میں ہوں تمہاری
اور ان پہ بھی الفت کا جنوں ہوگیا طاری
اب دیش کی سیوا کی بھلا کیا ہے ضرورت
اب وقت کہاں ہے جو کریں قوم کی خدمت
اب وہ ہیں اور اس شوخ کی آغوشِ محبت

ملک میں گرتے ہوئے تعلیمی معیار نے بھی واہی کے سنجیدہ مزاج کو مجروح کیا ہے۔ اوّل تو تعلیمی نظام کی غیر افادی صورت حال اور پھر اس میں در آئی بدعنوانی نے آج ہمارے سماج کی صورت کو ہی مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ صورت حال ایک زوال آمادہ سماج کی ہی تصویر پیش کرتی ہے۔ واہی کی نظم میں اسٹوڈنٹ ہوں، اے لکچرر، ٹیوشن، انٹرویو، پروفیسر نامہ، پروفیسر، پی ایچ ڈی، نئی یونیورسٹی اور 'تحقیقی مقالہ برائے فروخت' ہمارے مایوس کن تعلیمی نظام کی تصویر کشی کرتی ہے، جس سے تعلیمی نظام کے گرتے ہوئے معیار، طلبا کی بے اعتدالیاں، اساتذہ کی بے عملیاں اور بد عنوانیاں، بے روزگاری، رشوت خوری، سہل انگاری، پیروی اور اقربا پروری جیسے خطرناک اور ناپسندیدہ رجحانات نمایاں ہو جاتے ہیں۔ یونیورسٹیوں میں ریسرچ اور اس کی صورت حال کے حوالے سے ان کی نظم 'پی ایچ ڈی' دلچسپی کی حامل ہے جس سے ریسرچ کے معیار اور طریقہ کار کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ ذیل کے چند اشعار دیکھیں:

اک دن کسی کباڑی کی دوکاں پہ جایئے
قلمی کوئی کتاب وہاں سے اڑایئے
کوشش رہے کہ ہو کسی شاعر کا وہ کلام
گر مل گیا تو آپ کا ہے ختم نصف کام
تخئیل کی مدد سے فسانے تراشیے
ہر اِک ورق پہ ٹانکیے دو چار حاشیے
پچھلے محققین کی دو اِک کتاب سے
تمہید نقل کیجیے لیکن حساب سے
ان کا مواد ہو مگر اپنا بیاں رہے
اقوال دوسرے کے ہوں اپنی زباں رہے

موجودہ دور کے مبصر حضرات جو کتاب پڑھے بغیر تبصرہ کرنے کے فن میں مہارت رکھتے ہیں۔ واہی ان کے بارے میں کچھ انکشاف کرتے ہیں۔ دیکھیے:

بلکہ اکثر ہوا ہے ایسا بھی
بو کتابوں کی دور سے سونگھی
اور جھٹ سے سنبھال کر خامہ
فکر کو فن کا دے دیا جامہ
یہ بھی مشہور ہے کہ آپ کا فن
ان کتابوں پہ بھی ہے خامہ زن
طبع ہونے کی بات دور رہی
بطنِ فنکار میں جو گم ہیں ابھی

ملک میں گرتے ہوئے تعلیمی معیار نے بھی واہی کے سنجیدہ مزاج کو مجروح کیاہے۔ اوّل تو تعلیمی نظام کی غیر افادی صورت حال اور پھر اس میں در آئی بدعنوانی نے آج ہمارے سماج کی صورت کو ھی مسخ کر کے رکھ دیا ھے۔ یہ صورت حال ایک زوال آمادہ سماج کی ھی تصویر پیش کرتی ھے۔ واھی کی نظم میں اسٹوڈنٹ ھوں، اے لکچرر، ٹیوشن، انٹرویو، پروفیسر نامہ، پروفیسر، پی ایچ ڈی، نئی یونیورسٹی اور 'تحقیقی مقالہ برائے فروخت' ھمارے مایوس کن تعلیمی نظام کی تصویر کشی کرتی ھے، جس سے تعلیمی نظام کے گرتے ھوئے معیار، طلبا کی بے اعتدالیاں، اساتذہ کی بے عملیاں اور بد عنوانیاں، بے روزگاری، رشوت خوری، سھل انگاری، پیروی اور اقربا پروری جیسے خطرناک اور ناپسندیدہ رجحانات نمایاں ھو جاتے ھیں۔

یہ تبصرہ نگاری کی غلط روش پر ایک بھرپور طنز ہے۔ واہی نے اپنی برادری پر بھی خوب چوٹیں کی ہیں۔ ایک شاعر ہونے کے ناطے انھیں سب سے زیادہ تجربہ اور مشاہدہ اپنے ہم پیشہ اور ہم مشرب یعنی شعرا حضرات کا ہے۔ ویسے تو یہ بھی جانتے ہیں کہ کچھ حضرات شاعری کے جوہر سے عاری ہونے کے باوجود خود کو شاعر جتانے کے لیے مصر رہتے ہیں۔ نہ تو انھیں فن شاعری کی شد بد ہوتی ہے اور نہ بحر و وزن کی تمیز۔ لیکن ایسے گویّے حضرات ان دنوں ہر شعری محفل اور مشاعرے میں نظر آتے ہیں۔ ان کے متعلق چند اشعار پیش ہیں:

ان سے ملیے آپ ہیں وہ شاعرِ رنگیں نوا
جن سے بزمِ شعر کی مرطوب رہتی ہے ہوا
بھیرویں کی دھن میں جس دم دادرا گاتے ہیں آپ
بن کے ساون کی گھٹا محفل میں چھا جاتے ہیں آپ
فلم کے گانوں کی دھن پر جب سناتے ہیں کلام
انجمن پر ٹوٹ پڑتا ہے سڑک کا اژدہام
مصرعۂ اوّل کو دو دو بار دہرانے کے بعد
انگلیوں سے تال سُر کا بھاؤ بتلانے کے بعد
لوچ پیدا کر کے قدموں میں تھرک جاتے ہیں آپ
کچھ پھڑک جاتی ہے محفل کچھ پھڑک جاتے ہیں آپ

واہی کی شاعری فکری طور پر اعلیٰ شعور کا تو پتہ دیتی ہی ہے، فنی تقاضوں کے احترام کا خیال رکھنا بھی جانتی ہے۔ واہی جانتے ہیں کہ نظموں میں اثر پذیری کے لیے فضا بندی ضروری ہوتی ہے اور طنز و مزاح کی شاعری تو اس کی زیادہ ہی متقاضی ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ اپنی نظموں میں ماحول سازی اور واقعہ طرازی سے خوب کام لیتے ہیں۔ غیر اہم اور معمولی واقعات سے کارآمد نکتے پیدا کر لینے کے ہنر میں وہ مہارت رکھتے ہیں، جو ان کی نکتہ آفرینی اور تخلیقی ہنر مندی کا پتہ دیتی ہے۔ واقعہ کے انتخاب اور واقعہ نگاری کے عمل میں وہ جس احتیاط سے کام لیتے ہیں، اس سے ان کی نظموں کے اثرات گہرے ہو جاتے ہیں۔ ان کی نظمیں آئینہ، معرکۂ دین و مہر، ٹیڈی کفن، ماہر فن، جنرل اسپتال، ریل کا سفر، ڈکٹیٹر کا سر، گھریلو منصوبہ، اللہ رے مادّہ، انٹرویو ان کی فنی چابک دستی کی خوبصورت اور کامیاب مثالیں ہیں۔ ان کی 'شعرستان' 'پروگرام' سیریز کی نظمیں بھی ان کی فنکارانہ مہارت و عظمت کی عمدہ مثال ہیں۔

واہی نے زندگی کے ہر شعبے پر نگاہ ڈالی ہے اور انسانی فکر و عمل کی قبیح صورتوں اور معاشرتی ناہمواریوں کو اجاگر کرتے ہوئے اعلیٰ سماجی، فکری اور اخلاقی قدروں کو نظر میں رکھا ہے۔ ان کے کلام میں طنز و مزاح کے جو معیاری اور دلچسپ نمونے ملتے ہیں، وہ انفرادی حیثیت کے حامل ہیں۔ ان کے کلام کا قابل ذکر حصہ ظریفانہ شاعری کی عمدہ مثال قرار دیا جائے گا۔ اور اردو کے بڑے اور اہم ظرافت نگار شعرا کی صف میں اپنی فکری و فنی خصوصیات کے سبب واہی کا نام ہمیشہ فخر و احترام سے لیا جائے گا۔

■

Dr. Humayun Ashraf Asst.Professor, P.G. Department of Urdu, Vinoba Bhave University, Hazaribagh-825301(JHARKHAND)
Email: dr.h.ashraf@gmail.com

ابوالفیض (نٹ کھٹ عظیم آبادی)

واہی صاحب کی یاد میں

قلم تو اٹھا لیا ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں۔ ان پر یعنی استاد محترم رضا نقوی واہی پر اہل قلم حضرات اتنا کچھ لکھ چکے ہیں کہ ان سے متعلق کوئی گوشہ نہیں چھوڑا ہے، چاہے وہ گوشہ ان کے فن کا ہو یا ان کی شخصیت کا، اس لیے میرا ان پر کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے برابر ہے۔ لیکن اظہار عقیدت کے طور پر لکھنا بھی ضروری ہے ورنہ 'گرود کچھنا' یا یوں کہیے کہ شاگردی کا حق کیسے ادا ہوگا۔ میں سمجھتا تھا کہ وہ مجھے بہت عزیز رکھتے ہیں۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ اپنے سبھی شاگردوں کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ ان کے بہت سارے شاگرد تھے، جس کا اظہار انھوں نے کبھی اپنی زبان سے نہیں کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اُن کے بہت سے شاگرد ان کو بھول بھی گئے ہوں گے۔ لیکن میری یادوں کی رہ گزر میں وہ ابھی تک زندہ ہیں۔

میں نے 1971 میں پہلی غزل کہی تھی جو سنجیدہ تھی۔ اسے میں نے برائے اصلاح اپنے بڑے ماموں جان سید شاہ فرید الحق عمادی علیہ رحمت کو سنایا۔ انھوں نے اس کی نوک پلک درست کردی اور میں نے اسے پٹنہ سٹی میں ہونے والے ایک مشاعرے میں پڑھا، لیکن لوگوں نے اسے پسند نہیں کیا۔ چونکہ اس وقت میری شاعری کی ابتدا تھی۔ ایک دو سال بعد غالباً 1973 کی بات ہے ایک مشاعرے کے لیے ایک طرح ملی تو میں نے اس طرح پر ایک غزل کہی، اسے ایک کاغذ پر لکھا اور لے کر میں اپنے چھوٹے ماموں جان محترم متین عمادی کے پاس گیا۔ انھوں نے میری غزل کو بغور پڑھا اور برجستہ کہا: ''تم سنجیدہ شاعری میں نہیں چل سکو گے چونکہ تمھارا ترنم بھی نہیں ہے اور اشعار بھی بس واجبی ہیں، اس لیے میرا مشورہ مانو، تم مزاحیہ شاعری شروع کردو۔ تمھارے مزاج میں تھوڑا بہت نٹ کھٹ پن ہے اس لیے اپنا تخلص بھی نٹ کھٹ رکھ لو اور جناب رضا نقوی واہی سے رجوع کرو۔ وہ تمھاری مزاحیہ شاعری کی نوک پلک درست کردیں گے اور اپنے مشوروں سے بھی نوازیں گے۔ میں نے ماموں جان کے کہنے پر ایک مزاحیہ غزل لکھی جس کا مطلع ہے :

ہم نے جب اس سے کہا سن تو ہماری میٹ ہے
جھٹ سے بولی جھاڑو مارے مجھ کو تم سے ہیٹ ہے

لے کر ان کے دولت کدے پر حاضر ہوگیا۔ اس وقت وہ گردنی باغ میں سرکاری کوارٹر میں رہتے تھے۔ میں نے اپنا تعارف کرایا۔ وہ مجھ سے بڑے خلوص سے ملے اور میری غزل جو میں ایک کاغذ پر لکھ کر لے گیا تھا رکھ لی اور دوسرے دن آنے کو کہا۔ اس وقت میں پٹنہ کالج کا اسٹوڈنٹ تھا۔ اس لیے کالج سے چھٹی کے بعد ان کے یہاں جانا کوئی مشکل نہیں تھا۔ میں دوسرے دن ان کے در پر حاضر ہوگیا۔ انھوں نے اصلاح کے بعد میری غزل واپس کردی۔ میں نے اسے بغور دیکھا۔ انھوں نے اس غزل کے تمام عیب کو درست کردیا تھا اور مجھ سے جو بھی فنی خامیاں غزل کہنے میں ہوئی تھیں اس کی نشان دہی بھی اسی کاغذ پر ایک طرف لکھ کر کردی تھی۔

اس طرح ان سے ملاقاتیں ہوتی گئیں اور وہ میری شاعری میں نکھار لاتے گئے۔ میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ ان میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ ان کو کبھی اداس یا افسردہ نہیں دیکھا یا ان کے چہرے پر غصے کا اظہار نہیں دیکھا، ہمیشہ ان کا چہرہ شگفتہ ملا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا کہ میں اگر ایسے وقت پہنچ جاتا کہ کھانے کا وقت ہو رہا ہوتا تو مجھے وہ کھانا کھائے بغیر آنے نہیں دیتے۔ ایک اور بات کہ وہ جب اصلاح کی غرض سے قلم اٹھاتے تو اپنی بات کسی شعر میں نہیں ٹھونستے۔ بلکہ صرف الفاظ کے ردو بدل سے ہی شعر کو درست کرتے اور اس میں روانی لاتے اور ناموزوں ہوتا تو موزوں کرتے۔ کبھی کسی مصرع یا شعر کو قلم زد کر کے اپنا شعر اس جگہ پر چسپاں نہیں کرتے۔

ان کا خاندان بھی بھرا پرا تھا۔ کئی بیٹے تھے، بیٹیاں تھیں۔ ان کے ملنے جلنے والے اور دوست بھی بہت سارے تھے۔ محترم بہزاد فاطمی تو خیر ان کے دوست کے علاوہ ان کے سمدھی بھی تھے۔ ان کی بھی بہت پُر خلوص اور پُر مزاح شخصیت تھی اور ان سے بھی برابر استاد محترم کے کوارٹر میں ملاقاتیں ہو جاتیں۔ ایک بار ایسا ہوا کہ میں جب ان کے ہاں جا رہا تھا تو راستے میں تیز بارش نے اس وقت آدبوچا جب ان کا کوارٹر چند قدم کے فاصلے پر تھا اور کہیں پر چھپنے کی جگہ نہیں تھی۔ میں دوڑتا ہوا ان کے کوارٹر میں داخل ہوگیا۔ اتنی ہی دیر میں میرے کپڑے پورے طور پر بھیگ چکے تھے۔ اس وقت وہاں محترم بہزاد فاطمی بھی موجود تھے۔ مجھے بھیگا ہوا دیکھ کر استاد محترم نے جھٹ اپنی الماری سے تولیہ نکالا اور اپنا کرتا پاجامہ نکال کر مجھے پہننے کے لیے دیا تاکہ میں بھیگے ہوئے کپڑے اتار کر اسے پہن لوں۔ بہزاد فاطمی نے یہ دیکھ کر مذاقاً کہا: ''لیجیے نٹ کھٹ صاحب آج آپ کو آپ کے استاد نے شاگردی کی خلعت عطا کردی۔ آج سے آپ ان کے شاگرد رشید کے درجے میں آگئے۔'' میں نے یہ سن کر ان کا شکریہ ادا کیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اکبر الہ آبادی کے بعد وہی ایک ایسے مزاحیہ شاعر ہیں جن کے کلام میں ذرا بھی پھکڑ پن ہو یا کسی طرح کی غیر سنجیدگی پائی جاتی ہو۔ چونکہ زیادہ تر مزاحیہ شاعر مزاح پیدا کرنے کے لیے کچھ زیادہ ہی پھکڑ پن اور غیر سنجیدگی پر اتر آتے ہیں۔ اس لیے ان کا کلام مشاعرے میں کم پڑھے لکھے لوگوں کے سامنے تو چل جاتا ہے لیکن ادب میں اس کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔ مزاح اگر سنجیدگی سے کیا جائے تو وہ اونچے درجے کا مزاح ہوتا ہے۔ اس پائے کے شاعر بہت کم ہی گزرے ہیں جو مزاحیہ شاعر ہوتے ہوئے بھی پھکڑ پن سے دور رہے۔ ان میں ہم رضا نقوی واہی کو بھی شامل کر سکتے ہیں۔

استاد محترم کے کئی مجموعے شائع ہوئے۔ ان میں واہیات (1950)، طنز و تبسم (1963)، نشتر و مرہم (1968)، کلامِ نرم و نازک (1972)، نام بنام (منظوم خطوط کا مجموعہ 1973)، متاعِ واہی (1977)، شعرستانِ واہی (1983)، منظوماتِ واہی (1992)، باقیاتِ واہی (2004)۔ اس کے علاوہ ہندی میں ان کی تین کتابیں چٹ پٹی نظمیں (1971)، اردو شاعری اور بہار (1975)، ترکشِ واہی (1995) میں شائع ہوئی۔ تقریباً ان کے سبھی مجموعے پر کسی نہ کسی ادارے نے ان کو انعامات سے نوازا۔ ایک

دو ریسرچ اسکالروں نے ان پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی۔ یہ ان کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے، جو کہ ان کی زندگی ہی میں انھیں حاصل ہوا۔

انھوں نے غزلیات پر کم توجہ دی۔ زیادہ تر نظمیں تخلیق کی ہیں۔ چھوٹی بڑی نظموں کو ملا کر ان کی تعداد 250 سے کم نہیں ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے مزاحیہ ادب کو اونچے مقام پر پہنچایا ہے۔ ان کی وجہ سے ہی اب مزاحیہ ادب کو دوسرے درجے کی تصنیف کہنے میں ناقدین تھوڑا ہچکچانے لگے ہیں۔ اب مزاحیہ ادب کی بھی ایک الگ پہچان ہو گئی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ مزاحیہ ادب صرف سالا، سالی، بیوی، ساس، سسر، شیخ جی اور نیتا تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اس میں بہت سارے موضوع ہیں جن کو سمویا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے صرف آنکھیں کھلی رکھنے کی ضرورت ہے۔ اسی لیے ان کی نظموں میں طرح طرح کے موضوعات ملتے ہیں جن پر انھوں نے قلم اٹھایا ہے۔ ان کی نظموں کو پڑھنے سے انکشاف ہوتا ہے کہ ان کا مطالعہ کتنا وسیع تھا اور ان کی نظر کتنی تیز تھی۔ اس وقت کے جو حالات تھے چاہے وہ سیاسی ہوں، سماجی ہوں یا ادبی ہر پہلو پر انھوں نے گہر افشانی کی ہے۔ انھوں نے ایک نظم 'حضرتِ کاتب' لکھی تھی، جس میں انھوں نے کاتب حضرات کی غلطیوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس کے دو بند ملاحظہ فرمائیں:

اس طرح قلم آپ کا چلتا ہے دھکا دھک
لے جیسے چھلانگیں کوئی برسات کا مینڈک
یہ لفظ اڑا اور وہ جملہ ہوا گنجلک
اِک جست میں بن جاتی ہے مضمون کی درگت
اے حضرتِ کاتب شہہِ اقلیم کتابت

ہر جملہ میں جب تک کہ نہ دو اک غلطی ہو
ہر شعر میں اِک رکن کی جب تک نہ کمی ہو
اُس وقت تلک کاہے کو خوش آپ کا جی ہو
اُس وقت تلک کیسے ہو آسودہ طبیعت
اے حضرتِ کاتب شہہِ اقلیم کتابت

اس نظم پر کاتبوں اور ان کی انجمن نے بہت ہو ہلّا مچایا۔ تب انھوں نے کاتب حضرات کی طرف سے بھی ایک نظم 'عرضِ کاتب' لکھ کر انھیں ٹھنڈا کیا:

اے حضرتِ واہی یلِ میدانِ ظرافت
ہم اہلِ کتابت سے ہے کیوں آپ کو وحشت
تصویر کے صرف ایک ہی رُخ پر جو نظر ہے
تقصیر معاف، آپ کا یہ ضعفِ بصر ہے
ہم میں سے کوئی شخص نبی ہے نہ ولی ہے
لغزش تو ہر انسان کا حقِ ازلی ہے
دن رات جو لکھتا رہے بیٹھا ہوا اکڑوں
اس سے یہ توقع کہ دماغ اس کا ہو موزوں

اس کے علاوہ بھی انھوں نے بہت ساری نظمیں لکھیں ہیں لیکن ان کے بارے میں زیادہ لکھنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ ویسے ان کی ساری نظمیں میں نے پڑھی ہیں اور ان کے بارے میں عقیدت کے اظہار کے طور پر اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ ان پر میرا زیادہ لکھنا چھوٹا منھ اور بڑی بات ہوگی۔

1937 میں بہار ودھان سبھا میں اردو رپورٹر کی حیثیت سے جوائن کیا اور 37 برس سرکاری ملازمت میں رہنے کے بعد 1974 میں اسسٹنٹ سکریٹری کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ آپ نے اٹھاسی برس کی عمر پائی اور 2002 میں دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔ جب ان کا انتقال ہوا اس وقت میں ہزاری باغ میں اپنی ملازمت پر تھا۔ مجھے اس اندوہناک حادثے کی اطلاع دوسرے دن ہوئی. لہٰذا میری بدقسمتی کہ میں ان کا آخری دیدار کرنے بھی نہ جاسکا. لیکن آج بھی وہ میرے کلام میں میری یادوں کی رہ گزر میں زندہ ہیں۔

ان کی پیدائش سیوان ضلع کے کھجوا گاؤں میں 1914 میں ہوئی۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم گاؤں ہی کے ایک مڈل اسکول میں حاصل کی۔ 1931 میں پٹنہ کے پٹنہ کالجیٹ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور 1933 میں پٹنہ کالج سے آئی۔اے۔ انھوں نے کولکاتا کے صوفی کمرشیل کالج سے کامرس میں ڈپلوما حاصل کیا۔ 1937 میں بہار ودھان سبھا میں اردو رپورٹر کی حیثیت سے جوائن کیا اور 37 برس سرکاری ملازمت میں رہنے کے بعد 1974 میں اسسٹنٹ سکریٹری کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ آپ نے اٹھاسی برس کی عمر پائی اور 2002 میں دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔ جب ان کا انتقال ہوا اس وقت میں ہزاری باغ میں اپنی ملازمت پر تھا۔ مجھے اس اندوہناک حادثے کی اطلاع دوسرے دن ہوئی، لہٰذا میری بدقسمتی کہ میں ان کا آخری دیدار کرنے بھی نہ جاسکا۔ لیکن آج بھی وہ میرے کلام میں میری یادوں کی رہ گزر میں زندہ ہیں۔

میں جب تک پٹنہ میں رہا ان سے تقریباً ہفتے میں ایک یا دو بار ملنے ضرور ان کے پاس حاضر ہو جایا کرتا تھا۔ میں نے 1985 میں پٹنہ سٹی میں بزمِ ظرافت کے نام سے ایک بزم قائم کی۔ 1987 میں اس بزم کے بینر تلے میں نے ایک آل بہار مزاحیہ مشاعرہ کروایا، جس میں صدر مشاعرہ کے طور پر انھیں شرکت کرنا تھی۔ رات کے آٹھ بجے مشاعرے کا وقت رکھا گیا تھا۔ سارے شعرا حضرات تشریف لا چکے تھے، لیکن سامعین کا پتہ نہیں تھا۔ اس لیے مشاعرہ شروع ہونے سے قبل سب کی ضیافت کا انتظام کر دیا گیا۔ اسی دوران انھوں نے مجھ سے پوچھا: ''کیا بات ہے شعرا حضرات تو سبھی آ گئے ہیں لیکن سامعین کا پتہ نہیں ہے''۔ میں نے جواب دیا: ''دراصل یہاں پر قریب میں ایک کبڈی کا میچ ہو رہا ہے، جس میں لوگوں کی تعداد اکٹھا ہے، میچ ختم ہوتے ہی لوگ آ جائیں گے''۔ انھوں نے بڑے ہی پُر مذاق انداز میں کہا: ''لگتا ہے ہم لوگوں کو بھی کبڈی کے اسی اکھاڑے میں جا کر اپنا کلام سنا نا پڑے گا''۔ لیکن خیر مشاعرہ شروع ہوتے ہی لوگ جوق در جوق آنے لگے اور تقریباً پانچ۔ چھ ہزار کا مجمع اکٹھا ہو گیا۔ دیر رات مشاعرے سے واپسی پر انھوں نے مجھے مشاعرے کی کامیابی پر مبارکباد دی اور کہا کہ انھیں امید نہیں تھی کہ اتنے سارے لوگ یہاں اکٹھا ہو جائیں گے۔

1990 میں میرا تبادلہ رانچی ہو گیا لیکن خط و کتابت کے ذریعے ان سے برابر راہ و رسم رہی اور جب پٹنہ آتا تو ان کے در پر حاضری دینا اپنا فرض سمجھتا۔ میں جب رانچی میں تھا اسی وقت انھوں نے مجھے کہہ دیا تھا: ''اب تمھیں میری اصلاح کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اب تم اچھی شاعری کر لیتے ہو۔ جب کوئی غزل کہو تو ایک دو بار اس پر نظرِ ثانی ضرور کر لینا خود بخود تم اپنی اصلاح کر لوگے۔'' ان کے اتنا کہنے کے باوجود میں کبھی کبھی اپنا کلام ان کے پاس بھیج دیتا تھا اور وہ اس میں تھوڑی بہت اصلاح کر کے میرے پاس واپس بھیج دیتے تھے۔ میں جب بھی پٹنہ جاتا تو ان سے ملنے کے لیے ان کے در پر حاضری ضرور دیتا اور ان کے علم کے خزانے سے فیضیاب ہوتا۔ آج بھی ان کے صاحبزادے عابد رضا نقوی سے میری ملاقات کا سلسلہ جاری ہے۔ عابد بھی بڑی اچھی شاعری کرتے ہیں اور ان میں اپنے والد صاحب کے پورے گن موجود ہیں۔ خدا انھیں بھی وہ شہرت عطا فرمائے جو ان کے والد محترم اور میرے استاد رضا نقوی واہی کو ملی۔

■

Abul Faiz (Natklhat Azimabadi), Village Alagdiha, Pubra Road, P.O. Pelawal, Hazaribagh - 825319 (Jharkhand)

جاوید احمد ڈار

اردو کی طنزیہ شاعری اور رضا نقوی واہی

عہد حاضر ادب کے سماجی اور ثقافتی مطالعات کا عہد ہے، اس لیے کہ ادب خواہ کسی بھی زمین، تحریک یا رجحان سے وابستہ کیوں نہ ہو، اپنے معاشرہ اور اپنی ثقافت سے باہر نہیں ہوتا۔ اردو میں آغاز سے لے کر اب تک گرچہ متعدد رجحانات اور تحریکات منظر عام پر آئیں لیکن کسی نہ کسی شکل میں ادب کا سماج سے رشتہ برقرار رہا۔ خاص طور پر جب ہم اردو کی طنزیہ شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ طنزیہ شاعری اپنا خام مواد لازمی طور پر اپنے سماج سے حاصل کرتی ہے۔ جعفرزٹلی سے لے کر اکبرالہٰ آبادی تک اور دلاور فگار سے لے کر رضا نقوی واہی تک تمام طنزیہ و مزاحیہ شاعروں نے سماج کی کج روی، نامساعد حالات اور محترم و مثبت سماجی اقدار کی شکست و ریخت کو اپنی طنزیہ شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ لیکن ساتھ ہی طنزیہ شاعری کے لیے اپنی زبان کی شعریات کی بھی بھرپور آگہی ضروری ہے۔ زبان کی شعریات کی آگہی اس لیے کہ شاعری طنزیہ ہو یا مزاحیہ، سنجیدہ ہو یا تبلیغی، اس کے لیے اپنی زبان کی شعریات کی پابندی لازمی ہے اور جس طنزیہ شاعر کے یہاں سماجی اور جمالیاتی شعور پختہ اور ترقی یافتہ نہیں ہوتا اس کی شاعری محض پھکڑپن بازی اور لطیفہ گوئی ہو کر رہ جاتی ہے۔ البتہ رضا نقوی واہی کا معاملہ ذرا ہٹ کر ہے جنھوں نے شاعری کو سنجیدگی سے بھی دیکھا، مزاحیہ انداز میں بھی اور طنزیاتی لب و لہجے سے بھی۔

اس میں شک نہیں کہ طنز ایسے ماحول میں پروان چڑھتا ہے جہاں کئی قسم کی ناہمواریاں اپنی جڑیں مضبوطی سے گاڑ کر مستقل حیثیت اختیار کرلیں۔ طنز اپنے اردگرد پھیلے ہوئے مسائل کی اصلاح کے لیے میٹھی گولیوں کے بجائے نشتر کو استعمال میں لاتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ سودا اور غالب کے یہاں ایسی کچھ علامتیں ضرور نظر آتی ہیں البتہ اکبرالہٰ آبادی کی ایک ممتاز حیثیت ہے لیکن ان کا بیشتر سرمایہ ان کے اپنے دورِ انقلاب سے ہی وابستہ رہا ہے اور اس طرح ان کی طنزیہ شاعری تمام شعبہ جات تک رسائی حاصل نہ کرسکی۔ رضا نقوی واہی البتہ وہ واحد نام ہے جنھوں نے اس کمی کو کسی حد تک پورا کرنے کی کوشش کی یا پھر یوں کہا جائے کہ پورا کیا۔ انھوں نے بالعموم غیر ذاتی ہجویں بھی لکھیں جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ وہ اپنے ذاتی غضب پر کتنا قابو رکھتے ہیں۔ ان کی نفسیات میں آخر ایسی بے نفسی کہاں سے آئی؟ ظاہر ہے کہ یہ ان کے زمانے کی دین ہے۔ ورنہ سنجیدہ شاعری کرتے کرتے وہ طنزیہ و مزاحیہ شاعری کی جانب کیوں مڑتے۔ یہ سب سوالات ایسے ہیں جن کا جواب صرف رضا نقوی واہی کی طنزیہ شاعری سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔

طنزیہ و مزاحیہ شاعری کے جدید ترین عہد کی ایک جانی پہچانی اور منفرد آواز رضا نقوی واہی کی ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا موضوع ہو جو واہی کی نظر سے چھوٹا ہو۔ ان کے طنز کا نشتر اپنی شدت کے باوجود گوارا ہوتا ہے۔ وہ سماج اور معاشرے سے حاصل اپنے تجربات کا براہِ راست انکشاف کرتے ہیں۔ وہ کسی فردِ واحد کو اپنے طنز کا نشانہ بنانے کے بجائے اداروں اور اجتماعی زندگی کی خامیوں پر انگشت نمائی کرتے ہیں اور نرمی اور گوارا تلخی کے ساتھ ساتھ طنز کا تازیانہ کستے ہیں۔ سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالات پر اس طرح وار کرتے ہیں کہ پڑھنے والا مزے لیتا ہے اور ان کا ہم نوا ہو جاتا ہے۔ ان کے یہاں تہذیبی، سیاسی اور مذہبی ناہمواریوں پر بھی طنز کے تیکھے نشتر ملتے ہیں۔ طنز و مزاح نگاری کے آئینے میں وہ مزاح سے زیادہ طنز نگار نظر آتے ہیں۔ ملکی، سیاسی بحران، اخلاقی رشتوں کی پامالی ان کے طنز کے خاص موضوعات ہیں۔ انھوں نے ادب و فن کو بھی اپنے طنز کا موضوع بنایا ہے۔ وہ فنونِ لطیفہ کو زندگی کا آئینہ دار مانتے ہیں۔ ان کی طنزیہ شاعری دعوتِ فکر ہے اور معاشرہ، سوسائٹی اور انسان کی اصلاح کا سبق دیتی ہے۔ لیکن اس بات کو بھی سمجھنا ضروری ہے کہ رضا نقوی آخر واہی کیوں اور کیسے بنے؟ کس نے انھیں طنز نگار بننے پر مجبور کیا؟

دراصل جس زمانے میں رضا نقوی واہی نے آنکھ کھولی، ترقی پسند تحریک اپنے پورے شباب پر تھی۔ ترقی پسند تحریک سے واہی کافی متاثر ہوئے۔ جس کی تصدیق واہی نے اپنی پہلی نظم 'آج کچھ کھایا نہیں' میں کی ہے اور جو اس دور کے مشہور ادبی رسالے 'ادبِ لطیف' میں شائع ہوئی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

''غالباً پہلی نظم 'آج کچھ کھایا نہیں' کے عنوان سے رسالہ ادب لطیف، لاہور میں شائع ہوئی، اس زمانے میں ترقی پسند تحریک شباب پر تھی اور نظم بھی کچھ اس مناسبت سے تھی اس لیے شائع بھی ہوئی اور سراہی بھی گئی پھر تو

**دراصل جس زمانے میں رضا نقوی واہی نے آنکھ کھولی، ترقی پسند تحریک اپنے پورے شباب پر تھی۔ ترقی پسند تحریک سے واہی کافی متاثر ہوئے۔ جس کی تصدیق واہی نے اپنی پہلی نظم 'آج کچھ کھایا نہیں' میں کی ہے اور جو اس دور کے مشہور ادبی رسالے 'ادب لطیف' میں شائع ہوئی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:
''غالباً پہلی نظم 'آج کچھ کھایا نہیں' کے عنوان سے رسالہ ادب لطیف، لاہور میں شائع ہوئی، اس زمانے میں ترقی پسند تحریک شباب پر تھی اور نظم بھی کچھ اس مناسبت سے تھی اس لیے شائع بھی ہوئی اور سراہی بھی گئی پھر تو لکھنے اور چھپنے کا سلسلہ مسلسل رہا۔''**

لکھنے اور چھپنے کا سلسلہ مسلسل رہا۔''

(رضا نقوی واہی: آئینہ در آئینہ، مرتبہ ڈاکٹر ہمایوں اشرف، ص 137)

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ترقی پسند تحریک سے زیادہ واہی جوش کی شاعری سے متاثر تھے جس کا اعتراف وہ خود بھی کرتے ہیں اور وہ نظمیں بھی اس کی شاہد ہیں جو جوش کی شاعری سے متاثر ہو کر لکھی گئیں۔ جوش کے ساتھ میر انیس کی شاعری سے بھی وہ کافی حد تک متاثر تھے اور اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جوش کے علاوہ میر انیس کے کلام سے بے حد متاثر ہوتا رہا اس لیے کہ میں جس بستی کا رہنے والا ہوں یا تھا وہاں پر ایام محرم میں مجلسیں ہوا کرتی تھیں، انیس کے مرثیے پڑھے جاتے تھے جن سے میرا ذہن متاثر ہوتا تھا۔''

(ادب نکھار، رضا نقوی واہی نمبر، ص 18)

ترقی پسند تحریک کے زیر اثر رضا نقوی واہی تقریباً پندرہ برسوں تک سنجیدہ شاعری سے جڑے رہے لیکن 1947 کی تقسیم کے المیے نے رضا نقوی واہی کو بھی متاثر کیا۔ ملک تقسیم ہوا، خاندان تقسیم ہوئے، واہی کے متعدد رشتے دار پاکستان چلے گئے تو واہی کو بھی مجبوراً جانا پڑا۔ لیکن وہاں بھی دل نہ لگا اور واپس آنے پر کچھ عرصے بعد انھیں بہار اسمبلی میں ملازمت مل گئی لیکن یہاں کی الگ دنیا دیکھ کر، یہاں کے سیاسی نظام کو دیکھ کر اس کے خلاف آواز بلند کرنے کی ٹھان لی جس کے لیے وہ رضا نقوی سے واہی بن گئے۔

لیکن اس میں سب سے اہم بات یہ رہی کہ وہ فرد واحد کی تضحیک سے ہمیشہ دامن کشاں رہے اور جب کبھی اس کا موقع آ بھی گیا تو فرد کے بجائے انھوں نے اس طبقے کو نشانہ طنز بنایا جس سے وہ فرد وابستہ رہا۔ پھر انھی کوتاہیوں کو واشگاف کیا جو اس طبقے سے وابستہ افراد میں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس اعتبار سے ان کا فن تخصیصیت کا نہیں، تعمیم کا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی پروگرام والی نظمیں بطور مثال پیش کی جاسکتی ہیں، جن میں شاعر، ایڈیٹر، بڑا صاحب، لیڈر، فلسفی، مُلّا، پروفیسر اور خود 'واہی کا پروگرام' شامل ہے۔ چھ سات اشعار پر مشتمل پروگرام سیریز کی نظمیں مختلف سماجی کرداروں کے روزانہ کے مشاغل کا دلچسپ نقشہ مرتب کرتی ہیں۔ ان کی نظم 'مُلّا' کے مشاغل کی ایک دلچسپ تصویر ملاحظہ کیجیے:

مُلّا کو اگر آپ کبھی ڈھونڈنا چاہیں
وہ پچھلے پہر نفخ کی حالت میں ملے گا
اور صبح کو وہ بندۂ مجبور مراسم
سکڑا ہوا محراب عبادت میں ملے گا
بعد اس کے وہ ہوٹل میں خدا دین میاں کے
ناسازیِ معدہ کی شکایت میں ملے گا
اور ظہر کے کچھ بعد وہ لکھتا ہوا تعویذ
عورات محلّہ کی رفاقت میں ملے گا
اور شام کو جنّات کی مسجد میں کنوئیں پر
تسخیر اجنّہ کی ریاضت میں ملے گا
اور محفل میلاد ہو یا بزم عروسی
ہر رات وہ بریانی کی دعوت میں ملے گا

(مُلّا کا پروگرام)

یہاں کسی فرد واحد پر طنز نہیں، اس کا ہجو بھی نہیں۔ ایک طبقے کا ذکر ہے، اس کے مشاغل کا بیان ہے۔ ان مشاغل سے اس طبقے کے کردار کے تضادات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ مُلّا پچھلے پہر نفخ کی حالت میں ہوتا ہے۔ ناسازیِ معدہ کی شکایت کرتا ہے پھر بھی دن میں ہوٹل کے کھانے اور رات میں بریانی کی دعوت کا لطف لیتا ہے۔ مُلّا جو کبھی اپنے وقت کا عالم ہوتا تھا، سماج کی اصلاح کرتا تھا، اب تو ہم پرست عورتوں کے لیے تعویذ بھی لکھتا ہے۔ رات میں محفل میلاد منعقد کرتا ہے یا بزم عروسی میں قاضیِ نکاح کا رول ادا کرتا ہے۔ اس کا ہر عمل کھوکھلا اور مذہب کی سچی روح سے عاری ہے۔ بظاہر یہ نظم سیدھی اور آسان ہے مگر تہذیبی و ثقافتی حوالے مفاہیم کی طرحیں کھولتے ہیں نیز معاشرے میں مُلّا کے کردار، مقام، مرتبہ اور اس کی معاشی حالت کا تعین کرتے ہیں۔ بقول اختر اورینوی:

ترقی پسند تحریک کے زیر اثر رضا نقوی واہی تقریباً پندرہ برسوں تک سنجیدہ شاعری سے جڑے رہے لیکن 1947 کی تقسیم کے المیے نے رضا نقوی واہی کو بھی متاثر کیا۔ ملک تقسیم ہوا، خاندان تقسیم ہوئے، واہی کے متعدد رشتے دار پاکستان چلے گئے تو واہی کو بھی مجبوراً جانا پڑا۔ لیکن وہاں بھی دل نہ لگا اور واپس آنے پر کچھ عرصے بعد انہیں بہار اسمبلی میں ملازمت مل گئی لیکن یہاں کی الگ دنیا دیکھ کر، یہاں کے سیاسی نظام کو دیکھ کر اس کے خلاف آواز بلند کرنے کی ٹھان لی جس کے لیے وہ رضا نقوی سے واہی بن گئے۔

''واہی کی ظریفانہ شاعری کا تجزیاتی جائزہ لیتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے تجربات کا اظہار شاعرانہ طور ہوا ہے۔ ان کے حواس بیدار ہیں، احساس ذکی، جذبہ جاگا ہوا مگر متوازن اور تخیل گہرا، مشاہدہ اور ذکاوتِ احساس کی مثالیں مختلف نظموں میں ملتی ہیں۔ واہی کی ہر اچھی نظم میں یہ صفت پائی جاتی ہے۔''

(نشتر و مرہم، ص 13)

واہی کی نظموں میں دوسری سیریز، شعرستان، کی ہے۔ ان نظموں میں قوت متخیلہ کے ذریعے شعرستان کا ایک خیالی نقشہ مرتب کیا گیا ہے۔ تاہم شعرستان کا یہ تخیل محض تصوراتی نہیں، اس کا مواد معاشرے اور سیاست میں موجود ہے۔ یہاں رضا نقوی واہی شعرستان کا تخیل انوکھے انداز میں پیش کرتے ہیں۔ یہ انوکھا انداز ملاحظہ فرمائیں:

ملک میں مردم شماری سے ہوا یہ آشکار
صرف شاعر ہیں یہاں پر دو کروڑ اِکسٹھ ہزار
ان میں بھی دس بیس فلمی شاعروں کو چھوڑ کر
سب خدا کے فضل سے ہیں بے عمل، بے روزگار
شہر تو ہیں شہر کوئی گاؤں بھی ایسا نہیں
از کمایوں تادکن ازپور بندر تا بہار
جن کی گلیوں اور کوچوں میں نظر آتے نہ ہوں
اوسطاً دس آدمی کے بیچ، شاعر تین چار
جیسے ہی اخبار والوں نے اُچھالی یہ خبر
شاعروں کا بختِ خفتہ جاگ اٹھا ایک بار
چند لیڈر قسم کے حضرات کو موقع ملا
آ گئی ان کی خزاں دیدہ قیادت میں بہار
اک اہم اسکیم ان کے ذہن نے تیار کی
جس میں ذاتی اور قومی فائدے تھے بے شمار
لیڈروں نے رکھ کر اس اسکیم کو پیش نظر
اک نئی تحریک کی ڈالی بنائے استوار

(تحریکِ شعرستان)

مردم شماری تو حکومت کی ایک انتظامی حقیقت ہے۔ ملک میں ہر دس برس کے بعد مردم شماری ہوتی ہے جس کی بنیاد پر عوام کے مذہب، زبان، تعلیم، ذات وغیرہ سے متعلق اعداد و شمار اکٹھے کیے جاتے ہیں۔ جو بعد میں سیاسی لیڈروں کی آئندہ سیاست کے لیے ایک ہتھکنڈہ ثابت ہوتے ہیں۔

ادب و فن، تحقیق و تنقید میں بھی جو ناہمواریاں پائی جاتی ہیں واہی نے ان کی بھی بھرپور گرفت کی ہے۔ نظم ''محقق'' میں عہد حاضر کی تحقیقی صورت حال پر ظریفانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہیں بہ زعم خود محقق آپ ہندوستان کے

آپ نے نقطے گنے ہیں میر کے دیوان کے
گر کسی نے لکھ دیا یہ میر کے دو ہاتھ تھے
آپ اس کو رد کریں گے اپنی تحقیقات سے

تحقیق ہو یا تنقید دونوں کا کام صداقتوں کی تلاش ہے مگر صداقتوں کی تلاش میں اعتدال کی راہ گم ہو جائے تو محقق یا ناقد قلا بازیاں کھانے لگتا ہے۔ واہی نے جس صورت واقعہ کا ذکر کیا ہے، وہ امر واقعہ نہیں لیکن راہِ تحقیق میں اس طرح کی بے اعتدالیوں کی موجودگی سے انکار بھی تو ممکن نہیں۔ چونکہ واہی کا طنز اصلاح ادب و معاشرہ تھا لہٰذا اگر وہ ادب اور تحقیق و تنقید پر طنز کرتے ہیں تو اس کا مقصد یہ تھا کہ ان کے معیار کو نہ گرایا جائے بلکہ اسے بلند و بالا کیا جائے۔ تعلیم و تدریس جو عصر حاضر کا ایک اہم شعبہ ہے، رضا نقوی واہی کے نشتروں سے یہ بھی نہیں بچ پاتا ہے۔ کیونکہ معاشرت و تہذیب کا بگاڑ اس شعبے میں بھی درآیا ہے۔ نہ پہلے جیسے طالبِ علم ہیں، نہ پہلی جیسی تعلیم اور نہ پہلے جیسے اساتذہ۔ رضا نقوی واہی کی نظمیں پی ایچ ڈی، میں اسٹوڈنٹ ہوں، اے لکچرر، تحقیقی مقالے برائے فروخت، پروفیسر نامہ، ٹیوشن وغیرہ جیسی نظمیں ان ہی کمزوریوں کو آئینہ دکھاتی ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

ڈی لٹ جسے ملا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر
پی ایچ ڈی جو ہوا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر
پٹنہ کا جو پڑھا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر
انگلینڈ جو گیا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر
بیرنگ جو پھرا ہے سو ہے وہ بھی لکچرر
(پروفیسر نامہ)

جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ واہی نے اپنے مشن کو ایک خاص منصوبے کے تحت ترتیب دیا اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تنقید معاشرہ پر بھی ان کی خاص نظر تھی۔ چونکہ طنزیہ و ظریفانہ شاعر کا تخاطب صرف دانشور، تعلیم یافتہ اور بلند طبقہ ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کی شاعری پورے سماج کے لیے ہوتی ہے اور ہر طبقہ کے لوگوں کو مخاطب کرتی ہے، اس لیے ایک کامیاب ظریف شاعر ایسے الفاظ کا بھی استعمال کرتا ہے جو عام فہم ہوں۔ اس حوالے سے بھی اگر دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ طنز و مزاح کی حسین اور متوازن آمیزش کے ساتھ ساتھ فکر کی توانائی بھی واہی کی نظموں میں پائی جاتی ہے۔ ان کی نظموں کا تجزیہ اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ ان کا مشاہدہ کتنا گہرا ہے اور معاشرہ پر کتنی گہری نظر ہے۔

موجودہ دور کے سماجی، سیاسی اور معاشی حالات سے انھیں فکری آگاہی حاصل ہے اور اس ماحول میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جو واقعات و حادثات رونما ہوتے رہتے ہیں یا جو رجحانات پروان چڑھ رہے ہیں ان پر واہی صاحب کی ناقدانہ نگاہیں پڑتی ہیں اور ان کے دوررس اثرات کو وہ شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ ان کے یہاں فطری مزاح کا پہلو پایا جاتا ہے جو فکر کی بنیاد پر طنز کے نشتر کو مقصدی اور افادی بنا دیتا ہے۔ عصر حاضر کے وہ مسائل جنھوں نے معاشرتی زندگی میں ایک بحران پیدا کر رکھا ہے اور زندگی کا حقیقی سکون چھین لیا ہے ان کا تجزیہ واہی کی نظموں میں بڑے فنکارانہ انداز میں ملتا ہے اور یہ تجزیہ صرف طنز کے نشتر ہی نہیں لگاتا بلکہ ذہن کو اصلاح حال کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر دور حاضر میں ہندوستانی معاشرے میں جہیز اور فرمائشات کا مرض ایک ناسور کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں معاشرہ میں حرص وہوس، خودکشی، قتل اور بدکاری کے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ رضا نقوی واہی کا ذہن بھی ان حالات کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور وہ ایک فرضی واقعہ اپنی نظم 'معرکۂ جہیز و دینِ مہر' میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن یہ فرضی واقعہ بے شمار حقیقی واقعات اور واقعی حادثات کی ترجمانی کرتا ہے۔ یہ نظم موجودہ روش پر مزاح کے لہجہ میں ایک بھرپور طنز ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس گھناؤنی روش سے اجتناب کا پیغام بھی ہے۔ نظم کے آخری دو مصرعے ملاحظہ ہوں:

جب سے سنا ہے ہم نے یہ سنگین واقعہ
اولاد والوں کو یہی دیتے ہیں مشورہ
نور نظر کو مال تجارت بنایئے
لیکن زبان پہ نام شریعت نہ لایئے

صاحبان اولاد کو مشورہ دینا، نور نظر کو مال تجارت بنانا اور زبان پر نام شریعت نہ لانا، ان اشعار کے وہ اجزا ہیں جن سے بھرپور طنز کے ساتھ ساتھ ذہن کو ایک جھٹکا بھی لگتا ہے اور پھر جھٹکے سے نجات کا بھی احساس ہوتا ہے۔ اولاد کو مال تجارت بنانے کا مشورہ ایک ایسا مثبت طنز ہے جو اس گھناؤنی رسم سے بیزاری اور نفرت کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

رضا نقوی واہی کے یہاں کچھ نظمیں ایسی بھی ہیں جن میں بالغ نظری اور عمیق فکر کے اچھوتے انداز ملتے ہیں۔ ان کی نظم 'رشوت' کے چند اشعار دیکھیے:

رشوت کو بُرا کہتے ہیں اربابِ حماقت
کلجگ میں نہیں اس سے بڑی کوئی صداقت
ہے آج یہی طرۂ دستارِ زمانہ
ہے آج یہی زینتِ کرسیِ سیاست
حل ہوتا ہے رشوت سے ہر اک عقدۂ مشکل
اکثر اسی کنجی سے کھلا باب اجابت
جو کام کھٹائی میں پڑا رہتا ہے برسوں
اک آن میں ہو جاتا ہے رشوت کی بدولت

رشوت کو بُرا سمجھنے والوں کو ارباب حماقت کہنا اور رشوت خوری کو سب سے بڑی صداقت تسلیم کرنا ذہن کو ایک بڑا جھٹکا دیتا ہے۔ لیکن کلجگ کا لفظ استعمال ہونے کی وجہ سے فوراً ہی ایک تسکین بھی مہیا ہو جاتا ہے اور مزاح کی شگفتگی کے پردہ میں طنز کا بھرپور وار پڑتا ہے۔ طنز و مزاح کے ساتھ ان اشعار میں جو حقیقت بیانی ہے وہ ذہن کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح رضا نقوی واہی کی ایک اور نظم 'آئینہ' ہے جس میں ایک مُلّا صاحب کا وہ واقعہ ہے جو اکثر و بیشتر بیان ہوتا رہتا ہے اور مُلّا کے وعظ کے کھوکھلا پن کو ظاہر کرتا ہے۔ واہی نے بھی اس واقعہ کو نظم کیا ہے۔ اپنے گھر پر فقیروں کا ہجوم دیکھ کر اور بیوی سے حقیقت حال معلوم کر کے مُلّا نے جس ردعمل کا اظہار کیا ہے، اس کی پیش کش واہی کی زبان سے سنیے:

بولے سر پیٹ کے مُلّا کہ خدا کی لعنت
تجھ سی عورت کا تو ہے قعرِ جہنم میں مقام
اپنا گھر پھونک کے جنت میں بناتی ہے مکان
کیا یہی حکم شریعت ہے ارے نافرجام
تو مرے وعظ کا کیا خاک سمجھتی مطلب
تو ہے شیطان کی خالہ وہ خدا کا تھا پیام
فرض بندوں کا شریعت پہ عمل کرنا ہے
ہم سے اللہ کے پیاروں کا فقط وعظ ہے کام

مُلّا کو بندوں کی صف سے خارج کرنا اور اللہ کے پیاروں کے زمروں میں شامل کرنا ایک ایسا لطیف اور بامعنی طنز ہے جسے صرف محسوس کیا جا سکتا ہے بیان کرنا دشوار ہے۔

مختصراً یہ کہ کلام واہی میں ایک نظم بھی ایسی نہیں جسے بے مقصد کہا جا سکتا ہو۔ ان کی حقیقت نگاری طنز و ظرافت کی وجہ سے خوش اسلوب ہو گئی ہے۔ نظموں کی اس فکری تحریک کے عنصر کو طنز اور ظرافت نے زیادہ پُر زور اور پُرکشش بنایا ہے اور اسی سے واہی کی انفرادیت نمایاں ہو گئی ہے۔ ان کے کلام کا مطالعہ کرتے وقت اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ انھوں نے اکبرالہ آبادی کی شاعرانہ روایت کی توسیع اکبر ہی کی طرح ایک مصلحانہ بصیرت کے ساتھ کی ہے۔ اپنی شاعری کے ذریعے ماحول اور معاشرے کی بے اعتدالیوں و بدعنوانیوں پر طنز کے تیز نشتر چلائے ہیں۔

■

Javed Ahmad Daar. Research Scholar, Dept of Urdu, JMI, New Delhi - 110025

محمد جابر زماں

رضا نقوی واہی کے تیر و نشتر

آزادی کے بعد ہندوستان میں جن لوگوں نے مزاحیہ شاعری میں نام پیدا کیا ان میں فرقت کاکوروی اور شاد عارفی کے ساتھ رضا نقوی واہی کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے۔ فرقت نے پیروڈی کو اپنا فن بنایا اور اسی کے دائرے میں محدود ہو گئے۔ ان کے یہاں پیروڈی کے اثر سے مزاح کا معیار برقرار نہیں رہتا۔ بلکہ اکثر جگہ مزاح برائے مزاح کی کوشش ملتی ہے۔ اکبرالٰہ آبادی اور ظریف لکھنوی کے بعد رضا نقوی کی آواز و اسلوب سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ انھوں نے طنز و ظرافت کو سنجیدگی اور سنجیدگی کو طنز و ظرافت کا تناظر عطا کیا ہے کہ سنجیدہ اور مزاحیہ موضوعات کی دوئی ختم ہوتی نظر آتی ہے۔ ان کے یہاں مزاح شرافت و شائستگی کے حدود سے تجاوز نہیں کرتا۔

سید محمد رضا نقوی واہی [17 جنوری 1914 — 5 فروری 2002] کے ادبی اور شعری ذوق کی نشو و نما ان کے آبائی وطن اور پٹنہ کے ادبی ماحول میں ہوئی۔ انھوں نے سنجیدہ شاعری سے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا لیکن بعد میں طنز و مزاح کی طرف مائل ہو گئے۔

مزاحیہ شاعری کے لیے ضروری نہیں کہ وہ مصلح کا کردار ادا کرے بلکہ اس کا مخلص ہونا ہی کافی ہے۔ رضا نقوی واہی کی شاعری بھی 'مصلح' ہونے کی دعوے دار نہیں۔ اس کے نزدیک صرف افراد و اشخاص کی خامیوں اور برائیوں کی طرف تخلیقی اصولوں کے مطابق اشارہ کر دینا ہی کافی ہے۔ ان کی طنز نگاری معاشی اور معاشرتی کمزوریوں کا بے رحم آئینہ ہے۔ وہ کسی فرد واحد کو نشانہ بنانے کے بجائے اداروں اور اجتماعی زندگی کی خامیوں پر انگشت نمائی کرتے ہیں۔ ان کے طنز میں تلخی کے بجائے نرمی ملتی ہے۔ سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالت پر اس طرح وار کرتے ہیں کہ پڑھنے والا مزے لیتے ہوئے ان کا ہم نوا بن جاتا ہے۔ شوخی و ظرافت رضا نقوی کے مزاج کا حصہ ہے۔ وہ بڑے سے بڑے المیے کا اظہار مزاحیہ اسلوب میں اس طور پر کر جاتے ہیں کہ مزاح میں سنجیدہ فضا پیدا ہو جاتی ہے الفاظ کے الٹ پھیر کی مدد سے کرداروں اور واقعات کی ایسی مضحک تصاویر پیش کر جاتے ہیں کہ پڑھنے اور سننے والوں کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ جاتی ہے۔ رضا نقوی کی شاعری معاشرے کے اس بڑے طبقے کی سرگرمیوں، رجحانات اور تہذیب و تمدن سے جنم لیتی ہے جسے عوام کہا جاتا ہے۔ ان کی تکالیف، مسائل، غم اور خوشیاں رضا نقوی کے مشاہدے میں آ کر مزاحیہ اسلوب میں اس طور پر ڈھلتی ہیں کہ قاری لطف اندوز ہونے کے ساتھ سیاسی سماجی خامیوں تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

رضا نقوی واہی پر گو شاعر ہیں۔ اس کے باوجود ان کا شعری کینوس وسیع اور ان کے کلام میں ہمہ گیری ہے۔ انھوں نے طنز و مزاح کو جو ادبی وقار عطا کیا وہ بہت کم تخلیق کاروں کے حصے میں آیا ہے۔ عصری احساس، معاشرتی شعور اور مثبت نقطۂ نظر ان کے شعری خصائص ہیں۔ انھوں نے زندگی کو قریب سے دیکھا اور جھیلا ہے۔ اردو کی ادبی روایت پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔ رضا نقوی واہی کو شاعری کے فن پر دستگاہ حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی ظریفانہ شاعری میں اکبرالٰہ آبادی کو آئیڈیل تو بنایا لیکن خود کو اسی دائرے میں محدود نہیں کیا۔ اس سے آگے بڑھ کر انھوں نے پطرس بخاری، رشید احمد صدیقی، احمق پھپھوندوی، ظریف لکھنوی وغیرہ کے اسالیب سے بھی استفادہ کیا۔ ان کے شعری متن میں گہرا سماجی شعور ملتا ہے۔ ان کے یہاں معاشرے کے کرب کا اظہار اور عوامی جذبات و احساسات کی بے باک ترجمانی ملتی ہے۔ ان کے یہاں طنز و مزاح محض پھبتی اور قہقہہ بازی سے عبارت نہیں بلکہ ان کے یہاں تہذیبی قدروں کی پامالی پر گھٹن پائی جاتی ہے۔ وہ زندگی کی ناہمواری اور بے تکے مظاہر کو طنز و تعریض کا نشانہ بنا کر صحت مند معاشرے کی تعمیر کا خواب دیکھتے ہیں۔ خود غرض سیاست، رشوت، وعدہ خلافی، دھوکہ بازی، چغل خوری، ریاکاری، عیش پرستی کے خلاف انھوں نے صدائے احتجاج بلند کیا ہے۔ وہ سماجی قدروں کی تنزلی کو اپنے طنز کا نشانہ بناتے ہوئے کہتے ہیں:

صدر دروازے سے داخل ہوں شفا خانے میں گر
کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو، آئے کدھر
چور دروازے سے لیکن گر ہوا ہو داخلہ
نرس ہو یا ڈاکٹر سب آپ پر ہوں گے فدا
آپ کو درپیش ہو پٹنہ سے دلی کا سفر
اور ریزرویشن کسی صورت نہ ملتا ہو اگر
چور دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹا کر دیکھیے
برتھ مل جائے گا فوراً آزما کر دیکھیے

[چور دروازہ]

یہاں جس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ معاشرے میں عام ہو چکی ہے۔ ہر شخص 'چور دروازے' کے استعمال کا اتنا عادی ہو چکا ہے کہ اب اسے یہ برائی معلوم نہیں ہوتی ہے۔

حکومت، ارباب حکومت اور سماج کے ہر طبقے کا فرد ان کی مزاحیہ تنقید کا ہدف بنا ہے۔ انھوں نے اس کمال ہوشیاری کے ساتھ آزادی کے بعد پروان چڑھنے والے سیاسی اور ثقافتی رویے کو اپنی تحریروں کی اساس بنایا ہے کہ کل کا مورخ ہندوستان کے سماجی اور سیاسی تاریخی حقائق تک آسانی کے ساتھ رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ ان کے ہر متن کے بطن میں باہمی اخوت، ملی وحدت، انسانی بھلائی اور امن و آشتی کا مفہوم پوشیدہ ہے۔ انتخابات میں اخلاقیات کا فقدان ہے۔ ان میں حصہ لینے والوں پر کسی طرح کی پابندی کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ہر بدمعاش، غاصب اور شاطر شخص حکومت میں شامل ہونے پر تیار ہوتا ہے۔ انتخابات میں سیاسی جماعتیں اپنے امیدواروں کو ٹکٹ دینے کے نام پر بہ طور عطیہ موٹی رقم وصول کرتی ہیں، جسے سیاسی رشوت کے علاوہ کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ حکومت سازی کے مرحلے ہیں۔ وراثتی سیاست دان بڑی بے شرمی سے اپنی پارٹیاں بدل کر مقتدر جماعت کی رکنیت حاصل کر لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح کے سیاسی لوگ اپنے الیکشن کے دوران پانی کی طرح بہائے گئے روپیوں کو سود سمیت حاصل کرنے کی فکر میں ہوتے ہیں۔ جس ملک میں سیاست کا یہ چلن ہو وہاں عوامی خوشحالی و ترقی کی امید رکھنا خام خیالی ہی نہیں بے وقوفی بھی ہے:

بھگوان مرے دل کو وہ زندہ تمنا دے
جو حرص کو بھڑکا دے اور جیب کو گرما دے
اوروں کا جو حصہ ہے مجھ کو وہی داتا دے
محروم بتاشہ ہوں تو پوری و حلوا دے
مفلس کی لنگوٹی تک باتوں میں اتروالوں
احسان کے پردے میں چوری کا سلیقہ دے

[نئے لیڈر کی رعایاص:87 کلام نرم و نازک]

رضا نقوی نے طنزیہ و مزاحیہ شاعری کے موضوعات کو وسعت دینے میں خصوصی کردار ادا کیا ہے۔ انھوں نے سیاست، ادب، ثقافت اور مذہب ان تمام موضوعات کو انھوں نے ہدف تنقید بنایا ہے۔ انھوں نے طنز کے سہارے جاں بہ لب معاشرے کی ہر دکھتی رگ پر نشتر زنی کی کوشش کی ہے۔ اخلاقی اقدار کی بے سروسامانی نے معاشرے میں رشوت، سفارش اور جھوٹ جیسی لعنتوں کو عام کر دیا ہے۔ قوموں کو تباہ کرنے والی ان برائیوں پر اس وقت سب نے اپنے ہونٹ سی رکھے ہیں۔ کرپشن کی زد میں تعلیم جیسا مقدس ادارہ بھی ہے۔ انھوں نے اس محکمے کی لاپروائی اور لوٹ گھسوٹ کو مختلف عناوین میں نشان زد کیا ہے۔ اس حوالے سے ایک نظم کے چند اشعار دیکھیے:

سوالات امتحاں کے حل کیا کرتا ہوں یوں اکثر
کلیجہ منھ کو آتا ہے مورخ کا، مبصر کا
میں دے کر امتحاں ہر فکر سے آزاد رہتا ہوں
سپرد ابا میاں کے، پیروی کرنے کی خدمت ہے
انھیں ہر ممتحن کے گھر کی مٹی کوڑ کھانا ہے
کہ میرا فیل ہونا حق میں خود ان کے مصیبت ہے

[میں اسٹوڈنٹ ہوں؛ پہلا رخ]

استادوں کو فرصت ہی کہاں ہے کہ پڑھائیں
تہذیب سکھائیں ہمیں، اخلاق سکھائیں
کالج میں جو دن رات لڑاتے ہوں سیاست
ایک دوسرے کی خود ہی بناتے ہوں حجامت
دن رات جنھیں اپنی ترقی کی ہوس ہو
انعام کی، اعزاز کی، کرسی کی ہوس ہو
ان سے یہ توقع کہ ہمیں راہ دکھائیں
جو خود ہی ہوں بگڑے، وہ ہمیں خاک بنائیں!

[اسٹوڈنٹ؛ دوسرا رخ]

یہ دونوں حصے ہمارے تعلیمی منظر نامے کی صورت حال کا حقیقی بیانیہ ہیں۔ طنزیہ سیاق عام طور پر مزاحیہ معنی کی تشکیل میں غلو بلکہ اغراق سے استفادہ کرتا ہے۔ لیکن خوبی تو یہ ہے کہ مصنف نے جس مسئلے کو یہاں نشان زد کیا ہے اس میں انھیں مبالغے کی سہارے کی ضرورت پیش نہیں آئی ہے۔ بلکہ اس محکمے کی تصویر ہی اتنی بھونڈی بن چکی ہے کہ اسے حقیقی صورت حال میں پیش کرنے کے باوجود قاری اس کی ناہمواری پر قہقہہ لگانے کے لیے تیار کھڑا نظر آتا ہے۔ اس کی مزید تصدیق کے لیے دوسری نظم کا ایک متن ملاحظہ ہو:

'آپ کی تعلیم؟' 'بی اے پاس ہوں عالی جناب!'
'کمبی نیشن؟' ہسٹری، اردو ادب، علم الحساب!'
'ہسٹری؟' اچھا تو یہ کہیے اشوکا کون تھا؟'
'پاٹلی پترا کے شاہنشاہ، اکبر کا چچا!'
'میرزا غالب کے بارے میں بھی ہیں کچھ جانتے؟'
'کیوں نہیں؟' ہم شاعر اعظم ہیں ان کو مانتے'
'ذوق کے شاگرد ہیں ہم عصر میر و شاد ہیں
شاہ نامے کے مصنف ہیں، جگت استاد ہیں'
شکریہ! حاضر جوابی آپ کی ہے بے نظیر
آپ آگے چل کے بن سکتے ہیں اک اچھے وزیر

[انٹرویو]

یہاں میں نے بہ طور مثال چند اشعار پر اکتفا کیا ہے۔ ان کے مفہوم پر غور کریں۔ لمحۂ فکریہ ہے ہمارے لیے کہ آج کا طالب علم، حصول علم کے علاوہ دوسرے جملہ اعمال و افعال میں پیش پیش ہے۔ اس کے پاس اگر کچھ نہیں ہے تو صرف علم۔ یہاں نقوی واہی نے جس طرح کے طالب کی تصویر کشی کی ہے ایسا نہیں کہ یہ تمام تر ان کی ذہنی اور تخیلاتی تخلیق ہے۔ بلکہ معاشرے میں جو لوگ اس پیشے سے منسلک ہے ان کا سابقہ ایسے طالب علموں سے اکثر و بیشتر پڑتا ہے۔

رضا نقوی نے ادب و فن کو بھی اپنے طنز کا موضوع بنایا ہے۔ انھوں نے اس حوالے سے جو نظمیں کہی ہیں ان کے موضوعات جداگانہ ہیں۔ شعرستان کے عنوان سے جو نظمیں کہی گئی ہیں ان کا تعلق بیشتر ادبی اور تخلیقی موضوعات و مسائل سے ہے۔ اس میں شاعروں کے لیے ایک ہوم لینڈ کی تحریک کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی منظوری اور تشکیل کے بعد کا منظر نامہ یوں پیش کرتے ہیں:

اٹھ گئی جب ملک سے اشعار سازوں کی برات
کچھ غذائی مشکلوں سے قوم نے پائی نجات
دفعتاً بے روز گاری کی وبا بھی کم ہوئی
زور شورش کا گھٹا سرکار مستحکم ہوئی

[تشکیل شعرستان کے بعد]

یہ صورت حال تو صرف شاعروں کے تعلق سے ہے۔ نقد و ناقدین کی حالت بھی خراب تھی:

ناقدان شعر کو سب سے بڑا دھکا لگا
گر پڑے سب منھ کے بل ایسا کڑا دھکا لگا
شاعروں کے دم سے تھا وابستہ ان کا روزگار
ساری عزت، ساری شہرت کا ان ہی پر تھا مدار
ان کے قائم کردہ و خود ساختہ معیار پر
جو نہ اترا فٹ، چڑھایا اس کو فوراً دار پر
چیر پھاڑ اشعار کی کرتے تھے ناقد اس طرح
بھیڑ بکروں سے نپٹتا ہے قصائی جس طرح

[تشکیل شعرستان کے بعد]

رضا نقوی واہی تنقید پیشہ افراد سے بہت دل برداشتہ ہیں۔ انھوں نے اس نظم کے علاوہ بھی مختلف عناوین کے تحت اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں۔ 'نقاد' کے عنوان سے چند اشعار دیکھیے:

ان سے ملیے آپ ہیں جوہر شناس نقد فن
کانپتی ہے دبدبے سے آپ کے روح سخن
جب کہ قسمت بٹ رہی تھی عالم ارواح میں
آپ کو رکھا گیا تھا زمرۂ جراح میں
آپ کو اہل قلم سے اک کدورت ہو گئی
نظم ہو یا نثر دونوں ہی سے نفرت ہو گئی
آپ کا قبضہ ہوا تنقید کے میدان پر
اک مصیبت آ گئی شعر و ادب کی جان پر

یہ دونوں نظمیں تنقید کے تعلق سے ان کے رویے کو بیان کرتی ہیں۔ دراصل مزاحیہ ادب کی تنقید نہ ہونے کی وجہ سے انھیں خاصی تکلیف ہے۔ ہاں بعض جگہ یہ شکایت اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ اس میں بھونڈا پن در آتا ہے۔ تنقید اگر کسی فن پارے کو توجہ سے نہیں دیکھتی تو یہ ناقد کی خامی ہے نہ کہ بہ ذات خود تنقید کا فلسفہ ہی شہر بدری کے لائق ہے۔

رضا نقوی پیروڈی نگاری اور تضمین کے باب میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ ان کی نظم 'غالب اور اردو صدی' مختصر ہونے کے باوجود اپنے ہدف میں کامیاب نظر آتی ہے:

''اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے''
یعنی اردوے معلیٰ کا مآل اچھا ہے
بات کڑوی سہی، لیکن ہمیں کہنے دیجے
''دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے''
جشن غالب نے جو بخشی ہے ذرا سی رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

[غالب اور اردو صدی]

یہ چھ مصرعوں پر مشتمل نظم ہے جس میں غالب کے تین مصرعوں کو تخلیقی انداز میں پرویا گیا ہے۔

رضا نقوی واہی کے شعری اسلوب نے آزادی کے بعد مزاحیہ ادب کو نئی تازگی عطا کی ہے۔ انھوں نے جس کمال ہوشیاری اور فنی پختگی کے ساتھ اپنے خیالات کو شعری پیکر عطا کیے ہیں وہ بہت سوں کے لیے نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن بھی ہیں۔ اس لیے رضا نقوی کا نام ادب کے سنجیدہ خدمت گار کی حیثیت سے لیا جاتا رہے گا۔ ان کا شعری متن ہر دور میں کسی بھی تنقیدی رویے سے آنکھ ملانے کا حوصلہ رکھتا ہے۔

■

Mr. Jabir Zaman, 246-Sutlej Hostel J.N.U.
New Delhi-110067
Email: jabirzama@gmail.com

واہی اور ضیاء الحق قاسمی کی منظوم خط وکتابت

طنز ومزاح کے بلند قد شاعر رضا نقوی واہی کی پیدائش سرکاری ریکارڈ کے حساب سے یکم فروری 1915 میں ہوئی۔ ان کا انتقال 5 جنوری 2002 کو ہوا۔ اس طرح 2015 ان کی پیدائش کی صدی ہے۔

رضا نقوی واہی کے والد مولوی سید ظہور حسین زمیندار تھے۔ وطن موضع کھجوا، ضلع سیوان ہے۔

واہی صاحب نے کالجیٹ اسکول، پٹنہ سے 1930 میں میٹرک اور پٹنہ کالج سے انٹرمیڈیٹ 1932 میں پاس کرنے کے بعد صوفی کمرشیل کالج، کلکتہ سے کامرس کا ڈپلومہ 1933 میں حاصل کیا۔ 1937 میں وہ ملازمت میں آگئے۔ 1938 میں ان کی شادی ہوئی اور بہار لیجسلیٹو کونسل پٹنہ سے 1972 میں ریٹائر ہوئے۔

رضا نقوی واہی نے شعر گوئی 1932 میں شروع کی۔ 1948 تک سنجیدہ شاعری کرتے رہے۔ اس کے بعد طنزیہ و مزاحیہ شاعری کرنے لگے۔ ان کی کتابوں کے نام اس طرح ہیں:

واہیات (1950)، طنز وتبسم (1963)، نشتر ومرہم (1968)، کلامِ نرم ونازک (1972)، نام بنام (1974)، متاعِ واہی (1977)، شعرستانِ واہی (1983)، منظوماتِ واہی (1992)، ترکشِ واہی (1995)۔

واہی صاحب سے میرے مراسم بہت اچھے رہے۔ وہ میری باتوں کو اہمیت دیتے تھے اور درجنوں بار کی ملاقات میں بہت سے ادبی اور ذاتی مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ ان کا مجموعہ 'کلامِ نرم ونازک' میں نے ہی ایڈٹ کیا تھا اور نسیم بک ڈپو لکھنؤ سے شائع کرایا تھا جس کے دو ایڈیشن چھپے اور یوپی اردو اکادمی سے مجھے انعام بھی ملا۔ یہ رقم واہی صاحب نے خود نہیں لی بلکہ اصرار کرکے میرے حوالے کیا تھا۔ میرے رسالے 'کوہسار جرنل' کے لیے وہ اکثر لکھا کرتے تھے۔ 1991 میں انھوں نے مجھے جو خط لکھا اور اپنے اور ضیاء الحق قاسمی کے منظوم خطوط بھیجے وہ مواد فائل میں دبا رہ گیا۔ اُن دنوں میرا رسالہ تعطل کا شکار تھا۔ یہ خطوط آج تک غیر مطبوعہ ہیں۔ 'اردو دنیا' کے قارئین تک پہنچا رہا ہوں تاکہ بڑا حلقہ پڑھ سکے اور محظوظ ہو سکے۔ پہلے واہی صاحب کا خط ملاحظہ کیجیے:

رضا نقوی واہی

Raza Naqvi 'Wahi'

5/16, Gardanibagh, Patna - 800001

عزیزی — بہت دنوں سے تمھاری خیریت نہیں معلوم ہوئی۔ امید ہے، ہر طرح اچھے ہوگے۔ آج کل میں سخت بیماری کے دور سے گزر رہا ہوں۔ ایک ماہ سے زائد ہوتا ہے کہ یرقان میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے بعد ڈائریا کا حملہ ہوا۔ افاقہ ہونے لگا تو سردی زکام اور تیز بخار نے آ دبوچا۔ آخر میں زبردست خونی پیچش نے شب خون مارا۔ تین شب وروز بڑے critical گزرے۔ لیکن اللہ نے فضل کیا، جان بچ گئی۔ بہت کمزور ہو گیا ہوں۔

بہرحال، گزشتہ مارچ میں ضیاء الحق قاسمی، مدیر 'ظرافت' کراچی نے 'ظرافت' کے کئی شمارے بھیجے تھے جن میں ضمیر جعفری نمبر، دلاور فگار نمبر اور مجید لاہوری نمبر بھی تھے۔ ظرافت کے ادارے کی جانب سے سمندر کے ساحل پر ایک تقریب منعقد کی گئی تھی جس میں ضمیر جعفری کو بابائے ظرافت اور دلاور فگار کو شہنشاہ ظرافت کا خطاب دیا گیا۔ دونوں حضرات کو دستار اور قبا سے نوازا گیا۔ تقریب کی تصویریں بھی خصوصی شماروں میں شائع ہوئیں۔ دلاور فگار کی تصویر دیکھ کر مجھے بہادر شاہ ظفر کی روایتی پوشاک یاد آگئی جو رنگون جاتے وقت وہ پہنے ہوئے تھے۔ گمان گزرا کہ رنگون جیل خانے کے آرکائیوز سے آخری شہنشاہ ہند کی دستار وقبا کسی طرح حاصل کرکے، شہنشاہِ ظرافت کو پہنائی گئی ہے، ان خصوصی شماروں کے ساتھ مدیر ظرافت نے ایک منظوم خط بھی بھیجا تھا۔ اس کا منظوم جواب میں نے 10 اپریل کو ضیاء الحق قاسمی کو بھیجا۔ لیکن شاید وہ خط انھیں نہیں ملا۔ کئی ماہ انتظار کرنے کے بعد میں نے دوسرا منظوم خط 8 اگست 1991 کو انھیں لکھا، جس کا جواب انھوں نے دیا۔ کل خطوط کی نقل بھیج رہا ہوں۔ موقع ملے تو 'کہسار' میں شائع کرو۔

میں نے سیکڑوں کی تعداد میں منظوم خطوط احباب کو لکھے ہیں، جن سے تم باخبر ہو۔ ان خطوط میں بے ساختہ پن کے ساتھ ساتھ ظرافت کی چاشنی بھی ہوتی ہے۔ ایسے خطوط

دلاور فگار کی تصویر دیکھ کر مجھے بہادر شاہ ظفر کی روایتی پوشاک یاد آگئی جو رنگون جاتے وقت وہ پہنے ہوئے تھے۔ گمان گزرا کہ رنگون جیل خانے کے آرکائیوز سے آخری شہنشاہ ہند کی دستار و قبا کسی طرح حاصل کرکے، شہنشاہ ظرافت کو پہنائی گئی ہے، ان خصوصی شماروں کے ساتھ مدیرظرافت نے ایک منظوم خط بھی بھیجا تھا۔ اس کا منظوم جواب میں نے 10 اپریل کو ضیاء الحق قاسمی کو بھیجا۔ لیکن شاید وہ خط انہیں نہیں ملا۔ کئی ماہ انتظار کرنے کے بعد میں نے دوسرا منظوم خط 8 اگست 1991 کو انہیں لکھا، جس کا جواب انہوں نے دیا۔ کل خطوط کی نقل بھیج رہا ہوں۔ موقع ملے تو 'کہسار' میں شائع کرو۔

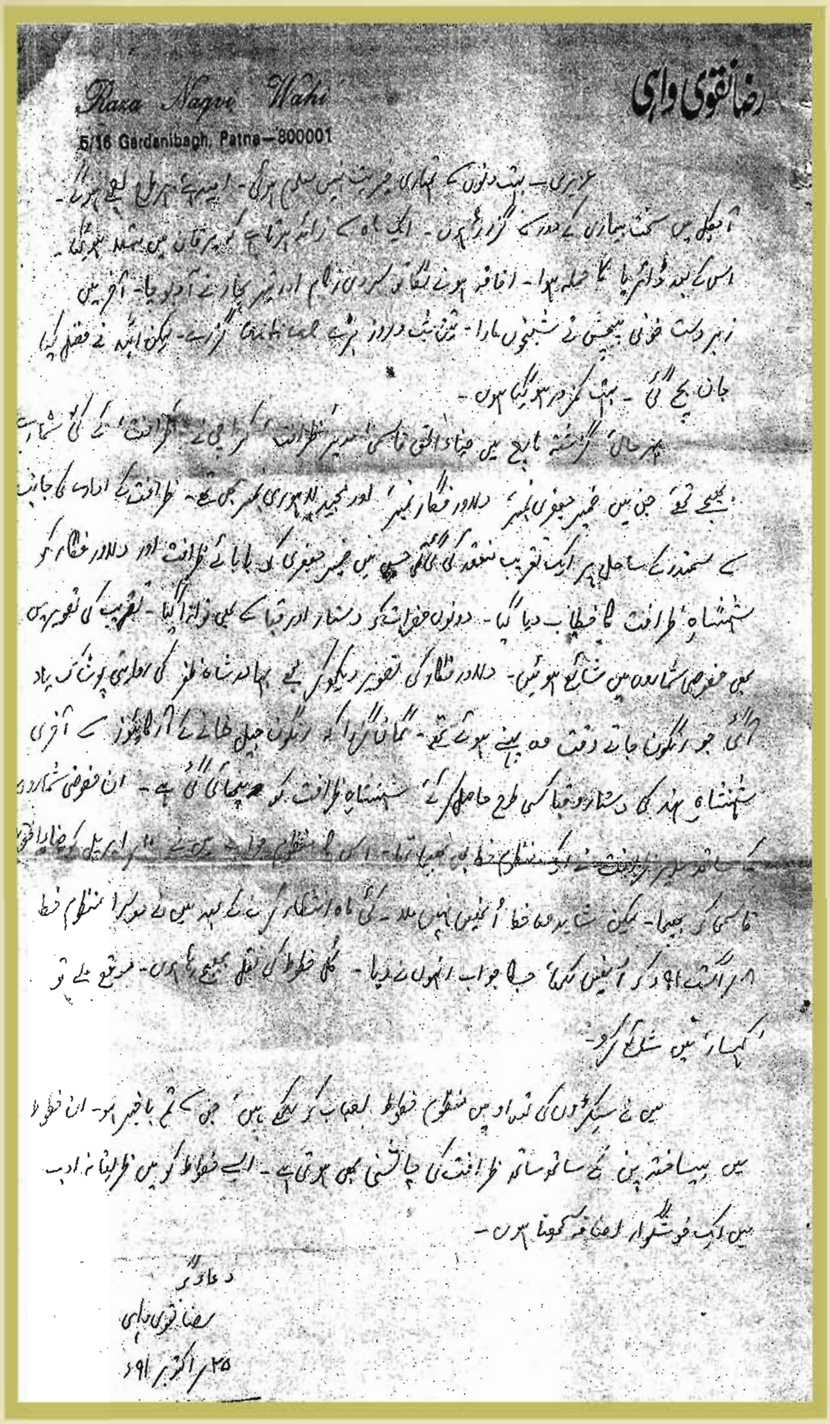
رضا نقوی واہی
Raza Naqvi Wahi
5/16 Gardanibagh, Patna—800001

دعا گو
رضا نقوی واہی
۲۵/ اکتوبر ۱۹۹۱

کو میں ظریفانہ ادب میں ایک خوشگوار اضافہ سمجھتا ہوں۔
دعا گو: رضا نقوی واہی 25
اکتوبر 1991

رضا نقوی واہی کے نام مدیر ماہنامہ 'ظرافت' کراچی کا خط

مورخہ 27 مارچ 1991

آپ کا مکتوب میرے نام مجھ کو مل گیا
اور میرا غنچۂ دل دیکھتے ہی کھل گیا
ذکر میں نے آپ کے خط کا دلاور [1] سے کیا
جو شہنشاہِ ظرافت ہے ہمارے عہد کا
خوش ہوا سُن کر مزاح و طنز کا یکتا امام
آپ کو لکھوا رہا ہے وہ محبت کا سلام
آپ کو راغب [2] نے بھیجا ہے پیام تہنیت
میرے دل میں جاگزیں ہے، جس کی قدر و منزلت
آپ کے خط کو میں شائع کر رہا ہوں، من و عن
سب کے سب محظوظ ہوں گے اہلِ علم و شعر و فن
آپ نے بھیجے ہیں مجھ کو شاہپارے جس قدر
میں 'ظرافت' میں کروں گا ان کو شائع سربسر
آپ کے مرنے کی مجھ سے جو خبر شائع ہوئی
میں یہ کیسے سوچ لوں کہ وہ خبر ضائع ہوئی
اس بہانے آپ سے اک رابطہ قائم ہوا
پھر ہمارے درمیاں اک سلسلہ دائم ہوا
مجھ کو یارانِ دکن نے یہ سنائی تھی خبر
میں اسے شائع نہ کرتا مجھ کو ہوتا شک اگر
میں کراچی میں ملوں گا آپ کے احباب سے
جو یہ خبریں سُن کے اب رہنے لگے بیتاب سے
حق تعالیٰ آپ کو زندہ رکھے سو سال تک
شہرتیں قائم رہیں افلاک سے پاتال تک

1 دلاور فگار 2 راغب مرادآبادی

رضا نقوی واہی کا خط بنام مدیر 'ظرافت' کراچی

10 اپریل 1991

'ظرافت' کے مدیرِ محترم بھائی ضیا صاحب
خطِ منظوم پہنچا، شکریہ، صد شکریہ صاحب
مجید [1] خوش قلم کی یاد کو تازہ کیا جس نے
خصوصی وہ شمارہ بھی 'ظرافت' کا ملا صاحب
سمندر کو کھنگالا اور امرت جل نکالا ہی
سلیقے سے کیا ہے انتخاب اشعار کا صاحب
دلاور اور ضمیر جعفری پر خاص نمبر بھی
اسی حسنِ ادارت کا کرشمہ ہے ضیاء صاحب
شاہنشاہِ ظرافت اور بابائے ظرافت نے
بہت کچھ اپنی جھولی سے ظرافت کو دیا صاحب
شہنشاہِ ظرافت کی جو تصویریں ہیں پرچے میں
وہ ان کی فارغ البالی کا دیتی ہیں پتا صاحب
ہوا اس سے یہ اندازہ کہ گھر میں امن قائم ہے
شہنشاہی کا رعب آنگن میں پڑ کر ہی رہا صاحب
بہادر شاہ سے ملتے ہیں کس درجہ شباہت میں
وہی سج دھج ہے پگڑی کی، وہی شانِ قبا صاحب
ملی ہوگی یہ شے رنگون کے جیل آرکائیو سے
حصول ان کا تو مشکل سے ہوا ہوگا ضیاء صاحب
مگر ان کو نہ جانے عشق افریقہ سے کیسا ہے
سنا ہے، جانے والے ہیں وہ اب کے لیبیا صاحب
خدا را حضرتِ راغب سے کہیے، ان کو سمجھائیں
ہوس میں شعر خوانی کی نہ ہوں یوں مبتلا صاحب

گئے صومالیہ جب، گھر کا زیور، رہن کر بیٹھے
خدا حافظ ہے اب ان کے اثاث البیت کا صاحب
وہاں کرنل قذافی نے کرایہ گر نہ دلوایا
تو گھر آنے کا نکلے گا کدھر سے راستا صاحب
سلامِ شوق میرا کہیے راغب اور دلاور سے
ظرافت کا وقار ایسے ہی یاروں سے بڑھا صاحب
نہیں برجستہ گوئی میں کوئی راغب کی قامت کا
دماغ ان کا ہے کمپیوٹر کا بھی گویا چچا صاحب
مزائل داغتے ہیں برمحل شعروں کی محفل میں
مجھے مدراس میں اس کا ہوا تھا تجربا صاحب
بہت دن پر طبیعت آج موزوں ہوگئی میری
کرم ہے آپ کے اس نامۂ منظوم کا صاحب

1. مجید لاہوری

ایضاً

29 اگست 1991

اے بھائی ضیاء مہتمم 'بزمِ ظرافت'
کیوں بند کئی ماہ سے ہے خط و کتابت
بھیجا تھا مجھے آپ نے جو نامۂ منظوم
فوراً ہی جواب اس کا دیا تھا مرے حضرت
کیا اُس خطِ منظوم میں تھی بات کچھ ایسی
جس سے کہ مکدّر ہوئی حضرت کی طبیعت
یہ بات اگر ہو تو معافی کا ہوں طالب
اب بخش بھی دیجے مجھے ازراہِ عنایت
امید ہے، ہر طرح سے ہوں گے خوش و خرم
دستار و قبا والے، شہنشاہِ ظرافت
صومالیہ میں جاکے وہ گاڑ آئے ہیں جھنڈا
اب اور ہے کس ملک کو سر کرنے کی حسرت
بہتر ہے کہ اسٹالن و لینن کے وطن میں
جائیں لیے راغب کو پئے سیر و سیاحت
وہ لوگ بہت دن سے جو منہ بند پڑے تھے
حالات نے بخشی انھیں آزادی کی دولت
پژمردہ دلی روس کے لوگوں کی مٹائیں
ترسے ہوئے لب کو ہے تبسم کی ضرورت
مدت سے 'ظرافت' کا شمارہ نہیں آیا
ہڑتال پہ کیا چل دیے اصحابِ کتابت
یا ڈاک کی بدنظمی ہوئی راہ میں حائل
کیا بات ہے کیوں رک گئی پرچے کی اشاعت
آبِ گم [1] و حاکم بدہن [2] اور کتب دو
اک دوست نے بھجوائی ہیں ازراہِ عنایت
معراج پہ فن، یوسفی صاحب کا ہے ان میں
پڑھ کر، بڑھی کچھ اور، مصنف سے عقیدت
بجلی سی چمک جاتی ہے لفظوں کی گھٹا میں
اللہ رے رعنائی افکار و عبارت
بابائے ظرافت ہیں کہاں، اور ہیں کیسے
اللہ رکھے ان کو بہر طور سلامت
آداب و سلام آپ کہیں، میری طرف سے
مل جائیں اگر خامہ بگوش آپ کو حضرت
دیکھا نہیں تکبیر کا کوئی بھی شمارہ
مدت سے مگر اس کے ہیں دیدار کی حسرت
مشفق بھی ہیں خواجہ بھی ہیں اور دل کے غنی بھی
پھر کیوں ہے پرستار سے اپنے یہ بخالت

1,2. مشتاق یوسفی

مدیرِ ظرافت کا خط رضا نقوی واہی کے نام

19 ستمبر 1991

مکتوب مجھے کل ہی ملا آپ کا حضرت
یہ ڈاکیے صاحب کی ہے لاریب شرافت
ناچیز کو یاد آپ نے دوبار کیا ہے
نظروں میں مری اور بڑھی آپ کی وقعت
میں نے جو جواب آپ کے خط کا نہیں لکھا
ہے آپ کو مجھ سے تو یہی ایک شکایت
بے وجہ اٹھانا پڑی حضرت کو جو زحمت
اس بندۂ ناچیز کو ہے اس پہ ندامت
میں منتظر لطف و کرم رہتا ہوں ہر دم
دروازے کو تکتی ہے سماعت و بصارت
خط آپ کے مل جائیں، یہی ہے مری خواہش

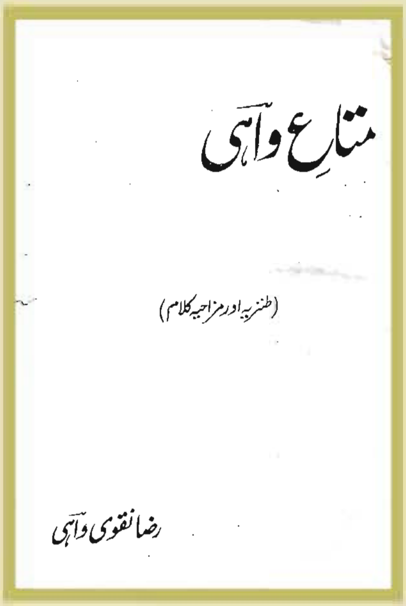

اعصاب سے اور ذہن سے ڈھل جائے یبوست
خط آپ کے ہوتے ہیں نہایت ہی مرصّع
ملتی ہے مرے قلب کو ان سے ہی لطافت
میں نے تو جواب آپ کو لکھا تھا اسی روز
مل ہی نہ سکا آپ کو، ہے شومیِ قسمت
خود پوسٹ کیا کرتا ہوں احباب کو سب خط
وہ کیوں نہ ملا آپ کو ہے مجھ کو بھی حیرت
میں نے بھی کرائی ہے ابھی انجو گرافی
کہتے ہیں اطبا کہ یہ ہے دل کی علالت
کچھ تار مرے دل کے ہیں کچھ عرصے سے جامد
کہتے ہیں یہ سرجن ہے، بائی پاس، کی حاجت
چھیڑیں نہ ابھی تار مرے دل کے مسیحا
کیا کرلے گی مضراب کی اک جنبش و ضربت
وہ ساز ہی کیا جس کو ہو مضراب کی علت
جو بجتے ہیں خود ان کی ہے بازار میں قیمت
اس دل کو اسی حال میں اب چھوڑ دیا ہے
اب دیکھیں گے کیسے یہ نبھاتا ہے رفاقت
بھیجے تھے ظرافت کے خصوصی جو شمارے
انشا و مجید ان میں تھے دو صاحبِ شہرت
وہ دونوں شمارے بھی ہوئے خلدِ نظر کیا
مکتوب گرامی میں نہیں اس کی صراحت
ارسال میں کردوں گا کتاب اپنی بہت جلد
نام اس کا 'ضیا پاشیاں' ہے زیرِ طباعت
کالم جو مرے چھپتے ہیں اخبار میں ڈیلی
یکجا کیا ہے ان کو کہ ہوجائے اشاعت
راغب بھی ہیں خوش اور دلاور بھی ہیں خوش حال
اچھی ہے بہت اچھی ہے ان دونوں کی صحت
مشفق کہ جو خواجہ ہیں، نہیں خامہ بگوش اب
'تکبیر' نے دے رکھی ہے شاید انھیں فرصت
بابائے ظرافت بھی ہیں خوش حال و تنومند
یورپ وہ گئے پچھلے دنوں بہر سیاحت
اب میری طبیعت بھی ہے پہلے سے تو بہتر
پھر لکھنے لکھانے کی ہوئی ہے مجھے رغبت
پٹنہ بھی میں آؤں گا اگر زندہ رہا میں
کرنی ہے مجھے آپ کی اک بار زیارت

مندرجہ بالا خط و کتابت سے دونوں کی شخصیت پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ آرائش فن سے مزین ایسے منظوم خطوط اساتذہ ہی لکھ سکتے ہیں۔

(بشکریہ: مناظر عاشق ہرگانوی)

انتخاب کلام رضا نقوی واہی

نقاد

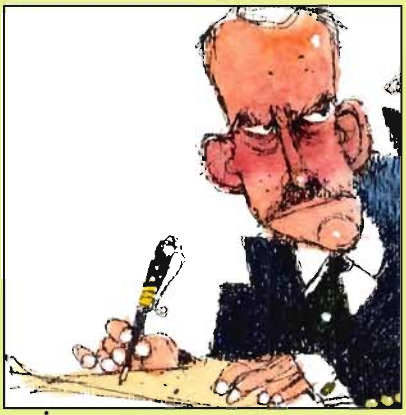

ان سے ملیے آپ ہیں جوہر شناسِ نقدِ فن
کانپتی ہے دبدبے سے آپ کے روحِ سخن
جب کہ قسمت بٹ رہی تھی عالمِ ارواح میں
آپ کو رکھا گیا تھا زمرۂ جراح میں
آکے دنیا میں مگر تھوڑی سی تبدیلی ہوئی
آپ کی گردن کی رسّی اک ذرا ڈھیلی ہوئی
آپ کو تعلیم کا ماحول دنیا میں ملا
ذہن کا سانچہ مگر جیسا تھا ویسا ہی رہا
نوجوانی میں ہوا کچھ شعر کہنے کا خیال
طبعِ ناموزوں نے لیکن کردیا دل کو نڈھال
پھر خیال آیا کہ افسانہ نگاری کیجیے
صاحبانِ علم پر یوں رعب طاری کیجیے
آپ نے یکجا کیا کچھ منتشر افکار کو
اک کہانی لکھ کے بھیجی ہفتہ وار اخبار کو
گو ایڈیٹر سے بہت تھا دوستانہ آپ کا
نذرِ آتش کردیا اس نے فسانہ آپ کا
ہوگئے یوں بند جب شہرت کے دروازے تمام
جاگ اٹھا پھر تو کروٹ لے کے جوشِ انتقام
مشتعل جذبات سے دل میں شرر پیدا ہوا
بوم کے سینے میں شاہیں کا جگر پیدا ہوا
لکھتے لکھتے نکتہ چینی کا طریقہ آگیا
پنجۂ شل کو جھپٹنے کا سلیقہ آگیا
آپ کو اہلِ قلم سے اک کدورت ہوگئی
نظم ہو یا نثر دونوں ہی سے نفرت ہوگئی
آپ کا قبضہ ہوا تنقید کے میدان پر
اک مصیبت آگئی شعر و ادب کی جان پر
خامۂ خونخوار نے اک حشر برپا کردیا
جو بھی زد میں آگیا اس کا صفایا کردیا
جس سے بگڑے اس کی مٹی آپ نے کردی پلید
ہوگئے خوش جس سے دے دی اس کو شہرت کی کلید
آپ نے زاغِ سخن کو بلبلِ گلشن کہا
آپ نے تک بند شاعر کو امامِ فن کہا
ایک ہُلّڑ کردیا برپا مذاقِ خام نے
شیخ کی پگڑی اچھالی مغبچوں کے سامنے
مشغلہ دن رات کا ہے، ان پہ نشتر، ان پہ طنز
میرزا غالب کے منہ آئے، کیا مومن پہ طنز
آئے جب علم بیاں کی معنوی تفصیل میں
صنعت ایہام کی دُم باندھ دی تعلیل میں
استعارے کو دھڑلّے سے کنایہ لکھ گئے
جوش میں تنقید کے ظلمت کو سایہ لکھ گئے
الغرض جو جی میں آیا لکھ کے شائع کردیا
وقت اپنے ساتھ اوروں کا بھی ضائع کردیا

مُلّا

مُلّا کو اگر آپ کبھی ڈھونڈنا چاہیں
وہ پچھلے پہر نفخ کی حالت میں ملے گا

اور صبح کو وہ بندۂ مجبور مراسم
سکڑا ہوا محراب عبادت میں ملے گا
بعد اس کے وہ ہوٹل میں خدا دین میاں کے
ناسازیِ معدہ کی شکایت میں ملے گا
اور ظہر کے کچھ بعد وہ لکھتا ہوا تعویذ
عوراتِ محلّہ کی رفاقت میں ملے گا
اور شام کو جنّات کی مسجد میں کنویں پر
تسخیر اجنّہ کی ریاضت میں ملے گا
اور محفلِ میلاد ہو یا بزمِ عروسی
ہر رات وہ بریانی کی دعوت میں ملے گا

ایڈیٹر

اور آپ ایڈیٹر کو اگر ڈھونڈنا چاہیں
وہ پچھلے پہر خانۂ عزلت میں ملے گا
اور صبح کو وہ شہر کا مشہور صحافی
اخبار فروشوں کی جماعت میں ملے گا
اور دن کو وہ بیڑی کا دھواں منہ سے اڑاتا
مصروف مضامیں کی ادارت میں ملے گا
اور شام کو کاتب جو رہے گا کبھی غائب
بیچارہ جُٹا شغل کتابت میں ملے گا
اور رات کو پتھر پہ جو جم جائے گی کاپی
تا دیر پریس مین کی خدمت میں ملے گا

لیڈر

لیڈر کو اگر آپ کبھی ڈھونڈنا چاہیں
وہ پچھلے پہر حجرۂ دلبر میں ملے گا
اور صبح کو وہ بندۂ اغراض و مقاصد
سر خم کیے دربارِ منسٹر میں ملے گا
اور دن کو وہ جنتا کی چراگاہ کا بھینسا
چرتا ہوا پرمٹ کسی دفتر میں ملے گا
اور شام کو احباب کے پیسوں کی بدولت
ہوٹل میں کہیں یا کسی پکچر میں ملے گا
اور رات کو ہاتھوں میں لیے بھات کی تھالی
بیوی سے جھگڑتا ہوا وہ گھر میں ملے گا

ٹیڈی کفن

اِک ٹرک کی تیزی رفتار کا مارا ہوا
شہر کا اک نوجواں اللہ کو پیارا ہوا
لاش کی تدفین کا ہونے لگا جب انتظام
آئے نگرانی کو مسجد سے محلّے کے امام
تھی ضرورت بہرِ غسل و دفن جس جس چیز کی
حسبِ حکمِ شرع اک اک کرکے منگوائی گئی
بیس گز لٹھا جونہی لایا گیا بہرِ کفن
خانۂ غم میں ہوئی ہلچل سی پیدا دفعتاً
تھے وہیں موجود اکثر دوست بھی مرحوم کے
یک بیک اٹھے وہ اپنی کرسیوں سے جھوم کے
غیظ میں بپھرے ہوئے، چیں بر جبیں، کف در دہاں
جیسے ان کی آن پر چوٹ آ گئی ہو ناگہاں
کرکے مجمع کو مخاطب یوں شرر افشاں ہوئے
صاحبو! توہینِ میت کے یہ کیوں ساماں ہوئے
مرنے والا جو رہا تاعمر اک ٹیڈی بوائے
بعد مردن اس کی یوں تضحیک ہو، اب ہائے ہائے
ڈیڑھ گز میں سوٹ سلواتا رہا جو عمر بھر
بیس گز کا یہ کفن ہے طنز اس کی موت پر
ہم نہیں تیار ہرگز اس تماشے کے لیے
پانچ گز کپڑا بہت کافی تھا لاشے کے لیے
لفٹ رائٹ کرتے پھر سب واک آؤٹ کر گئے
خانۂ غم سے نکل کر جانب پکچر گئے

تبصرہ نگاری

وہ جو ہوٹل میں چکھ رہے ہیں کباب
سامنے رکھ کے اک دبیز کتاب
آیئے میں بتاؤں کیا ہیں آپ
ماہرِ فن تبصرہ ہیں آپ
ایک گھنٹہ میں دس کتابوں پر
آپ لکھتے ہیں تبصرے فرفر
ادب و فلسفہ و علم کلام
سارے موضوع آپ کے ہیں غلام
لاکھ موٹی سہی کتاب مگر
سرورق دیکھتے ہی ایک نظر
آپ کا خامۂ گہر افشاں
ہونے لگتا ہے دفعتاً جولاں
بلکہ اکثر ہوا ہے ایسا بھی
بو کتابوں کی دور سے سونگھی
اور جھٹ سے سنبھال کر خامہ
فکر کو فن کا دے دیا جامہ
یہ بھی مشہور ہے کہ آپ کا فن
ان کتابوں پہ بھی ہے خامہ زن
طبع ہونے کی بات دور رہی،
بطنِ فنکار میں جو گم ہیں ابھی
میں نے اک روز ان سے یہ پوچھا
میرے حضرت بتایئے تو ذرا
آپ ہر قسم کی کتابوں پر
لکھتے رہتے ہیں تبصرہ کیوں کر
وقت اتنا کہاں سے لاتے ہیں
جوہرِ فن جو یوں دکھاتے ہیں
کرتے ہیں کب مطالعہ حضرت
کیسے ملتی ہے اس قدر فرصت
ہنس کے بولے مطالعہ کیسا؟
پڑھ کے لکھا تو تبصرہ کیسا؟
فنِ تجرید کا یہ فیضان ہے
کارِ مشکل جو سہل و آساں ہے
زور ابہام کا بڑھا جب سے
میرے فن کو ملی جِلا تب سے
اب تو ہر آرٹ کا ہے یہ دستور
بات جس درجہ بھی ہو فہم سے دور
ہوگی مقبولِ خاص و عام وہی
سر دھنیں گے اسی پہ آپ سبھی
کسی موضوع پر ہو کوئی کتاب
نظم ہو نثر ہو کہ علم حساب
تبصرہ کے لیے جب آتی ہے
میری تخئیل رنگ لاتی ہے
فنِ تجرید کا دکھا کے کمال
مبہم الفاظ کا بچھا کر جال
کچھ خیالات، مثبت و منفی
کچھ اشارات، منجلی و خفی
مغربی ناقدوں کے کچھ فقرے
چند اقوال سر براہوں کے
کچھ اِدھر کچھ اُدھر سے لیتا ہوں
اور مضموں گھسیٹ دیتا ہوں
اصل میں تبصرہ نگاری کا
فن بھی اک کھیل ہے مداری کا
تھی ابھی ان سے گفتگو جاری
اور مجھ پر تھی محویت طاری
اتنے میں سامنے سے اک لڑکا
گنگناتا ہوا یہ شعر گیا
نہ محقق بود نہ دانش مند
چار پائے بروکتا بے چند

جدید تعلیمی منظرنامہ اور فکر اقبال کی معنویت

تبسم نقی

علامہ اقبال کے فکر و فلسفے کی تشریحات کے حوالے سے اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے اور اس قدر کثیر تعداد میں کتابیں، رسائل، مضامین و مقالات شائع ہو چکے ہیں کہ بظاہر ان میں کسی اضافے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی پھر بھی کئی گوشے ایسے ہیں جن کی جانب توجہ مبذول کرنے کی گنجائش بہرحال موجود ہے۔ اس مقالے میں ایک نسبتاً پوشیدہ پہلو کی افادیت اور اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ پہلو ہے اقبال کے فلسفۂ خودی کے بنیادی عنصر پر توجہ کرنا یعنی فرد کی انفرادیت کو کس طرح تعلیمی عمل کے ذریعے ترقی دی جا سکتی ہے اس پر اقبال کی فکر کے تحت روشنی ڈالنا۔

تعلیم ہمارے عہد کا وہ مسئلہ ہے جو گزشتہ ایک صدی سے حل طلب ہے اور یہ بحیثیت قوم ہماری ترقی و تعمیر کی راہ میں حائل بڑی رکاوٹون میں سے ایک ہے اور اس رکاوٹ کی اہم وجہ یہ کہ ہم نے اپنے تعلیمی اکابرین اور مشاہیر کی آرا و تجاویز کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ بیسویں صدی کی آخری دہائی میں یونیسکو نے اکیسویں صدی کے لیے بین الاقوامی تعلیمی کمیشن تشکیل دیا تھا، کمیشن کی رپورٹ میں سفارش کی گئی تھی کہ تعلیم و تدریس کی عمارت کو چار بنیادی ستونوں پر قائم کیا جائے تا کہ علم خواہش مندان خطوط پر ساری زندگی اکتساب علم کرتے رہیں۔ کمیشن کے تجویز کردہ چار بنیادی ستونوں میں پہلا ستون:

Learning to Know ہے یعنی جاننے اور معلومات حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا ہونا۔ آج کا دور سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں تیز رفتاری سے ترقی کرنے کا دور ہے۔ تمام دنیا کے اقتصادی حالات اور سماجی صورت حال تیزی سی بدل رہے ہیں۔ ان حالات میں تعلیم کے ایک وسیع تصور کی ضرورت ہے، ایسا تصور تعلیم جو زندگی بھر سیکھتے رہنے کی راہ ہموار کرے، اکتسابی عمل کو پر اثر بنائے، اور ایک ایسی مضبوط بنیاد قائم کر دے جس پر تا حیات سیکھتے رہنے کی عمارت تعمیر کی جا سکے۔

ڈیلرس رپورٹ کا دوسرا ستون Learning to do ہے، یعنی عمل کی ترغیب پیدا ہونا فرد کو ہر قسم کی صورت حال سے نبرد آزما ہونے کے لائق بنانا اور دوسروں کے ساتھ مل جل کر کام کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔ اگر طلبہ عملی تجربات کے ذریعے آموزش کریں تو وہ پائدار اور مستقل ہوتی ہے اس لیے تعلیم کے عملی پہلو پر زیادہ زور دیا جانا چاہیے۔ رپورٹ کے تیسرے ستون کو نام دیا گیا ہے Learning to live Together یعنی جملہ انسانی سرگرمیوں کو ایک عالمی برادری کے تحت انجام دینا دوسروں کے جذبات و احساسات کی پرواہ کرنا اور انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کی اہمت کو نہ صرف سمجھنا بلکہ اس کا احترام بھی کرنا۔ ہم سماج سے کٹ

کر زندگی بسر نہیں کر سکتے بلکہ ہر فرد کو تکمیل کار کے لیے دوسروں کی ضرورت پیش آتی ہے اس لیے انحصار باہمی کے تصور کو اچھی طرح سمجھنا بہت ضروری ہے۔

چوتھا اور آخری ستون lerning to Be یعنی بقائے نسل اور زندہ رہنے کا ہنر سیکھنا ہے اس کو ہم دوسرے الفاظ میں اعلی قدروں کے ساتھ زندگی گزارنا کہہ سکتے ہیں ہر فرد میں فیصلہ کرنے اور مشترکہ نصب العین کے حصول کے لیے ذاتی ذمے داری کا قوی احساس ہونا ضروری ہے۔

یہ بات بڑی حیران کن ہے کہ یونیسکو نے اکیسویں صدی کی تعلیمی ضروریات کے تحت جیکویس ڈیلر رپورٹ میں تعلیمی مقاصد کو حاصل کرنے کا جو تصور پیش کیا ہے وہ اقبال نے شاعرانہ پیغام کے ذریعے جو بچوں اور نوجوانوں دونوں کے لیے تھا تقریباً ایک صدی پہلے پیش کر دیا تھا۔

ہمارا ملک ایک بار پھر اپنے تعلیمی نظام کی تشکیل نو چاہتا ہے تا کہ عصر حاضر کے تعلیمی تقاضوں پر پورا اتر سکے اس کے لیے ہمیں اقبال کے تصور تعلیم کو اپنے ذہن میں رکھنا ہوگا کیونکہ وہ اس نظام کی عکاسی کرتا ہے جو مستقبل کی ہماری تعلیمی پالیسیوں کی بدولت وجود میں آئے گا۔ موجودہ تعلیمی نظام ایسے افراد کو پیدا کرنے میں ناکام ہے جو اس عالم کاری کے زمانے میں ایک عالمی برادری کے افراد کے طور پر نمایاں کام انجام دے سکیں۔

اقبال کے پورے فلسفۂ حیات کا عکس ان کے تعلیمی مقاصد میں نظر آتا ہے جو کی اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ وہ اپنی تعلیمی فکر میں کس قدر سنجیدہ تھے انھوں نے نہ صرف تعلیم سے متعلق اپنے خیالات پیش کیے بلکہ اس کے اطلاقی

پہلوؤں پر نہ صرف اظہار خیال کیا ہے بلکہ ان کے ساتھ عملی طور پر جڑے بھی رہے۔ ان کے معلمی کے سالوں کے قطع نظر بطور مختلف جامعات کی نصابی کمیٹیوں کا ممبر ہونا اعلی تعلیم کے امتحانات میں ممتحن کی حیثیت سے تعلیمی اداروں کا مستقل رکن ہونا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اگر وہ تعلیم کے اطلاقی پہلو پر بات کرتے ہیں تو ان کی بات کو ایک سنجیدہ شخص کے افکار کے طور پر سنا جانا چاہیے۔

اقبال کے تعلیمی مقاصد پر بات کرتے وقت ہمیں اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ وہ تجدید وتغیر کے قائل ہیں۔ اس لیے ان کی فکر میں بھی تبدیلی نظر آتی ہے وہ زمانے اور وقت کے تقاضوں کے تحت اپنے خیالات ونظریات کو جلا بخشتے رہے اس لیے تعلیم کے سلسلے میں بھی ان کے خیالات تبدیل ہوتے رہے۔ تعلیم کے سلسلے میں جو اولین نقش ہمیں نظر آتا ہے وہ ان کے مضمون بچوں کی تعلیم وتربیت میں نظر آتا ہے جو رسالہ مخزن میں 1902 میں شائع ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ میں انسانیت سے متعلق تحریکیں اپنے پورے زور پر تھیں اور ان سے اقبال بہت متاثر تھے اگر چہ یہ دوران کے معلمی کے پیشے کا ابتدائی دور تھا پھر بھی ذہنی پختگی اور فکر ونظر کی گہرائی نظر آنے لگی تھی۔

اقبال تعلیم کا پہلا نصب العین ادراک ہستی کو قرار دیتے ہیں ڈیلر رپورٹ بھی بقائے نسل اور زندہ رہنے کے ہنر کی صلاحیت کی وکالت کرتی ہے۔ اقبال کے مطابق تعلیم فرد کو یہ سکھاتی ہے کہ وہ اپنی حقیقت کو پہچانے اپنی شخصیت کو ابھارے اور اپنی صلاحیتوں کو مزید ترقی دے۔ یہ سب باتیں صرف مدرسے میں دی جانے والی تعلیم سے حاصل نہیں ہوسکتی یہ تو زندگی بھر چلنے والے آموزشی عمل سے ہی ممکن ہوسکتا ہے اس لیے وہ کہتے ہیں:

اے شیخ بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن
بنتی ہے بیاباں میں فاروقی وسلمانی

اپنے فلسفیانہ افکار کو ٹھوس بنیاد فراہم کرنے کے لیے اقبال مذہب کی نئی تعبیر پیش کرتے ہیں کیونکہ ان کے مطابق مذہب ہی ایک ایسی طاقت ہے جو مختلف اقوام کو آپس میں متحد کرسکتی ہے۔ وہ ایک عالمی معاشرتی نظام کا خاکہ کھینچتے ہیں اور اس کی تشکیل کے لیے ایک وسیع تعلیمی عمل کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ ڈیلر کی رپورٹ بھی اس کا اثبات کرتی ہے یعنی جملہ انسانی سرگرمیوں میں شریک ہونا اور دوسروں کے ساتھ تعاون کرنا۔ اقبال کے مطابق فرد کو اپنی صلاحیتوں کو ثابت کرنے لیے مشکل حالات کا سامنا کرنے سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ ان کے مطابق اس کا نصب العین اپنے کو خدا کا نائب ثابت کرنا ہونا چاہیے۔ ان تمام مقاصد کی تکمیل کے لیے سب سے پہلے اسے اس دنیا کو امن، ترقی اور خوشحالی کی جگہ بنانا ہوگا۔

''جب تک تمام دنیا کی علمی قوتیں اپنی توجہ کو محض احترامِ انسانیت کے درس پر مرکوز نہ کرلیں یہ دنیا بدستور درندوں کی بستی رہے گی۔ کیا ہم نے نہیں دیکھا کہ ہسپانیہ کے باشندے ایک نسل، ایک زبان، ایک مذہب اور ایک قوم رکھنے کے باوجود محض اقتصادی مسائل کے اختلاف پر ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں اور اپنے ہاتھوں اپنے تمدن کا نام ونشان مٹا رہے ہیں۔ اس ایک واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ قومی وحدت بھی بالکل قائم ودائم نہیں رہی۔ وحدت صرف ایک ہی محترم ہے اور وہ بنی نوع انسان کی وحدت ہے، جو رنگ ونسل اور زبان سے بالاتر ہے۔''

اپنے فلسفیانہ افکار کو ٹھوس بنیاد فراہم کرنے کے لیے اقبال مذہب کی نئی تعبیر پیش کرتے ہیں کیونکہ ان کے مطابق مذہب ہی ایک ایسی طاقت ہے جو مختلف اقوام کو آپس میں متحد کرسکتی ہے۔ وہ ایک عالمی معاشرتی نظام کا خاکہ کھینچتے ہیں اور اس کی تشکیل کے لیے ایک وسیع تعلیمی عمل کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ ڈیلر کی رپورٹ بھی اس کا اثبات کرتی ہے یعنی جملہ انسانی سرگرمیوں میں شریک ہونا اور دوسروں کے ساتھ تعاون کرنا۔ اقبال کے مطابق فرد کو اپنی صلاحیتوں کو ثابت کرنے لیے مشکل حالات کا سامنا کرنے سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

اپنے انہی خیالات کو وہ شاعرانہ پیرائے میں یوں بیان کرتے ہیں:

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزاد وطن صورت ماہی
ہے ترک وطن سنت محبوبِ الٰہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی
گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

اقبال کے تصور تعلیم کی یکسانیت اور تسلسل اس تعلیمی طریقہ کار سے پوری طرح مطابقت رکھتے ہیں جو انھوں نے تعلیمی مقاصد کے حصول کے سلسلے میں دیے ہیں۔ ان کی یہ بات قابل توصیف ہے کہ اپنے تعلیمی اغراض ومقاصد کو حاصل کرنے کے لیے وہ کسی بھی مکتبۂ فکر کے ان نکات سے فائدہ اٹھانے سے گریز نہیں کرتے جو ان تعلیمی مقاصد کے حصول میں معاون ومددگار ہوتے ہیں۔ اسی لیے خودروئی پر تحقیق اور اس کی تعلیمی اہمیت کے سلسلے میں اقبال الیگزینڈر بین اور انفرادی نشوونما کے سلسلے میں پستالوزی سے قریب تر نظر آتے ہیں۔ تعلیم کے سلسلے میں اپنی اسی مربوط طرز نظر کی وجہ سے انھیں تعلیمی نظام میں مخصوص کیا جاسکتا ہے۔ کوئی بھی نظام تعلیم چاہے جتنا اچھا ہو اگر اس کا طریقہ کار اس کے اصولوں سے مطابقت نہ رکھتا ہو تو وہ اپنے تعلیمی مقاصد کو پورا کرنے سے معذور رہتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنا ایک منفرد تعلیمی نظریہ اس سلسلے میں یہ رکھتے ہیں کہ ان تمام ذرائع کے سودمند نکات ایک دوسرے کے ساتھ منضبط کیے جائیں اور ایک مثالی نظام تعلیم وجود میں آئے۔ مثال کے طور پر وہ سائنس اور مذہب کو ملا کر اپنا ایک الگ تعلیمی طریقہ کار بنانا چاہتے ہیں تا کہ فرد ان دونوں کے اختلاط سے اپنی معلومات میں اضافہ کرسکے۔

کھلے ہیں سب کے لیے مغربیوں کے میخانے
علوم تازہ کی سرمستیاں گناہ نہیں

پھر ضرب کلیم کا یہ شعر:

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
قدرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

اقبال بڑے واضح الفاظ میں مذہبی تعلیم کو لازمی قرار دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ صرف مذہبی علوم کو پڑھانا ان کا مقصد نہیں جب تک وہ ملک کی ضروریات اور مقاصد کو پورا نہ کرے۔ اسی لیے 1933 میں افغانستان جانے سے پہلے انھوں نے یہ بیان جاری کیا تھا:

''میرا اپنا خیال یہ ہے کہ خالص دنیوی تعلیم سے اچھے نتائج پیدا نہیں ہوسکتے۔ مزید برآں کسی طریقہ تعلیم کو قطعی اور حتمی نہیں کہا جاسکتا۔ ہر ملک کی ضروریات کو خاص طور پر مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔''

ترقی پذیر ہندوستانی معاشرے کی بالادستی کے لیے اقبال نے نصاب میں تکنیکی مضامین کی شمولیت پر زور دیا۔ 1920 میں گاندھی جی کو لکھے گئے ایک خط میں وہ کہتے ہیں:

"A separate institution mainly devoted to the technical side of natural sciences supplimented by such religious education as may be considered necessary."

جدید سائنس اور تکنیک کے فروغ کے ساتھ ساتھ وہ ایک پرامن معاشرے کی بھی بات کرتے ہیں۔ اقبال کی یہی مربوط تعلیمی طرز نظر فرد کو اس کی تخلیق کے مقصد اولیٰ کو حاصل کرنے میں مدد کرسکتی ہے۔ ان کے اس طرز نظر کی بدولت سائنس معاشرے کے لیے امن، ترقی اور فلاح وبہبود کا ایک مؤثر آلہ ثابت ہوگی۔ تباہی اور بربادی پر تعلیمی نظریے میں مادّے اور روح کے ارتباط کی وجہ سے، افراد کے باہمی تنازعات پر قابو پایا جاسکتا ہے اور دنیا کو مزید ترقی کی راہ

دکھائی جاسکتی ہے۔

اقبال اپنے تعلیمی فکری تناظر میں جن تعلیمی نکات کی نشاندہی کرتے ہیں وہ اپنی جگہ جامع اور موثر ہیں وہ کہتے ہیں کہ:

☆ تعلیمی نظام کو ان اقدار کا حامل ہونا چاہیے جو کہ خدا کی تابع ہوں تا کہ وہ فرد کو اس لائق بنا سکیں کہ وہ دنیا میں اپنی تخلیق کا مقصد پورا کر سکے۔ خدا کی وحدانیت میں یقین رکھنا ہی طلبہ کی تمام تعلیمی سرگرمیوں کا رہنما نقطہ ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں وہ خط قابل توجہ ہے جو انھوں نے خواجہ غلام سیدین کو علم کی تشریح کرتے ہوئے لکھا تھا:

''علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہو ،عام طور پر میں نے علم کا لفظ انھیں معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے وہ طبیعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہیے اگر دین کے تحت نہ رہے تو محض شیطنیت ہے، مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ علم کو مسلمان کرے۔

بولہب را حیدر کرار کن۔ اگر یہ بولہب، حیدر کرار بن جائے یا یوں کہیے کہ اس کی قوت دین کے تابع ہو جائے تو نوع انسان کے لیے سراپا رحمت ہے۔

☆ تعلیمی عمل کو انسان کی اندرونی ترقی کو مدنظر رکھنا چاہیے کیونکہ یہی حقیقی زندگی ہے۔ ہمیں مروجہ رسوم ورواج کے رحم وکرم پر نہیں رہنا چاہیے۔

☆ تعلیم کا مقصد ایک مضبوط شخصیت کا نشوونما ہے جو کہ خودی کا ایک جامع تصور رکھتی ہو۔ یہ تبھی ممکن ہے کہ ایک معیاری تعلیمی نظام قائم ہو جو کہ معیاری معاشرے کو جنم دے سکے۔ طالب علم ایک ایسی ہی تعلیمی فضا میں اپنی انفرادیت کی نشوونما کر سکتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے وقت کے تعلیمی مراکز کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں:

شیخ مکتب کے طریقوں سے کشاد دل کہاں
کس طرح کبریت سے روشن ہوں بجلی کے چراغ

مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے
خانقاہوں میں کہیں لذت اسرار بھی ہے
ہند حکمت دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذت کردار ، نہ افکار عمل

☆ تعلیمی عمل کو فطرت کے سائنسی مشاہدے سے جڑا ہونا چاہیے کیونکہ تمام سائنسی اعمال اپنے اندر ایک روحانی اہمیت بھی رکھتے ہیں مثال کے طور پر دعا انسان کو خدا کی نزدیکی کا احساس دلاتی ہے۔ تعلیم کو روحانی، اخلاقی، ثقافتی، معاشی اور سیاسی یعنی ہر میدان میں بصیرت افروز تصورات پیش کرنے چاہئیں۔ تعلیم کو بچوں کے اندر تخلیقی صلاحیتیں پیدا کرنی چاہیے تا کہ وہ دنیا کو خوبصورت بنا سکیں۔ وہ اس قدر باصلاحیت ہوں کہ فطرت کو اپنی ضروریات کے مطابق ڈھال سکیں اور اس پر حکمرانی کر سکیں۔ یہ درست ہے کہ تعلیم کا مقصد طلبہ کو زندگی کے معیاری مقاصد حاصل کروانا ہونا چاہیے لیکن ساتھ ہی ساتھ ان کو معاشرتی ماحول سے مطابقت پیدا کرنے اور اس کے افراد کے ساتھ باہمی رشتے استوار کرنا بھی آنا چاہیے۔ اس لیے وہ ضرب کلیم میں کہتے ہیں:

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے، مگر صاحب کتاب نہیں

ابن خلدون کا یہ کہنا تھا کہ بچوں کو صرف کتابی علم دینا ایک ناقص طریقہ کار ہے۔ اس کے مطابق اس طرح کا نصاب

اقبال ایک ایسے معاشرے کے مفکر ہیں جس میں انسان کی آدمیت اخلاقی وانسانی شرافتوں اور فضیلتوں کی انتہا تک پہنچ چکی ہوگی اور جس میں وہ غیر اخلاقی اور نامناسب امتیازات ختم ہوجائیں گے جو آج ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان حائل ہیں اور یہ وہ معاشرہ ہوگا جس کی تشکیل ایک ایسا انسان کرے گا جو پہلے خود آدمیت کی معراج کو حاصل کر چکا ہوگا۔ اقبال کا یہ معاشرہ اس وقت وجود میں آئے گا جب موجودہ انسانیت اپنی تمام مادی ہنگامہ آرائیوں سے تھک کر اور تمام عقلی انکشافات سے بیزار ہو کر کسی ایک طریقہ کار کی تلاش میں ہوگی جس میں مادیت کا حصول مقصد نہ ہوگا بلکہ ذہنی سکون اور قلبی راحت کی جستجو اصل مقصد قرار پائے گی۔

بچوں کی ذہنی صلاحیتوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ کتاب پر مبنی علم صرف کتابی علم بن کر رہ جاتا ہے وہ بچے کے فہم وادراک کا مستقل حصہ نہیں بن پاتا۔ کیونکہ اس میں زندگی کے حقیقی تجربات کا فقدان ہوتا ہے۔

☆ تعلیم کو افراد کو خود کفیل بننے میں مدد دینی چاہیے، موجودہ دور معاشی ترقی کا دور ہے۔ کوئی بھی ملک اس وقت ترقی یافتہ کہلاتا ہے جبکہ اس کی معاشی صورت حال مضبوط ہوتی ہے۔ اس لیے وقت کے تقاضے کے مطابق تعلیم کا کفالتی پہلو بہت اہمیت رکھتا ہے۔ قومی زندگی میں صنعت وحرفت کی اسی اہمیت کے پیش نظر وہ صنعتی تعلیم کے پرزور حامی ہیں اور مسلمانوں کو اس طرف نہایت موثر طریقے پر توجہ دلاتے ہیں لکھتے ہیں:

میں اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ ------ مسلمانوں کو تعلیم کی تمام شاخوں سے زیادہ صنعت کی تعلیم پر زور دینا چاہیے۔ واقعات کی رو سے، میں یہ بات وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جو قوم تعلیم کی اس نہایت ضروری شاخ کی طرف توجہ نہ کرے گی وہ یقینا ذلیل وخوار ہوجائے گی: یہاں تک کہ صفحہ ہستی پر اس کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے گا۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلمان بالخصوص اس سے غافل ہیں اور مجھے اندیشہ کہ وہ اپنی غفلت کا خمیازہ نہ اٹھائیں۔ میں صنعت وحرفت کو قوم کی سب سے بڑی ضرورت خیال کرتا ہوں اور اگر میرے دل کی پوچھو تو سچ کہتا ہوں کہ میری نگاہ میں اس بڑھئی کے ہاتھ جو تیشے کے متواتر استعمال سے کھردرے ہو گئے ہیں، ان نرم نرم ہاتھوں کی بنسبت بدرجہا خوبصورت اور مفید ہیں جنھوں نے قلم کے سوا کسی اور چیز کا بوجھ کبھی محسوس نہیں کیا۔ اس مضمون کے متعلق تاثرات کا جو ہجوم میرے دل میں ہے اسے الفاظ میں ظاہر نہیں کر سکتا اور یقینا ان ٹوٹی پھوٹی سطور سے مافی الضمیر کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

اقبال ایک ایسے معاشرے کے مفکر ہیں جس میں انسان کی آدمیت اخلاقی وانسانی شرافتوں اور فضیلتوں کی انتہا تک پہنچ چکی ہوگی اور جس میں وہ غیر اخلاقی اور نامناسب امتیازات ختم ہوجائیں گے جو آج ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان حائل ہیں اور یہ وہ معاشرہ ہوگا جس کی تشکیل ایک ایسا انسان کرے گا جو پہلے خود آدمیت کی معراج کو حاصل کر چکا ہوگا۔ اقبال کا یہ معاشرہ اس وقت وجود میں آئے گا جب موجودہ انسانیت اپنی تمام مادی ہنگامہ آرائیوں سے تھک کر اور تمام عقلی انکشافات سے بیزار ہوکر کسی ایک طریقہ کار کی تلاش میں ہوگی جس میں مادیت کا حصول مقصد نہ ہوگا بلکہ ذہنی سکون اور قلبی راحت کی جستجو اصل مقصد قرار پائے گی۔ یہ ایک ایسا نظریہ ہے جس کو انسانوں کا کوئی معاشرہ نظرانداز نہیں کر سکتا۔ اقبال اپنے اس معاشرے کی تکمیل کے لیے تعلیم کا سہارا لیتے ہیں کیونکہ انقلاب تب ہی آتا ہے جب ذہن تبدیل ہوتے ہیں اور ذہنوں کو تبدیل کرنے کا ذریعہ صرف اور صرف تعلیم ہے۔ اسی وجہ سے تعلیمی نقطہ نگاہ سے وہ آنے والی نسلوں پر اہم اثرات چھوڑتے ہیں کیونکہ ان کا کلام اس گراں قدر علمی سرمایہ کی نشاندہی کرتا ہے جو انھوں نے شخصی ارتقا کے سلسلے میں دیا ہے اور جو آج کے تعلیمی مقاصد کو تقویت پہنچاتا ہے۔ کلام اقبال میں ذاتی اور قومی اقدار کی ماہیت اور فرد کے انفرادی واجتماعی ارتقا کی جو جھلکیاں جابجا ملتی ہیں وہ اکیسویں صدی کے اس روشن خیال وانسانی اخوت پر مبنی تعلیمی نظام کے خوش آئند مستقبل کو مزید استحکام بخشنے میں معاون ومددگار ہیں۔

■

Tabassum Naqi, Dept of Education, Jamia Millia Islamia, New Delhi - 110025

محمد اسد اللہ

اکیسویں صدی میں ادب کی معنویت

انسانی تہذیب اس روئے زمین پر عروج آدمِ خاکی کا سب سے اہم وسیلہ رہی ہے۔ادب اسی تہذیب کی مشین کا ایک ادنیٰ سا پرزہ ہے۔تہذیب نے نہ صرف ترقی کی منزلوں تک جانے والے راستے ہموار کیے ہیں بلکہ قدم قدم پر انسان کی رہنمائی بھی کی ہے۔تاریخ ہمیں انسانی ارتقا کی داستان سناتی ہے۔تاریخ کی اس شاہراہ پر انسانی فتوحات کی نشاندہی کرنے والے سنگِ میل گڑے ہیں وہیں ترقیِ معکوس کی خبر دینے والے بڑے بڑے بورڈ بھی نصب ہیں۔انسانی فتوحات،شکستوں کو ششوں اور لغزشوں کا کچا چٹھا تاریخ کے صفحات پر رقم ہے۔انسانی سماج کی سرگرمیوں کو زمانی تواتر اور جغرافیائی حوالوں کے ساتھ بیان کرنا تاریخ کا منصب ہے۔اس کے برعکس ادب افراد کے اندر موجود جہانِ رنگ و بو کا خبر نامہ ہے۔یہ اس کے باطن کی دنیا سے ہمیں روشناس کرواتا ہے، اس کے دل و دماغ کے نہاں خانوں کا سیاح ہے۔اس کی نفسیات کی گزرگاہوں کا مخبر ہے اور یہی ادب ہمیں اس عمل کے دوران زندگی انسان کی کاوشوں کی تاریخ اور اس دنیا میں جہاں ہم رہتے ہیں، اس کے متعلق ہمیں باشعور اور زیادہ باخبر بناتا ہے۔

علم کو انسان کی تیسری آنکھ کہا گیا ہے۔ادب عالمِ امکاں کی زمین پر پڑنے والا تمنا کا دوسرا قدم ہے، ادب محسوسات کی دنیا میں سیاحی کا نام ہے اور یہ سفر انسان کی ذات سے اس کائنات تک پھیلا ہوا ہے۔ادب ایک آفاقی حقیقت ہے اعلیٰ ادب کی ایک خوبی یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ زماں و مکاں کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔اس کے برعکس ادب سماج کا آئینہ ہے۔ادب میں فرد کی ذات کی عکاسی ہو یا فنکار کے ذریعے اظہارِ ذات کا عمل، اس حوالے سے ادب فرد کی ذات کا بھی آئینہ ہے۔انفرادی اور اجتماعی زندگی کی نمائندگی ادب کی معنویت اور اہمیت کا اہم ثبوت ہے۔قبل اس کے کہ ہم اکیسویں صدی کے تناظر میں ادب کی بات کریں میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ادب کا جو مفہوم بطور اصطلاح بیان کیا گیا ہے اس پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔منتخب اللغت میں ادب کے یہ معنی مذکور ہیں۔

عمدہ طریقہ،لغت،عقل، ہر چیز کی حد کی حفاظت کرنا۔

(منتخب اللغت، ص 41)

فرہنگِ ادبیات کے مولف سلیم شہزاد لکھتے ہیں:

”ارسطو نے بوطیقا میں ادب کو زبان کے ذریعے نمائندگی کرنے والے ایک فن سے تعبیر کیا تھا جس کا کوئی نام نہیں۔اسی سلسلے میں دوسرا قدیم خیال یہ تھا کہ علم وفن اور ہر قسم کی تحریر ادب ہے۔ادب میں اگرچہ علم کا معنوی پہلو موجود ہے لیکن تہذیب و تادیب کی مزید معنوی سطحوں کے تلازم میں یہ اصطلاح فن کو بھی محصور کرتی ہے...“

اب ادب کے معنی یہ ہیں کہ وہ تحریر جو قاری یا سامع یا ناظر کے لیے ذہنی وفکری اصلاح اور نفس کے انبساط کا باعث بنے ادب ہے۔

..ادب کیا ہے؟ ادب کو کیا ہونا چاہیے؟ ناقدینِ ادب نے اس قسم کے سوالات اٹھائے گئے ان سوالوں کے جوابات دیے ہیں۔ادب کے وجود کو سمجھنے کے لیے، اسے تسلیم کرنے کے لیے اور بعض اوقات اسے اپنے مخصوص مفادات کے لیے استعمال کرنے کے لیے۔لیکن موجودہ صدی کے حالات یہ بتاتے ہیں کہ اب تو ادب کے وجود پر بھی سوالیہ نشان لگنے لگا ہے۔اس صدی میں ادب کی کیا معنویت ہے؟

گزشتہ صدیوں کے دوران سائنس کی ترقی نے جس معاشرہ اور شعور کو جنم دیا ہے اس میں مادّی ترقی ہی اصل ترقی ہے اور اسی تگ و دو اور اسی کے حصول کو انسانی کامیابی کے لیے معیار مانا گیا ہے۔آج جس دنیا میں ہم جی رہے ہیں اس میں روحانی قدریں، ایمان، اخلاق، انسانیت، ایثار اور خداترسی کے جذبات واحساسات کو وہ اہمیت حاصل نہیں جو صدیوں پہلے تھی۔وقت کے ساتھ نئے پیمانے اور نئے معیار سامنے آرہے ہیں جن میں پرانی اشیا اپنے معانی سے محروم ہوتی جارہی ہے۔یہ عمل اس قدر سفاکانہ ہے کہ ہمارے نام نہاد تعلیمی اور مذہبی ادارے اور شخصیات بھی اس اس آندھی سے محفوظ نہیں۔بقول مخمور سعیدی:

اک اجنبی دنیا میں اب جینا مقدر ہوگیا
مانوس تھی جس سے نظر دھندلا وہ منظر ہوگیا
روک سکتے تھے بھلا کب تک زمامِ وقت کو
بگڑا نظامِ روز و شب ہر لمحہ خودسر ہوگیا

سچ تو یہ ہے کہ ادب انسان کی ایک ایسی ضرورت ہے جس کا تعلق اس کی اندرونی اور روحانی دنیا سے ہے۔سائنس تو اس دنیا کو تسلیم کرنے سے رہی۔مناظروں کی حد تک اسے سمجھا بھی دیا جائے تو صدیوں کی صنعتی ترقی نے جس معاشرے کو جنم دیا ہے اور اس میں جس قسم کی زندگی کو وقت کی ضرورت قرار دیا گیا ہے اس میں ادب جیسی چیزوں کے لیے بظاہر کوئی خاص جگہ نہیں۔

ہمارے ہاں گزشتہ دنوں جب جونیئر کالج اور اسکولوں سے مادری زبان کے متبادل کے طور پر انگریزی لانے کی بات کی گئی تو مراٹھی داں طبقے میں کھلبلی مچ گئی۔اس سلسلے کا جو احتجاج ہوا ان ہی کی طرف سے ہوا ان کے تعلیمی اداروں میں اسے محسوس کیا گیا اس کے برعکس ہمارے ادارے خوابِ خرگوش میں کھوئے رہے۔یوں بھی ہمارے ہاں اردو کے اکثر تعلیمی اداروں میں زبان و ادب کے تحفظ کا مسئلہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ہم تو ان چیزوں کی حفاظت کے لیے ادھر کا تنکا ادھر نہیں کرتے جہاں ہمیں پورا پورا اختیار حاصل ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری زبان، ادب اور ہماری تہذیبی اقدار کے لیے خود ہمارے اداروں سے زیادہ خطرناک کوئی جگہ نہیں۔استثنائی صورتِ حال ہر جگہ موجود ہے

اور اب اسی کے سہارے اس زبان وتہذیب کی رگوں میں تازہ لہو اس کی زندگی کا ضامن ہے۔ کمرشیلزم کی برکات نے تعلیمی اداروں کو بھی نہیں بخشا۔

اکثر ایسے اداروں میں اربابِ اقتدار ایک منافقانہ ذہنیت کے ساتھ اپنے مفادات حاصل کرنے کے لیے قوم و مذہب کے ہمدرد بن کر جمع ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں بیشتر اساتذہ اور مجلسِ انتظامیہ کی کرسیوں پر براجمان لوگ اس چولے کو اتار پھینکنے میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں جسے ہم اسلامی تہذیب کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ بات سیمی انگلش کی ہو، انگریزی میڈیم اسکول کھولنے کی پیش کش ہو تو ہم فوراً اسے قبول کر لیتے ہیں کس کی مجال ہے جو اس کے خلاف لب کشائی کر کے اپنے آپ کو دقیانوسی ثابت کرے۔ لیکن اس درمیان ہماری زبان، ہمارے مذہب اور ہماری تہذیب اس کے دفاع کے لیے کتنے قدم اٹھتے ہیں۔ یقیناً وہ ادارے لائقِ تحسین ہیں جو انگریزی میڈیم اسکول چلانے کے باوجود جلبِ منفعت کے حریص نہیں اور مخلصانہ طور پر قومی خدمت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

ہمارے تعلیمی اداروں میں زبان وادب کی زبوں حالی ایک خطرے کی گھنٹی ہے جو اکیسویں صدی کی ابتدا ہی میں بجنے لگی ہے بلکہ بہت پہلے سے بج رہی ہے، ابھی تو دلّی دور ہے یہ سب اس لیے ہو رہا ہے کہ ادب کا کیا ذکر ہے، ہمارے لیے تو ہماری زبان بھی اب بے معنی ہوتی جا رہی ہے۔ ادب تو اب بیشتر وہ لوگ بھی نہیں پڑھتے جو ادبیات میں ایم اے کی ڈگری حاصل کرتے ہیں کیونکہ نوٹس اور ڈائجسٹ پڑھ کر آپ ایم اے کا امتحان پاس کر سکتے ہیں اور کچھ رقم خرچ کر کے کسی بھی ادبی موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ سب اسی لیے ہو رہا ہے کہ جس تجارتی ذہنیت کی ماری دنیا میں ہم سانس لے رہے ہیں وہاں ادب ایک لغو اور بے معنی سی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ جیسے جیسے کمرشیلزم زندگی کے سبھی شعبوں میں سیلاب کے پانی کی طرح گھستا جائے گا اسی رفتار سے ادب جیسی چیزیں اپنی معنویت سے عاری ہوتی جائیں گی۔ یہ ہماری زندگی کا ایک کڑوا سچ ہے اور یہ معمولی بیماری نہیں ہے۔ ان قدروں کے پیروں تلے سے جو زمین کھسک رہی ہے اسے اکیسویں صدی میں ادب کی معنویت پر مقالہ پڑھ کر روکا نہیں جا سکتا۔ اس کے باوجود اس سچائی کا اظہار ضروری ہے کہ مذہب اور ادب اکیسویں صدی کے انسان کی بڑی ضروریات میں شامل ہے۔ زبان وادب کے ذریعے اس کی انسانیت اور تہذیب کو بیدار کرنا وقت کی ایک ضرورت ہے اور یہی ادب کی معنویت ہے۔

یہ سماج جو انسان کو مشینی آدمی بنانے پر تلا ہوا ہے جہاں بقول اقبال، مشینوں کا وجود انسان کے دل کے لیے موت ہے، جہاں مادی ترقی کی شاہراہ پر دوڑتے ہوئے انسان کے لیے انسان بن کر زندہ رہنا مشکل ہو گیا ہے جہاں جسمانی ضروریات نے انسانوں کو اپنے اندرون کی دنیا سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس دنیا میں انسان کو بحیثیت انسان بن کر جینے کے لیے ادب کی ضرورت ہے۔ یہی ادب کی معنویت ہے۔ ادب انسان کو اس کے اندرون کے تقاضوں سے باخبر کرتا ہے۔ انسان ادب کے ذریعے نہ صرف اپنے دکھوں کو سمجھتا ہے بلکہ دوسروں کے دکھوں کو محسوس کر کے اس کا شریکِ غم بھی بنتا ہے۔ ہماری شاعری میں موجود غمِ جاناں اور غمِ دوراں اسے اپنے ہم نفسوں کے ساتھ محبت، ہمدردی، ایثار اور انسانیت کی جملہ قدروں کے ساتھ جینے کا سلیقہ عطا کرتا ہے۔ ادب ہمارے جذبات کے بحر کی موجوں میں اضطراب پیدا کر کے اس طوفان سے آشنا کرتا ہے جو ہمیں نہ صرف خود فراموشی سے بلکہ خدا فراموشی کی کیفیت سے بھی باہر لا کر ایک بھرپور زندگی گزارنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

یہ سماجی اثرات اس قدر شدید تھے کہ اٹھارویں صدی میں مذہب کی موت کا اعلان کیا گیا اور انیسویں صدی میں ادب کے جاں بحق ہونے کی اطلاع دی گئی لیکن یہ دونوں اتنے سخت جان نکلے کہ اب بھی بقیدِ حیات ہیں اور اس کے شواہد عام زندگی میں قدم قدم پر موجود ہیں۔ بیسویں صدی سائنس کی بے پناہ ترقی کے دوران، توہم پرستی اور غیر حقیقی مظاہر کے رد کے لیے مشہور ہے مگر اسی صدی کے دوران محیر العقول واقعات، جادو، اور تخیل آرائی پر مبنی ناول ہیری پاٹرس صدی کا بیسٹ سیلر ثابت ہوتا ہے۔

اقبال بھی نہ صرف ادب بلکہ فنونِ لطیفہ کو انسانی زندگی کے بہتر بنانے اور انسانی ضمیر کو جگانے کے لیے ایک مفید وسیلہ خیال کرتے ہیں۔ ان کی نظم فنونِ لطیفہ میں ان کا یہ موقف واضح ہے:

جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرہ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

تنقید نے ادب کو مشوروں و ہدایات سے نوازا اور اس کے نام فرمان بھی جاری کیے۔ اس بات سے قطع نظر کہ ادب نے ان آوازوں پر کس حد تک کان دھرے، ادب سماج کے اثرات سے بچ نہیں پایا۔ گزشتہ صدیوں کے دوران سائنس کی ترقی نے انسانی زندگی کا چہرہ مہرہ بدل کر رکھ دیا۔ ادب چونکہ انسانی زندگی کی نمائندگی کے منصب پر فائز تھا، صدیوں کے اس بہیمانہ طلسم اور وقت کے گرد وغبار سے اس کا چہرہ آلودہ نہ ہو، یہ کیسے ممکن تھا۔ یہ سماجی اثرات اس قدر شدید تھے کہ اٹھارویں صدی میں مذہب کی موت کا اعلان کیا گیا اور انیسویں صدی میں ادب کے جاں بحق ہونے کی اطلاع دی گئی لیکن یہ دونوں اتنے سخت جان نکلے کہ اب بھی بقیدِ حیات ہیں اور اس کے شواہد عام زندگی میں قدم قدم پر موجود ہیں۔ بیسویں صدی سائنس کی بے پناہ ترقی کے دوران، توہم پرستی اور غیر حقیقی مظاہر کے رد کے لیے مشہور ہے مگر اسی صدی کے دوران محیر العقول واقعات، جادو، اور تخیل آرائی پر مبنی ناول ہیری پاٹرس صدی کا بیسٹ سیلر ثابت ہوتا ہے۔

ادب انسان کے شعور کو بیدار کرنے، اشیا کی حقیقت اور انسانی زندگی کے متعلق سوالات قائم کرنے اور ان کا حل تلاش کرنے کا اہل بناتا ہے۔ انسانی روح میں موجود اصل کی طرف لوٹنے کی شدید خواہش پیدا کرتا ہے۔ یہ فطرت کے پردے میں نمایاں خالقِ کائنات کے وجود کا احساس دلاتا ہے لیکن یہ مذہب کا بدل نہیں ہو سکتا۔ ادب میں بھی اخلاقی قدریں مذہب ہی کا فیضان ہیں۔

اگر ادب نہ ہوگا تو انسان دین کی آفاقیت اور عظمت کو سمجھنے سے قاصر ہوگا۔ ادب نہ ہوگا تو کٹر پن اور کٹھ ملائیت کو فروغ حاصل ہوگا۔ دین کے نام پر آج چند ناسمجھ لوگوں میں مذہبی تعصب، شدت پسندی، مسلکی اور گروہی عصبیت اور تشدد کی لہر اٹھی ہے۔ یہ سب مذہب کے اصل پیغام سے ناواقفیت کے سبب ہے، ادب اس کٹھ ملائیت سے بچاؤ کا ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے کہ ادب جس اخلاقی نظام کی طرف ہمیں لے جاتا ہے اس کا حاصل محبت، انسانیت نوازی، بھائی چارگی، عالمی اتحاد اور خدا ترسی ہے۔ اسی لیے مدارس میں ادب کی تعلیم دی جاتی ہے تا کہ طالبِ علم مذہب کی اصل روح تک رسائی حاصل کر سکے۔ وہ مذہب جو آپس میں بیر رکھنا نہیں سکھاتا بلکہ اہلِ سیاست کی فریب کاریوں کے جال سے آزاد کر کے انسانوں کے ساتھ محبت کی زندگی گزارنے کا پیغام دیتا ہے اور یہی ادب کی معنویت جو اکیسویں صدی میں بے معنویت کی طرف دوڑتی ہوئی زندگی کے لیے آبِ حیات ثابت ہو سکتی ہے۔

■

Dr. Muhammad Asadullah, 30, Gulistan Colony, Near Amrai Lawn, Jafar Nagaar, Nagpur - 440013 (MS)

سیفی سرونجی

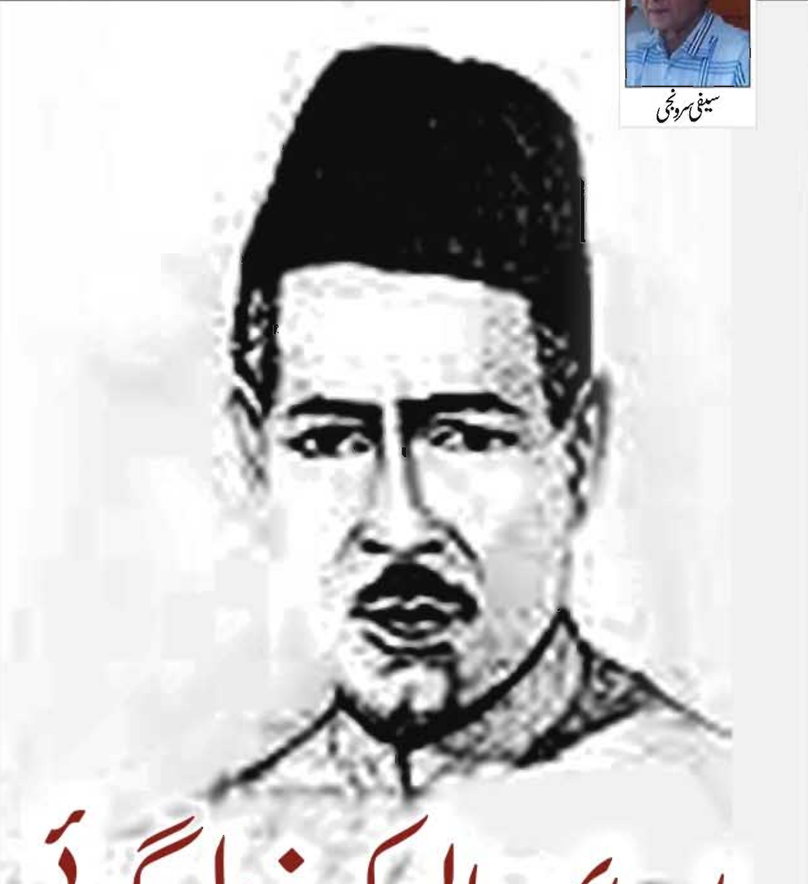

باسط بھوپالی کی غزل گوئی

بھوپال یوں تو ہمیشہ سے علم وادب کا گہوارہ رہا ہے، اس لیے کہ یہاں کے نواب اور دیگر حکمراں علم وادب کے شیدا رہے ہیں، ان کی سرپرستی میں یہاں علم و ادب کی شمع ہمیشہ فروزاں رہی ہے۔ جب بھی لکھنؤ دہلی حیدر آباد اور رامپور جیسی مسلم اور اردو ادب کی بستیوں کا ذکر ہوتا ہے، وہیں بھوپال کا نام ضرور آتا ہے۔ بھوپال کی تاریخی ادبی حیثیت مسلم ہے اور بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ ڈاکٹر محمد نعمان خاں، ڈاکٹر رضیہ حامد، عارف عزیز صاحب اتنا کچھ لکھ چکے ہیں کہ بھوپال ہندوستان کی کسی بھی مسلم ریاست کے مقابلے میں کسی بھی حیثیت سے کم نہیں ہے۔ خاص طور پر شعروادب کے معاملے میں تو یہاں کے شاعر وادیب نصف صدی پہلے ہی بھوپال کو بین الاقوامی شہرت دلا چکے ہیں۔ ان میں شعری بھوپالی، کیف بھوپالی، ملا رموزی، کے علاوہ ایک نمایاں نام باسط بھوپالی کا ہے۔ بھوپال کی اردو غزل کے فروغ میں باسط بھوپالی کا بڑا اہم رول رہا ہے۔ حالانکہ باسط بھوپالی نے غزل کے علاوہ شاعری کی دیگر اصناف نظم قطعات رباعی تضمین پر بھی طبع آزمائی کی ہے لیکن انھیں مقبولیت غزل سے ہی ملی ہے۔ ان کا شعری مجموعہ 'کاروان غزل' اس کا ثبوت ہے۔ باسط بھوپالی نے بہت کچھ کہا ہے لیکن وہ سب کلام شائع نہ ہوسکا۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ اس وقت کسی بھی شعری مجموعے کی اشاعت آسانی سے نہیں ہوتی تھی، نہ شاعر آج کل کے شاعروں کی طرح جلد سے جلد شہرت حاصل کرنے کے لیے کتابوں کا انبار لگاتا تھا بلکہ بہت سوچ سمجھ کر اپنے دوستوں یا استادوں کی اصلاح اور مشورے کے بغیر تو کتاب چھپوانے کا کوئی تصور ہی نہیں کرسکتا تھا۔ پھر اس زمانے میں چھپنے چھپانے کے وسائل بھی نہیں تھے۔ برسوں کاتب حضرات ہی مسودہ تیار نہیں کر پاتے تھے۔ نہ کمپیوٹر کی ایجاد ہوئی تھی۔ باسط بھوپالی بھی اپنی اڑتیس سالہ شاعری کے سفر میں صرف ایک مجموعہ 'کاروان غزل' اردو ادب کو دے پائے لیکن اردو ادب کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ کئی شاعر ادیب ایسے گزرے ہیں کہ ان کی کئی کتابیں منظر عام پر آئیں لیکن ادب میں انھیں وہ مقام ومرتبہ حاصل نہیں ہوا، جو چند شاعروں ادیبوں نے اپنی ایک ایک کتاب سے ہی حاصل کرلیا اور ان کا نام ادب کی تاریخ میں احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے مثالیں بہت سی دی جاسکتی ہیں۔ مجروح سلطانپوری اور پطرس بخاری کی صرف ایک ایک کتاب شائع ہوئی تھی، ایسے ہی شاعروں میں ایک نام باسط بھوپالی کا ہے، جن کا صرف ایک شعری مجموعہ 'کاروان غزل' شائع ہوا۔ اس سے پہلے کہ ان کی شاعری پر آگے گفتگو کی جائے یہاں شاعر کی اپنی رائے پیش کرتا ہوں:

''میں ہمیشہ سے اچھی بات کہنے اور اچھی بات سننے کا شائق رہا ہوں، میں نے سیاست اور صحافت کی وادیوں میں دوڑیں لگائی ہیں لیکن اس طرح کہ میرا فن کسی قربان گاہ کی بھینٹ نہ چڑھ پائے ظاہر ہے کہ کوئی بھی حساس انسان نہ تو اپنے ماحول سے بے خبر رہ سکتا ہے نہ ہی سماجی تقاضوں سے روگردانی کرسکتا ہے، اس لیے اسے اس کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے محسوسات کو ضرور اپنے اشعار میں جگہ دے لیکن میرے خیال میں یہ بڑی ناانصافی ہے اور عدل وتوازن سے تجاوز ہے کہ سیاسی نظریات کے مقتل میں فن کو قتل کردیا جائے، میں نے بھی حالات کا اثر قبول کیا ہے میرے کلام میں آپ کو آزادی کی تڑپ بھی ملے گی اور ظلم کے خلاف احتجاج بھی، انفرادی واحتجاجی دکھوں کا اظہار بھی ملے گا اور ان پر تڑپ بھی لیکن یہ سب کچھ اس طرح ملے گا کہ شعر نعرہ بن کر نہیں رہ گیا بلکہ اس میں جذبات کی شدت والہانہ کیفیت اور فن کی پوری چاشنی یعنی شعریات بھی موجود ہے اور وہ بات بھی جسے میں نے نظم کرنا چاہا ہے۔''

باسط بھوپالی کے ان خیالات کی روشنی میں جب ہم ان کی شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو واقعی پتہ چلتا ہے کہ ان کی شاعری میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں، جن کا اظہار انھوں نے اپنے اس اقتباس میں کیا ہے یعنی ناانصافیوں کے خلاف احتجاج بھی ہے اور آزادی کی تڑپ بھی ہے اور شدت احساس وجذبات کی والہانہ کیفیت بھی ہے، وہ بھی اپنے پورے فنی لوازمات کے ساتھ:

کبھی قبول مرا سوز وساز کرتا جا
کوئی نگاہِ محبت نواز کرتا جا
تمام کشمکشِ ضبط راز کرتا جا
مجھے بھی اپنی طرح بے نیاز کرتا جا
جتا کے اپنی محبت دکھا کے اپنا شوق
نگاہِ حسن کو مانوسِ ناز کرتا جا
گناہ اور پھر ایسا گناہ اے باسط
تو اپنے جرم محبت پہ ناز کرتا جا

نہ فرقت نے لوٹا نہ آہوں نے مارا
محبت بھرے اشتباہوں نے مارا
دہائی ہے اے منزلِ حسنِ جاناں
محبت کی سنسان راہوں نے مارا
مری احتیاط جنوں تھی وہ باسط
نہ منزل نے لوٹا نہ راہوں نے مارا

منزل عشق میں سب اپنی خبر رکھتے ہیں
ہم گریباں پہ وہ دامن پہ نظر رکھتے ہیں
جذبہ شوق پہ در پردہ نظر رکھتے ہیں
وہ محبت نہیں رکھتے ہیں مگر رکھتے ہیں
فکر منزل ہے نہ منزل کی خبر رکھتے ہیں
ایک گردش ہے کہ ہم عزم سفر رکھتے ہیں
ایک مرکز ہے محبت کا ہماری باسط
ایک دل رکھتے ہیں ہم ایک نظر رکھتے ہیں

باسط بھوپالی کی غزلوں کے یہ چند اشعار پڑھ کر ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی شاعری میں ایسی شگفتگی وتازگی ہے کہ ہر شعر اپنی سادگی اور افادیت کی وجہ سے فوراً ذہن نشیں ہوجاتا ہے اور پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایک شاعر کو اپنی پوری زندگی شعر کہنے کی نذر ہوجاتی ہے جو ان کی پہچان بن جائیں۔ باسط بھوپالی کا ایک شعر ہی اتنا مقبول ہوا کہ وہ ہی ان کی پہچان بن گیا اگر وہ کچھ بھی نہ کہتے تو یہ ایک شعر ہی ان کو ادب میں زندہ رکھنے کے لیے کافی تھا:

سارا عالم آئینہ باسط
جیسی نگاہیں ویسے نظارے

باسط بھوپالی ایک فطری شاعر تھے، سولہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ بھوپال سے باہر وہ مشاعروں میں کبھی نہیں جاتے تھے، دکھاوے کی زندگی انھیں پسند نہ تھی۔ ہمیشہ شہرت سے دور بھاگتے تھے لیکن پھر بھی ان کی عزت واحترام بھوپال کے علاوہ پورے ہندوستان میں کیا جاتا تھا، خاص طور پر نیاز فتح پوری، آل احمد سرور ان کی شاعری کے بڑے معترف تھے۔ ممتاز شاعر ذکی وارثی ان کے استاد تھے۔ یوں تو بھوپال کے نام کو دور دور تک پہنچانے میں شعری بھوپالی، کیف بھوپالی، اسد بھوپالی، تخلص بھوپالی، ملا رموزی کا رول سب سے زیادہ رہا ہے لیکن باسط بھوپالی کا نام بھی کم درجے کا نہیں ہے کہ باسط بھوپالی نے اپنے ایک ہی شعری مجموعے سے ساری ادبی دنیا میں شہرت حاصل کی بلکہ ان کے ایک شعر نے ہی مقبولیت کا رکارڈ قائم کیا۔ یہاں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کسی بھی شاعر کا کتابوں کے انبار لگانے سے اس کے معیار ووقار میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ اچھا اور معیاری ایک شعر ہی یا ایک کتاب ہی اسے زندہ رکھنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر سلیم حامد رضوی نے اپنی کتاب 'اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ' میں لکھا ہے:

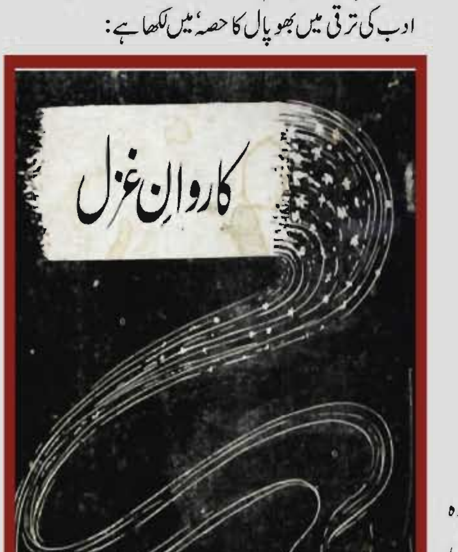

''باسط بھوپالی محمد عبد الباسط بھوپالی ذکی وارثی مرحوم کے سب سے زیادہ مشہور شاگرد وتلامذہ ارشد میں ہیں اور بھوپال کے مسلم الثبوت استاد سمجھے جاتے ہیں۔ جن کے شاگردوں کی تعداد کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، مالی مشکلات اور کشمکش حیات کے باوجود فطری تقاضوں سے مجبور ہوکر فکر سخن میں مصروف ہیں۔ کلام میں پختگی، معنی آفرینی، نازک خیالی اور ہمہ گیری درخشاں ہے گو مشاعروں کے شاعر نہیں ہیں اور بظاہر ان کی شاعری صرف سخن فہم حضرات کے لیے ایک ادبی تحفہ ہے۔ پھر بھی بھوپال کی محفلوں پر اپنے کلام کی بلندی کی بدولت چھائے رہتے ہیں۔ ان کے یہاں عام پسند جذبات کی رنگینی اور ہیجان الفاظ کی شعبدہ بازی اور طرفگی نہیں ہے بلکہ ایک ایسا سکون اور ٹھہراؤ پایا جاتا ہے، جو سننے والے کو تھوڑی دیر کے لیے فکر کی پر عظمت دنیا میں پہنچا دیتا ہے۔''

اک برق سرمستی اک شعلۂ مدہوشی
مینا سے گرانا ہے ساغر سے اٹھانا ہے
آہیں بھی نہیں رکتیں نالے بھی نہیں تھمتے
اور ان کی محبت کا افسانہ سنانا ہے

دن کا سورج رات کے تارے
پھرتے ہیں پیہم گرد تمہارے
کیسی نگاہیں کس کے نظارے
دونوں جہاں میں صدقے تمہارے

شمعیں بھی بجھتی جائیں گی آنسو ڈھلتے جائیں گے
راہیں بھی چلتی جائیں گی راہی چلتے جائیں گے
اے دیدہ حسرت پھر تیرا انجام تماشا کیا ہوگا
جب ذوق نظر کی تابش سے آئینے پگھلتے جائیں گے

وہ ان کا آسماں کو دیکھنا اور مسکرا دینا
بھلا مقبول کیوں ہونے لگی باسط دعا تیری

انساں کے شکستہ کاندھے پر غیرت کا جنازہ آج بھی ہے
دنیا جسے دنیا کہہ نہ سکے وہ اپنی دنیا آج بھی ہے
وہ آہ جو لب تک آنہ سکی اس آہ کی محبت کیا کہنا
دامن پہ آنسو گر نہ سکا وہ آنکھ کا تارہ آج بھی ہے

للہ سمجھ انجام وفا اے ہوش کے دشمن ہوش میں آ
یہ رنگ جنوں یہ حال زبوں رنج ومحن پہلے تو نہ تھا

باسط بھوپالی کی شاعری میں جہاں ایک طرف زبان وبیان کی چاشنی، فصاحت وبلاغت کے نادر نمونے ملتے ہیں، وہیں دوسری طرف ان کے سیاسی حالات کی عکاسی بھی نمایاں ہے۔

آخر میں صرف اتنا کہوں گا کہ کوثر صدیقی اور ان کے رفقاء کا یہ سب سے بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے ایک ایسی روایت کی بنیاد ڈالی ہے، جو بھوپال کے ایسے تمام اہم شاعروں، ادیبوں پر سیمینار منعقد کر کے انہیں از سر نو دریافت کر کے ان کے ادبی کارناموں کو اجاگر کرنے کے لیے یہ سیمیناروں کا سلسلہ یقینا بھوپال کی ادبی تاریخ میں ایک اہم رول ادا کرے گا اور شعری بھوپالی، کیف بھوپالی، ابو محمد سحر، عبد القوی دسنوی، ملا رموزی، باسط بھوپالی کے علاوہ اور بھی کئی گمشدہ ہستیوں کی تلاش کا سلسلہ جاری رہے گا۔

■

Dr.Saifi Sironji, Saifi library Sironj - 464228 (M.P.) Email:saifi_sironji@rediffmail.com

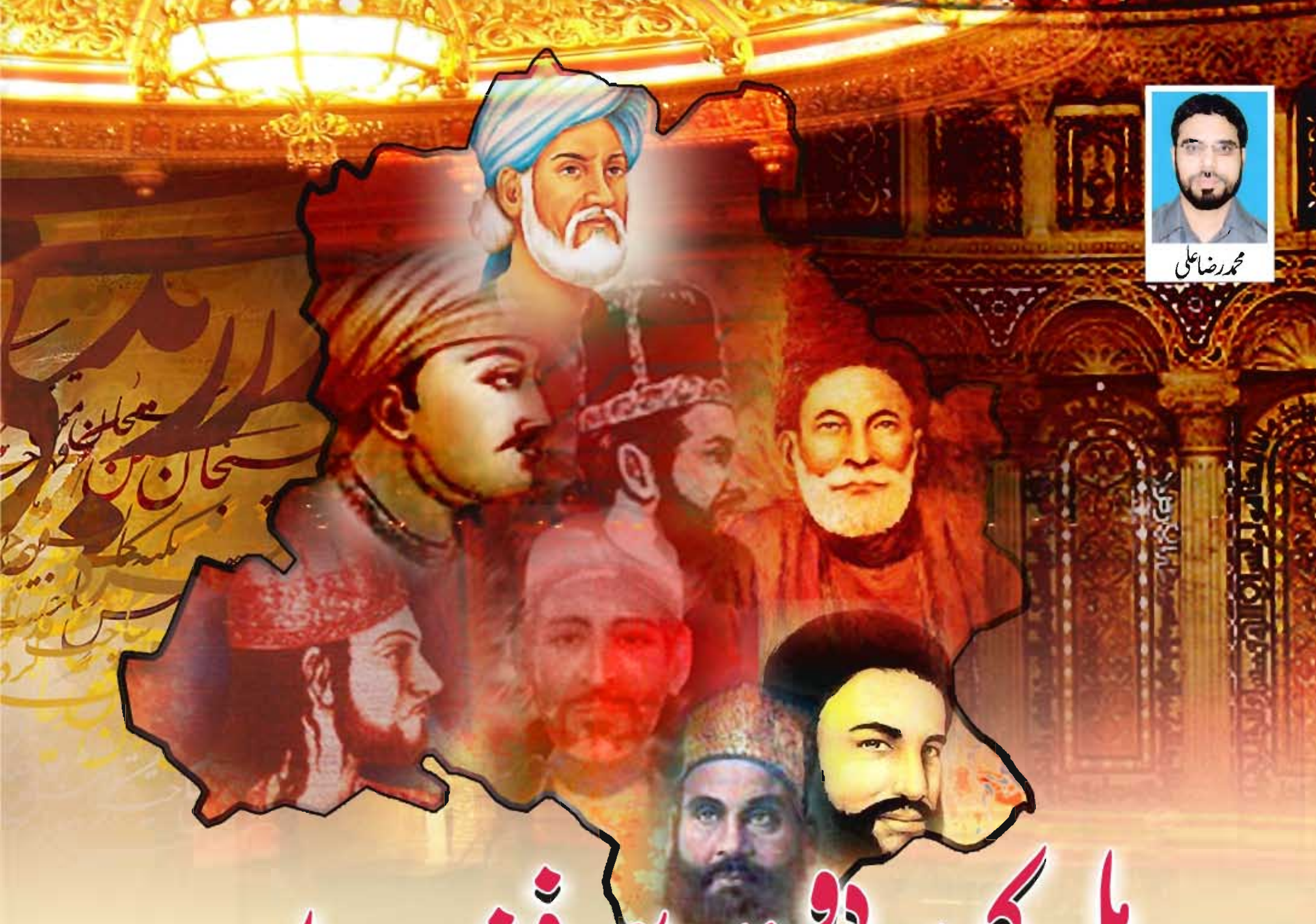

محمد رضا علی

دہلی کی ادبی و تہذیبی فضا

جغرافیہ ہند میں دہلی کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہ نہ صرف ہندوستان کا پائے تخت رہی ہے بلکہ علم وفن، تصوف وروحانیت اور تہذیب وثقافت کا مرکز بھی رہی ہے۔ دہلی کی تہذیبی فضا اور ادبی سرچشموں نے خاص وعام کو یکساں طور پر سیراب کیا۔ اس طرح دہلی محور حکومت ہونے کے ساتھ گہوارۂ شعروادب بھی رہی جس کی اپنی ایک تاریخ اور جداگانہ حیثیت ہے۔

دہلی میں شعرونثر کا وافر سرمایہ وجود میں آیا جو اردو زبان و ادب کے تاریخی ارتقامیں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور خاص ادبی فضا کی ترجمانی بھی کرتا ہے۔ اس کا اندازہ شعراو نثر نگاروں کی اولین تخلیقات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ حالانکہ یہ شعری ونثری سرمایہ حددرجہ محدود ہے اور موضوعات زیادہ تر مذہب، اخلاق، تصوف اور قصے کہانیوں پر مبنی ہیں۔ ان ابتدائی نگارشات میں داستانوی عنصر، مذہبی وروحانی مزاج اور اخلاقی انداز حاوی ہے۔ صوفیا کے ملفوظات، اقوال واحوال اور قرآن شریف کے تراجم او ردیگر مذہبی رسائل وغیرہ نگارشات ایک مخصوص انداز بیان اور لب ولہجے کی نمائندگی کرتی نظر آتی ہیں۔ شعری اظہار میں ولی دکنی، شاہ مبارک آبرو، شیخ شرف الدین مضمون، غلام مصطفی یک رنگ، شاہ ظہورالدین حاتم، مظہر جانجاناں، خواجہ میر درد، میر تقی میر، مرزا محمد رفیع سودا، ذوق، مومن، غالب اور شیفتہ جیسے سخنور دبستان دہلی کے نمائندے بن کر مطلع ادب پر طلوع ہوتے ہیں۔ یہ دبستانی فکر کوئی اتفاقی امر نہیں تھا اس کے پس پردہ گہرا تہذیبی شعور، احساس کی شدت اور اظہار کی قوت کارفرما تھی جس نے نہ صرف شعروادب کو خوبصورت انداز دیا بلکہ اردو کو بھی فروغ دیا۔ اردو کی دلکشی، فن وثقافت اور شعرونثر کی رنگارنگی نے شہر دہلی کو سارے ہندوستان کا دل اور دھڑکن بنادیا۔

اقوام وملل کی خوشحالی کا راز ان کی علمی وادبی کاوشوں اور تخلیقی صلاحیتوں پر منحصر ہے گویا قومی بقا، شہری وعلاقائی ترقیات میں ادب وتہذیب کا اہم کردار ہوتا ہے۔ تہذیب دراصل ایک عربی لفظ ہے جس کے معنی درست کرنا، پاک کرنا اور اخلاق وعادات کو پاکیزہ بنانا وغیرہ ہوتے ہیں۔ اس لفظ کو صرف لغوی معنی تک محدود نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کا ایک وسیع مفہوم ہے جس کے اندر قوموں کی تاریخ، روایات اور طرز معاشرت کی جھلکیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔ تہذیبی عمل میں افراد کی اجتماعی وانفرادی کوششیں، تجارتی وتکنیکی ترقیات، سیاسی نظریات اور مختلف علمی وادبی میلانات اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس طرح لفظِ تہذیب کا اطلاق کسی قوم کی ان رسومات وروایات اور ترقیات پر ہوگا جو کسی ملک وقوم کی پہچان اور شناخت ہوتی ہیں۔

شہر دہلی کی تہذیب، مطالعۂ ادب میں خاص اہمیت کی حامل ہے۔ دہلی کی تہذیب جن عناصر سے عبارت ہے اس میں اہل دہلی کی معاشرت، اخلاق وعادات، تفریحی مشاغل، میلوں، جشن وجلوس اور دیگر تقریبات ورسومات کا اہم کردار رہا ہے۔ دہلوی تہذیب کی یہ رنگارنگی انفرادی کوشش کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ دوقوموں یعنی ہندومسلم اتحادوارتباط کا ثمرہ تھی جس کا آغاز مسلمانوں کے ہندوستان آنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یہ اتحاد مغلوں کے عہد میں مزید مستحکم ہوجاتا ہے۔ اس طرح ہندومسلم باہمی اخذ وقبول کے عمل نے ہر شعبۂ زندگی میں تبدیلی پیدا کی جس کا اثر فنون لطیفہ پر بھی پڑا۔ اس تغیر وتاثر کو صوفیانہ خیالات، شعری وادبی اظہار نے ایک مخلوط قومی تہذیب کی شکل میں پروان چڑھایا۔

انیسویں صدی کا نصف آخر اور بیسویں صدی کے نصف اول کا یہ زمانہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ ایک طرح سے عبوری دور ہے۔ یہاں سے ایک نئے عہد کا آغاز ہوتا ہے۔ تہذیبی، تاریخی، علمی وادبی اور صنعتی انقلابات اسی عہد میں رونما ہوتے ہیں۔ ادھر 1857 کے سیاسی و معاشی حالات نے دہلی ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان کی تہذیب ومعاشرت پر گہرا اثر ڈالا جس کے نتیجے میں معاشرتی وتہذیبی اقدار میں تبدیلی کا عمل تیز تر ہوگیا۔ اصلاح معاشرہ اور اصلاح رسوم کا کام بڑے پیمانے پر شروع ہوا۔ تعلیم وتہذیب، فن وادب میں نمایاں تبدیلی آئی اور نئی اصناف واسالیب نے فروغ پایا۔ اس ہمہ جہت تاریخی انقلاب کا اثر اہل دہلی پر بھی پڑا لیکن ان انقلابی حالات میں بھی انھوں نے اپنے تہذیبی سرمائے کو بہر حال کسی نہ کسی صورت میں زندہ رکھا۔ اس کا ثبوت ’دلی کی آخری بہار‘ اور ’رسومات دہلی‘ جیسی کتب کے مطالعے سے ملتا ہے۔

اہل دہلی کی معاشرتی زندگی میں میلوں، تہواروں اور بزم آرائی کو سماجی حیثیت حاصل تھی۔ گویے، بھانڈ، قوال ہر طرف موجود تھے۔ میلوں کے ساتھ مزارات پر عرس منائے جاتے اور رقص وسرور کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ اس میں مرد، عورتیں اور امیر وغریب برابر شریک ہوتے تھے۔ بھانڈ اور نقال چوراہوں، گلی کوچوں میں سامان تفریح بنتے اور لوگوں کا دل بہلاتے تھے۔ معاشرے میں ظاہری رکھ رکھاؤ اور رسم پرستی عروج پر تھی۔ ان رسومات میں بے شمار تفریحی مشاغل موجود تھے۔ ’پھول والوں کی سیر‘ کا میلہ دلی کی تہذیبی علامت تھا۔ ہندو مسلم سبھی اسے بڑی خوشی اور اہتمام سے مناتے تھے۔ ہندو بزرگان دین اور صوفیا کے مزارات پر اظہار عقیدت کے لیے حاضر ہوتے تو مسلمان ہندو رسومات وشعائر کا حد درجہ احترام کرتے تھے۔ عید، بقرعید، محرم، شب برات، عید میلادالنبی، ہولی، دیوالی، دسہرہ اور رام لیلا بڑے دھوم دھام سے منائے جاتے تھے۔ غرضیکہ میلوں اور تہواروں کا ایک سلسلہ جاری تھا۔ عرس وغیرہ بھی بے شمار ہوتے۔

تفریحی مشاغل میں کھیل تماشوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ عوامی دلچسپیوں، ذہنی وفکری رویوں کی ترجمانی میں کھیل تماشوں کا اہم کردار رہا ہے۔ دہلی کی معاشرتی زندگی میں تفریحی ساز وسامان کو سماجی حیثیت حاصل رہی۔ یہ تفریح سامان عام وخاص ہر ایک میں مقبول اور تفنن طبع کا واحد ذریعہ تھے۔ ان تفریحی دلچسپیوں نے طرز زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ چونکہ دہلوی تہذیب سلطنت کے زیر سائے پروان چڑھی تھی۔ لہٰذا ان تفریحات میں شاہانہ مزاج غالب ہے۔ شطرنج، کبوتر بازی، بٹیر بازی، مرغ بازی سے لے کر گھوڑ دوڑ، تیر اندازی، کشتی، تیراکی اور شکار بازی لوگوں کا اہم مشغلہ تھا۔ تفریح کے ساتھ ذہنی وفکری تربیت اور جسمانی ورزش بھی ان کے ذریعے انجام پاتی تھی۔ شعر وشاعری کی محفلیں بھی ذریعۂ تفریح تھیں۔ رقص وسرور اور قوالی کا اہتمام بھی بڑے ذوق وشوق سے کیا جاتا تھا جہاں شعرا وفن کار اپنی صلاحیتوں کا خوب مظاہرہ کرتے تھے۔

تفریحی امور کے ساتھ رسم ورواج کا طرز معاشرت پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ گویا رسم ورواج کسی قوم کی تہذیب کو ہی وضع نہیں کرتے بلکہ سماجی دستور بھی مرتب کرتے ہیں۔ رسم ورواج کا تعلق ان اعمال وافعال سے ہوتا ہے جن سے کوئی قوم یا معاشرہ اپنی شناخت قائم کرتا ہے۔ اہل دہلی نے مختلف رسوم کو برقرار رکھ کر ایک مشترکہ تہذیبی فضا قائم کی۔ پیدائش سے لے کر موت یعنی خوشی، غم اور شادی بیاہ کے موقعوں پر خاص رسوم کی ادائیگی جزو زندگی بن چکی تھی۔ ان مواقع سے پورا لطف اٹھایا جاتا تھا۔ نذر ونیاز کا اہتمام ہوتا اور تحفے تحائف بھی دیے جاتے تھے۔ اظہار خوشی کے لیے قیمتی لباس زیب تن کیے جاتے، لمبی لمبی ضیافتیں ہوتیں جن میں بے دریغ دولت صرف ہوتی تھی۔ پیدائش کی رسم بڑے اہتمام سے ادا کی جاتی بلکہ اس کا اظہار حمل کے ایام سے ہی ہونے لگتا تھا۔ پیدائش کے وقت عورت کو میکے بھیجنے کا رواج تھا۔ لڑکے کی پیدائش کو اچھا خیال کیا جاتا تھا۔ طفل نومولود کو پہلے پہل شہد دوسرے دن گھٹی تیسرے دن ماں کا دودھ پلایا جاتا تھا۔ چھٹی وعقیقہ بھی منایا جاتا اور اس موقع پر بدھ یا پیر کے دن زچہ کو نہلایا جاتا اور خوشی کے لیے ناچ گانے کا اہتمام بھی ہوتا تھا۔ مرنے والے کی موت پر اظہار غم کا رواج ہندو مسلم دونوں میں تھا جس میں گہری مماثلت تھی جو آج بھی رائج ہے۔ جان نکلتے وقت مردے کے قریب کھڑے ہو کر کلمہ کا ورد مسلمان خاص طور پر کرتے تھے جو آج بھی کیا جاتا ہے۔ ہندو رامائن اور گیتا کا ورد کرتے ہیں۔ میت کے متعلقین کو تسلی دلانے اور پرسہ دینے کا رواج تھا۔ موت کے تین دن کے بعد تیجا اور چالیس دن کے بعد چالیسواں کیا جاتا تھا اور مردے کے نام سے فاتحہ وایصال ثواب کا اہتمام ہوتا تھا جبکہ ہندوؤں میں تیرہویں کی رسم عام تھی۔ باپ کی موت پر بیٹے کو وارث بنایا جاتا تھا۔ اس دن گھر کے ذمے دار کے سر پر پگڑی باندھی جاتی اور مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا اور غریبوں میں تقسیم بھی کیا جاتا تھا۔ شادی کی تقریبات کو بھی سماجی حیثیت حاصل تھی۔ دلہن ودولہا دونوں کا انتخاب چھان بین کے بعد ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں خاندانی برابری کا خاص خیال رکھا جاتا۔ ہندو مسلم دونوں میں جہیز کی رسم عام تھی۔ جہیز نے گویا ایک امتیازی صورت اختیار کر لی تھی۔ بغیر جہیز کے شادی ہونا امر محال تھا۔ کم عمر میں شادی کرنا ہندو مسلم دونوں میں عام تھا۔ رشتے طے کرنے کا کام نائی یا نائن کرتی تھی۔ شادی کے معاملے میں لڑکا ولڑکی

اہل دہلی کی معاشرتی زندگی میں میلوں، تہواروں اور بزم آرائی کو سماجی حیثیت حاصل تھی۔ گویے، بھانڈ، قوال ہر طرف موجود تھے۔ میلوں کے ساتھ مزارات پر عرس منائے جاتے اور رقص وسرور کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ اس میں مرد، عورتیں اور امیر وغریب برابر شریک ہوتے تھے۔ بھانڈ اور نقال چوراہوں، گلی کوچوں میں سامان تفریح بنتے اور لوگوں کا دل بہلاتے تھے۔ معاشرے میں ظاہری رکھ رکھاؤ اور رسم پرستی عروج پر تھی۔ ان رسومات میں بے شمار تفریحی مشاغل موجود تھے۔ ’پھول والوں کی سیر‘ کا میلہ دلی کی تہذیبی علامت تھا۔ ہندو مسلم سبھی اسے بڑی خوشی اور اہتمام سے مناتے تھے۔

کے بجائے گھر کے بزرگ یا بڑوں کا فیصلہ ہی آخری ہوتا تھا۔ منگنی، مانجھا اور بارات کی رسومات پورے اہتمام سے انجام پاتیں جو ہندوستانی معاشرے میں آج بھی رائج ہیں۔ یہ تمام رسمیں سماجی و تہذیبی حیثیت کی حامل ہیں۔

رسم و رواج کسی معاشرے کی تشکیل و تزئین کا عمل انجام دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی سماجی رسوم اخلاق و عادات، طرز تکلم اور انداز گفتگو کو بلندی عطا کرتی ہیں۔ رہن سہن، آپسی رشتوں کا لحاظ اور خوش اخلاقی وغیرہ عناصر تہذیبی وضعداری کا اہم حصہ ہیں۔ ان کے بغیر کسی معاشرے کی تہذیبی شناخت مشکل ہے۔ اہل دہلی نے رسم و رواج اور تفریحی مشاغل کو ہی برقرار نہیں رکھا بلکہ مہذب انداز کو بھی بڑے پیمانے پر فروغ دیا۔ خوش مزاجی، ملنساری اور سلیقہ شعاری ونفاست پسندی دہلوی معاشرت کا طرۂ امتیاز تھا۔ خلوت سے لے کر جلوت اور محفل سے لے کر مجلس تک آداب و مراتب کا حد درجہ خیال رہتا تھا۔ بات کاٹ کر بات کہنا معیوب اور بلند آواز سے بولنا بے ادبی سمجھا جاتا تھا۔ مزاج پرسی اور شکریہ کے لیے حاض الفاظ والقاب، تہذیبی وضعداری کا نشان تھے۔ سماجی رشتوں اور آپسی تعلقات میں رواداری برتی جاتی تھی۔ اٹھنے بیٹھنے میں تہذیب وشائستگی کا ثبوت دیا جاتا تھا۔ پیر پھیلا کر بیٹھنا خلاف ادب اور معیوب سمجھا جاتا تھا۔ ملاقاتیوں کے روکنے اور بیٹھانے کے منفرد انداز تھے جن میں تسلیم و آداب کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا۔

اس طرح مہذب طرز تکلم اور شائستہ انداز تخاطب نے بھائی چارے، اخوت انسانی، ہمدردی اور غمخواری کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ اس خوشگوار ماحول میں ہر ایک دوسرے کا شریک تھا۔ دوسرے کی پریشانی کو اپنی پریشانی محسوس کرتا۔ لوگوں میں دکھاوا یا ناموری نہیں تھی۔ عزت و ناموس کا لحاظ اور پردہ کا خاص اہتمام تھا۔ دیوان خانے نشست و برخاست کی جگہ تھے لیکن ان میں عورتوں کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ خاندانی نظام نہایت منظم تھا۔ ہر آدمی اپنے کنبے کے لیے وفادار ہوتا اور خاندان کی خاطر اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کرتا تھا۔ کنبے کے علاوہ لوگوں میں انسانیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی جس میں اپنے پرائے اور ہندو مسلم کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ امیری و غریبی بھی اس میں حائل ہونے سے قاصر تھی۔ اس ہمہ جہت اخوت پرستی نے نہ صرف گھریلو رشتوں اور خاندانی نظام کو خوشگواری بخشی بلکہ خارجی وسماجی روابط اور اعلیٰ انسانی رشتوں اور اقدار کو مضبوطی بھی عطا کی۔ اس آپسی تعلق میں ہر بیگانہ اپنا نظر آتا تھا۔ محفلیں بارونق اور مجلسیں آباد تھیں۔

مجلسی آداب، خوش خلقی و خوش اطواری کا جو اعلیٰ نمونہ اہل دہلی نے پیش کیا تھا اس کا قائم رہنا مشکل امر تھا۔ حالانکہ یہ ایک تدریجی عمل کے ذریعے وجود میں آیا اور وقت کے ساتھ زوال پذیر ہوتا گیا۔ اس لیے کہ سیاسی و اقتصادی سطح پر ہندوستانی نظام درہم برہم ہونے لگا تھا۔ کسب معاش اور تلاش روزگار کے مسائل درپیش تھے جہاں افراد کے سامنے نئے انداز و جدید افکار سے مقابلہ وقت کا اہم تقاضا تھا۔ ظاہر ہے ایسے پرفتن اور پرآشوب دور میں روایتی تہذیبی ورثے کا تحفظ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ چنانچہ مغلیہ تہذیب اپنی شناخت کھونے لگی اور دہلوی معاشرے میں تہذیبی قدریں دم توڑنے لگیں۔

ادھر انیسویں صدی سے لے کر بیسویں صدی کے نصف اوّل تک کئی سیاسی تجربے، متعدد انقلابات اور مختلف اصلاحی تحریکات رونما ہو چکی تھیں جنھوں نے معاشرت کا تصور یکسر بدل دیا تھا۔ اس تہذیبی کشمکش سے اہل دہلی اپنا دامن نہ بچا سکے۔ تہذیبی رکھ رکھاؤ اور ادب وشائستگی ختم ہوتی جارہی تھی۔ اٹھنے بیٹھنے کے طور انگریزی انداز میں ڈھلتے جارہے تھے۔ اس کے باوجود ابھی کچھ ایسے افراد بھی موجود تھے جن کے دم سے تہذیبی شناخت قائم تھی۔ ان کی پرورش و پرداخت بھی اقدار عالیہ کے زیر اثر ہوئی تھی اور اس وضع قطع اور اعلیٰ ظرفی کا ثبوت وہ خود تھے۔ ان کی تصانیف میں دہلی کی تہذیبی جھلکیاں جابجا نظر آتی ہیں۔ وہ علم میں یکتا، اوصاف وشمائل میں یگانہ، ادب پرور، دلنواز اور غمگساری میں بے مثال تھے۔ بیسویں صدی کی دہلوی تہذیب کے نمائندوں اور مشترکہ کلچر کے ترجمانوں کے حوالے سے مہیشور دیال نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”تفتہ، مجروح، داغ، حالی، آرزو نوبت رائے اور راسخ کی صحبتوں کے بعد ایک نئی فضا دلی میں قائم ہو چکی تھی اور مشترکہ تہذیب نئے رنگ میں ابھر رہی تھی۔ گھر گھر ہولی کی رنگ پاشیوں میں مسلم دوستوں کو بلایا جاتا تھا۔ جنم اشٹمی کے تہوار پر رقص و موسیقی کی محفلوں میں مسلم موسیقار استادوں اور پنڈتوں کو دعوت دی جاتی تھی۔ عیدالفطر کے موقع پر مسلم گھروں میں کئی کئی دنوں تک ہندوؤں کی دعوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ حکیم اجمل خاں کی شریف منزل بلی ماران میں، مولانا احمد سعید دہلوی کی حویلی کوچہ طاہر خاں میں، آصف علی کی کوچہ چیلان میں، خواجہ عبدالمجید کی حویلی ٹیا محل میں، ملا واحدی کا مکان نزد جامع مسجد دہلی، چھنامل والوں کی کوٹھی چاندنی چوک میں، نواب سائل دہلوی کی حویلی، لال دروازہ، لال کنویں پر اور سر شری رام اور شنکر لال کی کوٹھی کرزن روڈ پر چند ایسے ہی مرکز تھے جہاں سخن گو اور سخن فہم حضرات اکٹھا ہوتے او رشعر و شاعری بھی ہوتی اور دوسرے موضوعات زندگی پر گفتگو بھی ہوتی۔“[1]

اہل دہلی نے رسم و رواج اور تفریحی مشاغل کو ہی برقرار نہیں رکھا بلکہ مہذب انداز کو بھی بڑے پیمانے پر فروغ دیا۔ خوش مزاجی، ملنساری اور سلیقہ شعاری ونفاست پسندی دہلوی معاشرت کا طرۂ امتیاز تھا۔ خلوت سے لے کر جلوت اور محفل سے لے کر مجلس تک آداب و مراتب کا حد درجہ خیال رہتا تھا۔ بات کاٹ کر بات کہنا معیوب اور بلند آواز سے بولنا بے ادبی سمجھا جاتا تھا۔ مزاج پرسی اور شکریہ کے لیے حاض الفاظ والقاب، تہذیبی وضعداری کا نشان تھے۔ سماجی رشتوں اور آپسی تعلقات میں رواداری برتی جاتی تھی۔ اٹھنے بیٹھنے میں تہذیب وشائستگی کا ثبوت دیا جاتا تھا۔

شعروشاعری کے ساتھ دہلوی تہذیب میں جن تفریحی مشاغل کو معاشرتی حیثیت حاصل رہی ان میں موسیقی، رقص وسرور، لوک گیت اور قوالی کی محفلیں بھی سرفہرست تھیں۔ یہ لطف اندوزی اور خوش طبعی کا ذریعہ خیال کی جاتی تھیں لیکن ان کے اندر شعریت اور ادبیت کا گہرا شعور موجود تھا۔ مختلف تقریبات میں پڑھے جانے والے اشعار، خوشی کے موقعوں پر گائے جانے والے گیت اس کا کھلا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ شادی کے موقعے پر سہرہ پڑھنا عوامی اظہار کا اہم وسیلہ تھا۔ قوالی نہایت پسندیدہ تھی۔ خانقاہوں اور صوفیا کی مجالس میں سماع کا دور چلتا جن میں فارسی کلام کے ساتھ ہندی اور اردو کے اشعار بھی محفل سماع کو رونق بخشتے تھے۔ اس طرح شعروسخن کی مختلف محفلیں آراستہ کرنا دہلوی معاشرت کا مزاج تھا۔ وقتاً فوقتاً ہونے والی شعری معرکہ آرائیوں اور داستان گوئی نے دہلی کی ادبی فضا کو مختلف رنگ وروپ میں ڈھالا۔ یہ عوامی اظہار اور مختلف شعری احساس وآہنگ بلاشبہ فنی وادبی ذوق کے آئینہ دار ہے۔ نعت، منقبت، سلام اور حمد وغیرہ اصناف کو رواج دینے میں قوالی اور محفل سماع کا خاصا کردار رہا ہے۔ محفل سماع سے متعلق خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''ہندی اشعار بھی خانقاہ میں اکثر گائے جاتے تھے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیا پر ایک بار ہندی اشعار سن کر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ خانقاہوں میں ایک رسم سماع تھی دہلی میں اس کا رواج قاضی منہاج اور قاضی حمید الدین ناگوری اور قطب صاحب کی کوششوں سے ہوا۔ ایک دن شیخ علی کی خانقاہ میں محفل سماع گرم تھی شیخ قطب الدین بختیار کا کی وہاں موجود تھے قوال نے احمد جام کا یہ شعر کہا۔ع

کشتگان خنجر تسلیم را: ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

قطب صاحب پر کیفیت طاری ہوگئی اور چار دن تک یہی حال رہا۔ پانچویں دن یہ شعر سنتے سنتے جان، جان آفریں کے سپرد کری۔ ان کے بعد سماع کی روایت دلی میں اس قدر مستحکم ہوگئی کہ بادشاہوں نے علما کے زیر اثر اس کو ختم کرنا چاہا تو کامیابی نہ ہوئی۔''[2]

دہلی کے ادبی ماحول کو سازگار بنانے میں مشاعروں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ دیگر تہذیبی عناصر کے ساتھ مشاعرے بھی دہلوی تہذیب میں سماجی، معاشرتی اور اجتماعی قدر کے حامل رہے ہیں۔ ادبی مرکز کے باوجود مشاعروں کے ذریعے باہمی ارتباط کا عمل بھی بخوبی انجام پاتا رہا ہے۔ شعری مزاج اور شاعرانہ طبیعت کے سبب مشاعروں میں لوگ بڑی تعداد میں شریک ہوتے اور شعرا کے کلام سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ عمدہ اشعار پر داد تحسین سے نوازتے اور شعرا کی حوصلہ افزائی بھی کرتے۔ اس شعری شوق میں امیر وغریب کا امتیاز نہ تھا۔ چھوٹا بڑا بلا کسی تردد کے مشاعروں میں جاتا اور لطف اندوز ہوتا تھا۔ درباری رکھ رکھاؤ میں مشاعروں کا انتظام بڑے اہتمام سے کیا جاتا تھا۔ بادشاہ وامرا ان مشاعروں کی قیادت کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔ شعرا کو انعام واکرام سے بھی سرفراز کیا جاتا تھا۔ یہاں شعرا کا کلام گہرا شعری ماحول پیدا کرتا تھا۔ شعری مقابلے ہوتے اور برجستہ اشعار موزوں کیے جاتے تھے۔ ان مشاعروں کا اہتمام آج بھی کسی نہ کسی صورت میں کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ مشاعرے دہلی کی ادبی فضا کا جیتا جاگتا ثبوت رہے ہیں جن کی معاشرتی، سماجی، اجتماعی اور سب سے بڑھ کر ادبی حیثیت مسلم ہے۔ مشاعروں کے ساتھ ادبی نشستوں کو اہمیت حاصل رہی ہے۔ نورالحسن ہاشمی لکھتے ہیں:

خانقاھوں اور صوفیا کی مجالس میں سماع کا دور چلتا جن میں فارسی کلام کے ساتھ ہندی اور اردو کے اشعار بھی محفل سماع کو رونق بخشتے تھے۔ اس طرح شعروسخن کی مختلف محفلیں آراستہ کرنا دھلوی معاشرت کا مزاج تھا۔ وقتاً فوقتاً ھونے والی شعری معر کہ آرائیوں اور داستان گوئی نے دھلی کی ادبی فضا کو مختلف رنگ وروپ میں ڈھالا۔ یہ عوامی اظہار اور مختلف شعری احساس وآھنگ بلاشبہ فنی وادبی ذوق کے آئینہ دار ھے۔ نعت، منقبت، سلام اور حمد وغیرہ اصناف کو رواج دینے میں قوالی اور محفل سماع کا خاصا کردار رھا ھے۔

''شاعری کا امیر سے لے کر غریب تک چرچا تھا اور یہ چرچا دو وجہوں سے عام ہوا۔ خاص وجہ مشاعرہ یا مراختہ تھی عام وجہ قوالی اور رقص وسرود کی محفلیں۔ مشاعرہ جہاں صلاحیت اور تعداد کے اظہار کا میدان تھا وہاں دلچسپی، گرمیِ محفل اور عام ملاقات کی جگہ بھی۔ شاعروں کا مجمع بھی اپنی نوعیت کا تمام دنیا میں یکتا ہی ہے جو خود شاعری نہیں کرتے تھے وہ دلچسپی ہی لیتے تھے اور یہ دلچسپی کچھ ایسی معمولی دلچسپی نہ تھی بلکہ ان کی شعروشاعری کا مذاق بھی تربیت پاتا تھا۔ قوالی اور رقص وسرود کی محفلوں نے شعروشاعری کے چرچے کو سب سے زیادہ عام کیا۔ خواہ یہ محفلیں صوفیا کے آستانوں پر ہوتی ہوں یا شاہوں اور امیروں کے دربار میں۔ اچھی غزلیں دونوں جگہ سے نکل کر بازار میں عام ہوجاتی تھیں۔ حتیٰ کہ بے پڑھے لکھے لڑکے بھی انھیں کو الاپا کرتے۔ غزل کی مقبولیت اور غزل کی بدولت شعروشاعری کی مقبولیت بہت کچھ اسی رقص وسرور اور قوالی کی رہین منت ہے۔''[3]

مختصر یہ کہ جدید معاشرے میں قومی روایات اور تہذیبی و ادبی قدریں تاریخ کا ایک باب بنتی جارہی ہیں اور نئی نسل کے لیے ان اقدار و روایات کا تحفظ قدرے مشکل ہوتا جارہا ہے۔ اس کے باوجود نثر نگاران دہلی کی تخلیقات میں موجود تہذیبی و ادبی عناصر کی جھلکیاں قاری کے ذہن ودماغ کو منور کرتی رہیں گی۔ دہلی سے وابستہ قلم کاروں اور نثر نگاروں کی ایک لمبی فہرست ہے جو آج بھی اپنی تخلیقی قوت، فکری متانت کے توسط سے دہلی کے ادبی وتہذیبی ورثے میں نئے تجربوں کے ساتھ دبستان دہلی کے ادبی ماحول کو جلا بخش رہے ہیں۔ اس کے دوش بدوش دہلی کے تہذیبی وادبی ورثے کے تحفظ میں دہلی کے تعلیمی اداروں اور جامعات کی خدمات بھی لائق ذکر ہیں۔ ان اداروں میں اردو زبان وادب کی تدریس کے ساتھ مختلف موضوعات پر مبنی تحقیق وتنقید سے متعلق عظیم سرمایہ وجود میں آرہا ہے۔ اداروں سے وابستہ اساتذہ نے ادبی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں جہاں شعرونثر کی ہمہ جہت ترقی کے ساتھ ادبی وتہذیبی عناصر بھی زیر بحث رہے ہیں۔ معلمین کی نگرانی میں تحقیقی سرگرمیاں بھی جاری ہیں۔ جامعات اور اکادمیوں میں شعروادب پر مبنی کلاسیکی ادب اور نایاب کتب کی تدوین وتالیف کا عمل بھی انجام پا رہا ہے۔ ساتھ ہی شعرونثر کے تہذیبی، سماجی، لسانی اور فنی مطالعے بھی کیے جا رہے ہیں جہاں شعرونثر کی اہمیت وافادیت کے ساتھ مطالعۂ ادب کے نئے امکانات سامنے آرہے ہیں۔ ان جامعات کے تحقیقی، تنقیدی اور تعلیمی ماحول نے نہ صرف شعرونثر کی سمت ورفتار کو تیز کیا بلکہ دہلی کی ادبی، تہذیبی روایت کو بھی برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ جامعات کی یہ پیش رفت اردو زبان وادب کے تحفظ اور اس کے روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔ سرزمین دہلی میں شعروادب اور تہذیب وثقافت کی تشہیر میں یہ ادارے خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔

حواشی

1. مہیشور دیال، عالم میں انتخاب دلی، اردو اکادمی دہلی 1987، ص 165-166
2. خلیق احمد نظامی، دلی تاریخ کے آئینے میں، آدم پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹر، جامع مسجد دہلی، 1989، ص 46
3. نورالحسن ہاشمی، دلی کا دبستان شاعری، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ 1997، ص 80-79

■

Mohd Raza Ali, C/o Ali Taqi, F-12/A, Ground Floor, Kailash Colony, New Delhi-110048.
E-mail: ali.razajnu@gmail.com

محمد کوثر

ٹیلی ویژن کے اردو پروگرام: اہمیت وتشکیل

جدید ذرائع ابلاغ (Media) میں ٹیلی ویژن ایک بہت اہم ذریعہ ہے۔ ٹی وی کے ذریعے ہم دیکھ اور سن سکتے ہیں۔ اس کی رسائی بیشتر عوام تک ہے اور یہ ہماری زندگی کا ایک اہم حصہ ہے جس کے پروگرام معاشرے کے تمام طبقات دیکھتے ہیں مزید اس کا اثر سماج کی سوچ پر پڑتا ہے۔ ٹیلی ویژن نہ صرف تفریحی پروگرام پیش کرتا ہے بلکہ یہ لوگوں میں علم و ہنر، شعور اور انسانی بیداری بھی پیدا کرتا ہے۔ ایک طرف یہ سماج میں برائی اور بے راہ روی کا سبب ہے دوسری طرف یہ انسانوں کے اندر شعور، علمی قابلیت، تعلیم و ہنر کے فروغ میں نہایت اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

ہندوستان میں ٹیلی ویژن کی مقبولیت اور اس کا استعمال زیادہ ہے کیونکہ یہ متوسط طبقہ اور غریب عوام کی دسترس میں ہے۔ جہاں مختلف زبانوں اور علاقائی ٹی وی چینلز موجود ہیں۔ ہر ایک چینلز کی اپنی حکمت عملی اور اپنے مقاصد ہوتے ہیں جس پر قائم رہتے ہوئے یہ ادارے اپنے پروگرام نشر کرتے ہیں۔ اسی طرح عوام کے اندر بھی مختلف طبقوں اور مذاہب کے لوگ اپنے پسندیدہ اور ضرورت کے حساب سے متعدد ٹی وی چینلز دیکھتے ہیں۔ یہ چینلز علاقائی زبانوں کے علاوہ انگریزی، ہندی اور اردو زبان پر مشتمل اپنے پروگرام پیش کرتے ہیں۔ ان کے ناظرین کی تعداد لاکھوں کروڑوں میں ہوتی ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ان چینلز کے لیے بنے پروگرام کا معیار اور پیش کش اعلیٰ اور بہترین ہوتا کہ عوام کے ذہنوں پر اچھا اثر پڑے۔

اردو زبان میں بنائے جانے والے ٹی وی یا ویڈیوز چاہے وہ تفریحی ہوں یا ادبی ونصابی۔ تمام پروگرام مختلف ضروری نکات کو مدنظر رکھ کر بنائے جاتے ہیں۔ اگر پوچھا جائے کہ ہندوستان میں ریڈیو یا ٹی وی کی زبان عام طور سے کیا ہے تو لوگ اس کو ہندی کہیں گے مگر حقیقتاً یہ زبان آزادی کے بعد سے موجودہ دور تک ہندوستانی ہے جس میں زیادہ تر اردو زبان کے الفاظ و بول چال کا اثر کہا جائے تو بہتر ہوگا اردو زبان کی شیرینی، نزاکت، جملوں کی ساخت اور ذہن کو لبھانے والے الفاظ عوام کے دل و دماغ پر اچھا اثر ڈالتے ہیں۔ اگرچہ یہ پروگرام خالصتاً اردو نہیں ہوتے بلکہ ہندوستانی زبان میں ہوتے ہیں جس میں ہندی اور اردو ملی جلی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ خالص اردو زبان استعمال کرتے ہوئے ویڈیو۔ٹی وی پروگرام بھی بنائے جاتے ہیں جن کا مقصد اردو داں طبقے کو تفریح کے علاوہ اردو زبان وادب سے روشناس کرانا اور اردو نصابی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔ اردو کے ان پروگرام کو تشکیل دینا اور ان کے مقاصد ان کی نوعیت کے حساب سے علیحدہ ہوتے ہیں جس کے لیے اصولوں اور مقاصد کو مدنظر رکھ کر اردو ٹی وی پروگرام بنانا چاہیے۔

اردو زبان وادب پر پروگرام بنانے کے لیے کئی مراحل ہیں اور یہ دو طرح کے ہوتے ہیں: پہلا نصابی جو کہ کسی اسکول و یونیورسٹی کے طلباء کے نصاب کو مدنظر رکھتے ہوئے تدریسی مقصد سے بنائے جاتے ہیں جبکہ دوسری طرح کے پروگرام غیر نصابی ہیں۔ معلوماتی، علم و ہنر، مختلف موضوعات جو کہ کسی کورس پر منحصر نہ ہو کر علم و ادب کے فروغ اور ان کی معلومات کو عوام تک پہنچانے کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ ان میں شعر وادب، قوالی، مشاعرہ، ماہرین اردو کے درمیان کسی موضوع پر مباحثہ، گفتگو، تقاریر، ڈرامہ و دیگر فارمیٹ کے پروگرام شامل ہیں۔

ہمارے ملک میں سیکڑوں ٹیلی ویژن چینلز ہیں۔ بیشتر علاقائی زبانوں کے چینلز موجود ہیں جن میں مختلف زبانوں کے پروگرام نشر ہوتے ہیں ان میں کچھ چینلز اردو کے لیے مخصوص ہیں اس کے علاوہ بہت سے دیگر چینلز پر اردو پروگرام کے اپنے Slots ہیں جو پوری طرح اردو زبان کے لیے وقف ہوتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اردو زبان میں ٹی وی پروگرام بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ ہندوستان ایک کثیر اللسان ملک ہے جہاں متعدد زبانیں بولی و سمجھی جاتی ہیں۔ ان زبان کے افراد لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں ہوتے ہیں۔ اس طرح ہندوستان میں کروڑوں افراد موجود ہیں جن

کی مادری زبان اردو ہے اور وہ اردو زبان میں لکھتے، بولتے اور سوچتے ہیں یعنی ان کی سوچ سمجھ اور بول چال سب اردو میں ہوتی ہیں ایسے لوگوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیمی، علمی، سماجی و تفریحی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مادری زبان کو ذریعہ بنانا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ ان تک معلومات و تمام اطلاعات پہنچائی جاسکیں۔ اس کے لیے اردو زبان میں ٹی وی پروگرام بنانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ کیونکہ ٹی وی ہمارے سماج کا ایک اہم ذریعہ ہے اور اس کی دسترس سماج کے تمام طبقات تک آسانی سے ہو جاتی ہے۔

اردو زبان میں مختلف ٹی وی چینلز مختلف ضرورتوں کے پیش نظر اپنے پروگرام نشر کرتے ہیں۔ مثلاً کچھ چینلز پر تفریحی پروگرام، کچھ پر خبریں و کچھ پر نصابی و معلوماتی پروگرام نشر ہوتے ہیں۔ ایسے میں ایک اہم مسئلہ یہ اٹھتا ہے کہ اردو زبان میں معیاری پروگرام بنانے کا طریقہ کار کیا ہونا چاہیے کیونکہ عام طور سے اردو میں پروگرام بنانے والے اکثر ہدایت کار و پروڈیوسر زبان اور اس کی انفرادی خصوصیات سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ اردو میں پروگرام تو بنا دیتے ہیں مگر ان کے اندر زبان کی چاشنی اور مٹھاس و انفرادی خصوصیات کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے اور یہ پروگرام معیار پر کھرے نہیں اترتے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ایک ہدایت کار اردو پروگرام بناتے وقت زبان کی چاشنی و خصوصیات کو مدنظر رکھے۔ اس کے لیے اس کو پروگرام بنانے میں درپیش مختلف ضروری اقدامات پر عمل کرنا چاہیے۔

اردو پروگرام بنانے کے مراحل میں سب سے اوّل موضوع کی تلاش و ضرورت ہوتی ہے۔ مختلف موضوعات میں سے حسبِ ضرورت موضوع کا انتخاب کر لینے کے بعد اس پر تحقیق کرنا ضروری ہے۔ مزید یہ معلوم ہو کہ پروگرام کے ناظرین Target audience کون ہیں اور ان کو پروگرام کے ذریعے کیا پیغام دیا جانا ہے۔ اس مسئلے کے لیے موضوع کے ماہر کی خدمات حاصل کرنا اچھا ہوتا ہے۔ اس مرحلے سے گزرنے کے بعد اسکرپٹ لکھی جاتی ہیں جس میں پروگرام کے تمام نکات تفصیل سے لکھے ہوتے ہیں۔ مزید اگر پروگرام ڈرامہ یا فیچر فلم ہے تو ڈائیلاگ یا مکالمے لکھنا بھی ضروری ہے جس کو ہم اسکرین پلے کہتے ہیں۔ اگر پروگرام بحث و مباحثہ یا لیکچر ہے تو اس کے اہم نکات لکھ لینا ضروری ہے اور اگر ڈاکومینٹری فلم ہے تو اس کے لیے اسکرپٹ کا ہونا مزید In vision & out of vision کمنٹری کا ہونا بھی ضروری ہے۔ نصابی اردو پروگرام بنانے کے لیے نصاب سے متعلق موضوع کو منتخب کرنے کے بعد اس کی تدریسی ضروریات اور اس درجہ کے طلبا کے ذہنی معیار کو مدنظر رکھتے

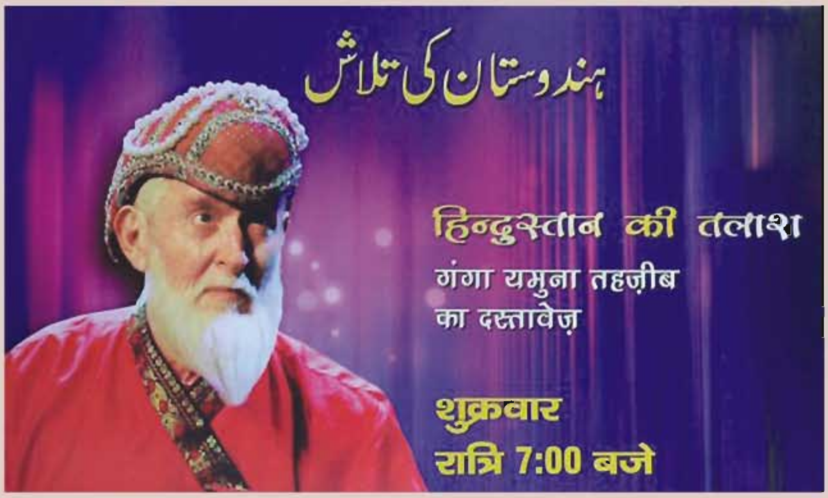

ہوئے اسکرپٹ لکھی جاتی ہیں۔ ہر پروگرام بنانے سے پہلے بجٹ کا بنانا لازمی ہے جس کی مدد سے فنڈ اور پروگرام کی مختلف ضرورتوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ نصاب سے متعلق پروگرام کے لیے نصاب کے ماہر استاد کی خدمات ضروری ہے جو یہ طے کرتا ہے کہ طے شدہ پروگرام کی مدت اور اس میں نصاب سے متعلق کتنے علمی و تعلیمی جز کی ضرورت ہے اور اس کو طلباء تک پہنچانے کے لیے نصابی اسکرپٹ تیار کرنا ضروری ہے جو وہ پروڈیوسر/ ڈائرکٹر کو دیتا ہے۔ دونوں مل کر پروگرام کا فارمیٹ یا طریقہ ادائیگی بناتے ہیں یعنی اس پروگرام کو ٹی وی پر کس طرح پیش کیا جائے گا۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ طلباء کی علمی ذہنی کیفیت اور ان کی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے پروگرام تشکیل دیا جانا چاہیے تاکہ ان کے اندر دلچسپی برقرار رہے اور ناظرین پر ذہنی بوجھ کم سے کم ہو۔ عام طور سے یہ مشاہدہ ہوا ہے کہ نصابی پروگرام بناتے وقت نصاب کے اوپر زیادہ دھیان رکھا جاتا ہے اور طلباء کی نفسیات و دلچسپی پر کم،

عام طور سے اردو میں پروگرام بنانے والے اکثر ہدایت کار و پروڈیوسر زبان اور اس کی انفرادی خصوصیات سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ اردو میں پروگرام تو بنا دیتے ہیں مگر ان کے اندر زبان کی چاشنی اور مٹھاس و انفرادی خصوصیات کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے اور یہ پروگرام معیار پر کھرے نہیں اترتے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ایک ہدایت کار اردو پروگرام بناتے وقت زبان کی چاشنی و خصوصیات کو مدنظر رکھے۔ اس کے لیے اس کو پروگرام بنانے میں درپیش مختلف ضروری اقدامات پر عمل کرنا چاہیے۔

جس کی وجہ سے عموماً یہ پروگرام غیر دلچسپ ہو جاتے ہیں۔ دلچسپی سے یہاں تفریح کا مفہوم نہ لے کر پروگرام کی پیش کش کو بہترین اور موثر انداز میں رکھنا ضروری ہے۔ پروگرام کی اسکرپٹ اور ضروری تحقیق کے بعد دیگر مسائل کو حل کرنا ضروری ہوتا ہے مثلاً ساز و سامان Locations جہاں شوٹنگ ہوتی ہیں، پروگرام کے شرکاء و اداکار، شوٹنگ کا عملہ و کیمرہ، لائٹ و دیگر ضروری چیزیں۔ مزید تمام لوگوں کو ان کی خدمات کا علم ہونا چاہیے تاکہ شوٹنگ کے دوران کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔ اسکرپٹ کے مطابق شوٹنگ کے دوران اداکاروں و دیگر شرکا ڈائیلاگ کی ادائیگی اور تلفظ پر خاص نظر رکھنی چاہیے۔ عام طور سے لوگ اردو کے الفاظ بولتے ہوئے غلط تلفظ ادا کرتے ہیں جو کہ نہایت خراب مانا جاتا ہے۔

شوٹنگ مکمل ہونے کے بعد شوٹنگ ٹیپس کا دیکھنا ضروری ہے اس کے بعد ان کی Q شیٹ بنائی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپ کے کس حصے میں کون سا شاٹ موجود ہے جس کی مدد سے ایڈیٹنگ کے دوران کافی مدد ملتی ہے۔ مختلف ساؤنڈ اور ویڈیو افیکٹس کی مدد سے پروگرام ایڈٹ کیا جاتا ہے۔ پروگرام مکمل ہو جانے کے بعد دوبارہ اس کا Preview ہوتا ہے جس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ پروگرام کا معیار کیسا ہے اور موضوع کی مناسبت سے کیسا بنا ہے۔ اگر کوئی کمی باقی رہ گئی جس کو شامل کرنا ضروری ہے تو اس کمی کو پورا کیا جانا چاہیے۔ اگر پروگرام نصابی یا تعلیمی نوعیت کا ہے تو موضوع کے ماہر استاد یا ماہر سے Content O.K سرٹیفکیٹ لینا چاہیے جو یہ پروگرام دیکھنے کے بعد یہ ذمے داری لیتا ہے کہ اس پروگرام میں تعلیم و موضوع کے حساب سے تمام نکات کو شامل کیا گیا ہے اور کوئی غلط اطلاع نہیں دی گئی ہے۔

■

Mohd Kausar, Programme Officer, IGNOU, Maidan Garhi, New Delhi - 110068

سوائن فلو (ایچ 1 این 1)

آپ خود کو اور اپنے اہل خانہ کو سوائن فلو سے محفوظ رکھیں۔

علامات کو پہچانیے:

- بخار اور کھانسی، گلے میں خراش، بہتی یا بند ناک، سانس لینے میں تکلیف، دوسری علامات بدن درد، سر درد، تھکان، کپکپی، دست، الٹی، بلغم میں خون آنا بھی ہو سکتے ہے۔

کیا کریں اور کیا نہ کریں:

یہ کریں:

- چھینکتے اور کھانستے وقت اپنے منھ اور ناک کو رومال یا کپڑے سے ضرور ڈھک لیں۔
- ہمیشہ اپنے ہاتھ صابن اور پانی سے دھوئیں۔
- ناک آنکھ یا منھ کو نہ چھوئیں۔
- بھیڑ بھاڑ والی جگہوں سے بچیں، فلو سے متاثرہ لوگوں سے ایک ہاتھ سے زیادہ کی دوری پر رہیں۔
- بخار، کھانسی اور گلے میں خراش ہو تو عوامی جگہوں سے دور رہیں۔
- خوب پانی پیئیں اور غذائیت سے بھرپور خوراک لیں۔
- پوری نیند لیں۔

یہ نہ کریں:

- ہاتھ نہ ملائیں، گلے نہ لگیں یا جسمانی تعلق بنانے والے آداب سے بچیں۔
- عوامی جگہوں پر نہ تھوکیں۔
- ڈاکٹر کی صلاح کے بغیر دوا نہ لیں۔

مزید جانکاری کے لیے رابطہ کریں: 011-23921401

آؤٹ بریک مانیٹرنگ سیل
امراض کی روک تھام کا قومی مرکز، دہلی

davp 17102/13/0058/1415

مختلف اسپتالوں اور میڈیکل اسٹوروں میں دوا موجود ہے۔
تفصیل: اس ویب سائٹ mohfw.nic.in دی گئی ہے۔

وزارت برائے صحت اور خاندانی بہبود
حکومت ہند

تبصرہ وتعارف

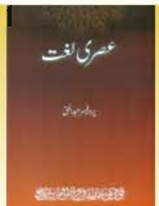

عصری لغت

مصنف: پروفیسر عبدالحق

صفحات: 757 قیمت: 240 روپے، سنہ اشاعت: 2014

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مبصر: محمد طارق صدیقی، این 139۔ بی، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی

ثقافتی علامتوں کی فرہنگ اور لفظ ومعنی کے نئے مفاہیم سے آراستہ لغات کا تقاضا پہلے سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ متن کی تفہیم عدم توجہی سے دوچار ہے۔ وقت کی تنگی، فاصلوں میں زیادتی، کلاسوں سے طلبا کی بے اعتنائی اور اساتذہ کی بے التفاتی نے گھروں کے ماحول کو دارالمطالعہ میں بدل دیا ہے۔ ان بدلے ہوئے حالات میں متن کے مطالعے کے لیے حوالے کی کتابیں بہت ضروری بن گئی ہیں۔ جن میں فرہنگ کی ضرورت شاید سب سے زیادہ توجہ طلب ہے۔

اردو نے اپنا ادبی سفر شروع کیا تو تحریر بھی اسے محفوظ کرتی گئی۔ اردو کتابوں کے عظیم ذخیرے پر ہم فخر کرتے ہیں۔ اردو میں مختلف علوم وفنون کی کتابوں کو منتقل کرنا اور معیاری مسودوں کو طباعت کے مراحل سے گزار کر عوام تک پہنچانا اردو دانشوروں کی اہم ذمے داری ہے۔ قومی کونسل نے مختلف موضوعات پر بہت ساری کتابیں شائع کی ہیں۔ اصطلاحات اور لغات پر بھی توجہ دی ہے۔ پرانی لغات اردو کے لسانی وادبی سند اور حوالوں کے لیے بہت ضروری اور کارآمد ہیں۔ لیکن روز بہ روز زبان کا دائرہ بڑھتا جارہا ہے۔ نئے الفاظ، تراکیب اور اصطلاحات میں اضافہ ہورہا ہے۔ ہر زندہ زبان کی یہ خوبی ہے کہ اس میں تغیرات کی گنجائش رہتی ہے۔ اس بارے میں 'عصری لغت' کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

پروفیسر عبدالحق محتاج تعارف نہیں ان کی شہرت پورے ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ بیرون ملک بھی ہے۔ ان کے کام کا دائرہ پھیلا ہوا ہے کلاسیک پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔ تذکروں اور تاریخ سے ان کی دلچسپی کے بعد لغت کا یہ کارنامہ اہمیت کا حامل ہے۔ عصری لغت میں ابتدائی سے اعلیٰ درجات کے نصاب میں شامل الفاظ، محاورات، ضرب المثل، کہاوتوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ خاص طور پر مختلف اصناف ادب جیسے انشائیہ، ناول، خاکہ نگاری، تاریخ، افسانہ، ڈرامہ، تحقیق وتنقید، غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، نظم جدید وآزاد نظم، نظم معرا وغیرہ میں مستعمل الفاظ کو ان کی افادیت کے پیش نظر اس لغت میں شامل کیا گیا ہے۔ اس طرح اس کی حیثیت ایک نصابی لغت کے طور پر بھی ہے۔

عصری لغت میں بیشتر لغات سے استفادہ کیا گیا ہے اور اکتساب فیض بھی جیسے فیروز اللغات، لغات کشوری، فرہنگ آصفیہ وغیرہ۔

آزادی کے بعد ہندوپاک کے سرکاری ونیم سرکاری اداروں کی توجہ سے فرہنگ نگاری میں قابل رشک اضافہ ہوا ہے۔ یہ ضخامت اور علمی قدروقیمت میں بے مثل ہیں۔ مگر بازاروں میں عام طور پر قدیم لغات کے نئے اشاعتی ذخیرے نے ایک انقلاب برپا کردیا ہے۔ زبان دانی اور بہتر سے بہتر تہذیبی اظہار کی طرف اب زیادہ توجہ دی جارہی ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک ہوں یا ترقی پذیر، سب کی نشریات میں کہیں نہ کہیں اردو کو مقام ضرور حاصل ہے۔ دنیا کا کوئی ادارہ اردو بولنے اور سمجھنے والی اتنی بڑی آبادی کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ عالمگیر سطح پر اس طبقے کو دو تین زبانوں کے بعد سب پر سبقت حاصل ہے۔ اجمالی طور پر فرہنگ ایک ناگزیر علمی اور ثقافتی ضرورت ہے۔

متذکرہ بالا لغت کو نصابات تک محدود رکھا گیا ہے اور اس میں بھی ادبی ولسانی نصابات۔ سائنسی، تکنیکی اور تمام علوم کے تعلق سے لغات کی تیاری اہل دانش کی ذمے داری ہے۔ جو وقت اور طلبا کی سب سے بڑی ضرورت ہے کیونکہ سائنسی علوم اب ثقافتی قدروں کا ضروری حصہ بن گئے ہیں۔ ان کی طرف بھی پیش رفت ضروری ہے۔ اس لغت کو شائع کرکے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے خاص طور پر نئی نسل پر احسان عظیم کیا ہے اس سے طلبا کے ساتھ ساتھ عام قارئین بھی استفادہ کریں گے۔ امید ہے کہ کونسل کی دیگر مطبوعات کی طرح اس کی بھی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔ مستقبل میں اس کے نئے ایڈیشن کی بھی ضرورت پیش آئے گی۔

اردو کی صوتی لغت

مرتب: پروفیسر نصیر احمد خاں

صفحات: 1232، قیمت: 707، سنہ اشاعت: 2014

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

مبصر: معصوم عزیز کاظمی، آئی پی ایس (ریٹائرڈ)، کاظمی ہاؤس، وہائٹ ہاؤس کمپاؤنڈ' گیا (بہار)

اردو کی اپنی تاریخ اور روایت ہے۔ چھ سو سال سے زیادہ عرصہ پر پھیلی ہوئی اس زبان کا ابتدائی سلسلہ مبلغین اسلام اور صوفیائے کرام سے ملتا ہے۔ زبان کوئی بھی ہو زمانے کے ساتھ بدلتی اور ترقی کرتی رہتی ہے۔ زبان کے مزاج، اس کی ساخت وپرداخت اور عصری تقاضوں کے لحاظ سے اس کے ذخیرۂ الفاظ میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ وقت کے ساتھ الفاظ داخل ہوتے ہیں اور متروک قرار پاجاتے ہیں۔ الفاظ کی ایک سے زیادہ شکلیں، تلفظ، معنی، املا، حوالہ اور سند ہوتی ہیں۔ انھیں واضح کرنے کے لیے اعراب، اوقاف، اشتقاق، متبادل کی اہمیت مسلم ہے۔ اردو زبان کا مسئلہ یہ ہے کہ یہ کوئی قدیم زبان نہیں ہے۔ یہ میل جول کی زبان ہے جس کے ساٹھ فیصد سے زیادہ الفاظ دیگر زبانوں کے ہیں۔ پنجابی، مگھی، بنگلہ، سندھی، پوربی، دکنی، بہاری اور کنڑ زبانوں کے الفاظ کے علاوہ عامیانہ اور جہاں گرد الفاظ نے اردو کے سرمایہ الفاظ میں اضافہ کیا۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے جو ایک صحت مند رجحان ہے۔ اس رجحان نے اردو میں ذریعہ اظہار کو وسعت دی ہے لیکن اس کے ساتھ ایک مسئلہ بھی درپیش ہوا جسے نظر انداز کرنا غلط ہوگا۔ بین الاقوامی زبان ہونے کے باوجود اردو زبان میں لغت سازی کا کام 'ٹھپ پڑ گیا' جو ایک افسوسناک امر ہے۔ اردو میں آج بھی مختلف ادارے بلا تکلف پرانی لغات کو بغیر ترمیم واضافہ چھاپ رہے ہیں۔

آزادی سے قبل اور حصول آزادی کے بعد مختلف ادوار میں ایسے لوگ موجود رہے جنھوں نے اپنے ذاتی شوق، علمی لیاقت اور کاوش کی بنا پر لغت سازی کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ 'خالق باری' مرتب اکرم میاں جی محمد اکرم جس میں عربی اور فارسی کے الفاظ کے اردو مترادفات اور معنی بیان کیے گئے تھے کو اگر اردو کی پہلی لغت تسلیم کرلیا جائے تو اس کے بعد اردو میں لغت نویسی کا ایک سلسلہ چل پڑا۔

اردو زبان میں صوتی لغت کا نہ ہونا بھی ایک بڑی کمی ہے۔ پرانی لغات میں اردو الفاظ کے جو تلفظ درج ہیں انھیں درست اور معیاری قرار دینا شاید مناسب نہیں ہے۔ اس لیے اردو میں ایک معیاری صوتی لغت کی ضرورت ہمیشہ محسوس کی گئی کیونکہ جو لغت تلفظ سے مبرّا ہے وہ لایعنی ہے۔ اردو میں لفظ صوتی کے معنی الفاظ اور حروف کے اوزان سے متعلق، بتایا گیا ہے۔ ہر زبان کا اپنا صوتی نظام ہوتا ہے۔ علاقائی اثرات کی بنا پر کچھ علاقوں میں الفاظ کی ادائیگی میں فرق آسکتا ہے لیکن معیاری تلفّظ ایک اور صرف ایک ہی ہونا چاہیے۔ اسے ہی فروغ دے کر رائج کیا جانا چاہیے۔ اردو ایک مخلوط زبان ہے اور اس پر مختلف زبانوں اور علاقوں نے اثرات مرتب کیے ہیں۔ زمانے کے تغیرات اور عہد کے تقاضوں نے بھی اسے متاثر کیا ہے۔ اس لیے اس صورتِ حال میں اردو زبان کے الفاظ کا معیاری تلفظ متعین کرنا لازمی ہے۔ تعین تلفظ کے لیے اردو زبان میں ایک صوتی لغت کی ضرورت برابر محسوس کی گئی لیکن ایسی لغت کی تدوین کے لیے پہلی شرط برابر یہ رہی کہ اس کا مرتب لسانیاتی شعور اور آداب لغت نویسی کا نہ صرف واقف کار بلکہ ماہر ہو۔ لغت میں الفاظ کے انتخاب، اندراج اور ان کی توضیح وغیرہ کے لیے علمی احتیاط کے ساتھ لسانی سلیقے اور شعور سے بھی کام لینا پڑتا ہے اس لیے مرتب لغت اگر سائنٹفک طریقہ کار اختیار نہ کرے تو لغت نویسی کے ساتھ انصاف کرنا ممکن نہیں ہے۔ نصیر احمد خاں لغت سازی کے رموز وگر سے نہ صرف آشنا ہیں بلکہ وہ اس کے جدید اصولوں سے بھی واقف ہیں۔ انھیں لسانیات کی درس وتدریس کا ایک طویل تجربہ حاصل ہے۔ اردو لغت کی صوتی لغت کے پیش گفتار میں انھوں نے لکھا ہے کہ

''راقم الحروف کو طالب علمی کے زمانے میں یہ احساس ہوگیا تھا کہ اردو کی ایک صوتی لغت مرتب ہونا چاہیے.......... میں اردو کے صوتی لغت پر برابر غور وخوض کرتا رہا۔ ادھر چار پانچ برسوں سے میری خاص توجہ اس موضوع پہ مرکوز تھی۔ نتیجتاً صوتی لغت کی شکل میں آج یہ تحقیق آپ کے ہاتھوں میں ہے۔''

'اردو کی صوتی لغت' صوتیاتی نظام پہ مبنی لغت کی کمی کو پورا کرنے کی ایک اہم اور کامیاب کوشش ہے۔ اس لغت میں وضاحت کے ساتھ الفاظ کے ماخذ، نحوی زمرے اور معنی ومطالب کو بیان کیا گیا ہے۔ مرتّب نے اردو زبان کو ہندوستان کے وسیع تناظر میں دیکھا ہے، اس لیے لغت میں اردو، عربی، فارسی کے علاوہ انگریزی، ہندی اور روزمرہ استعمال ہونے والے الفاظ کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ الفاظ کے ساتھ محاوروں، کہاوتوں، ضرب الامثال اور اصطلاحات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ تلفّظ کی تعین کے لیے دوآبہ کی کھڑی بولی کو معیار قرار دیا گیا ہے، اس کا یہ جواز فراہم کیا گیا ہے کہ اردو نے اس علاقے میں جنم لیا، پلی، بڑھی اور پروان چڑھی۔ حالی نے بھی اردو لغت نویسی کے لیے دو شرطیں نافذ کرنے کی بات کہی تھی۔ پہلی یہ کہ مرتّب دلّی کی ٹکسالی زبان کا واقف کار ہو اور دوسری یہ کہ وہ شرفائے اسلام سے ہو۔ نصیر احمد خاں یہ دونوں شرطیں پوری کرتے ہیں۔ حالی کے اس خیال سے کچھ اختلاف کی گنجائش ہے کیونکہ اردو کے فروغ میں دیگر مراکز کی شراکت داری نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ میرے خیال میں علاقائی الفاظ کے تلفّظ کے تعیّن میں علاقائی تلفّظ کو اگر فوقیت دی جائے تو یہ زبان کے فروغ اور قبولیت کے لیے شاید بہتر ہوگا۔ اس لغت کے اندراجات کے لیے فرہنگ آصفیہ کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ 'فرہنگ آصفیہ' میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ الفاظ شامل کیے گئے تھے لیکن اس لغت میں اندراجات کی تعداد قریب پچاس ہزار ہے۔

متروک الفاظ کی چھٹائی کردی گئی ہے۔ متروک الفاظ کی نہ صرف تاریخی اہمیت ہے بلکہ ایسے الفاظ کا استعمال تحریر کو وقار اور حسن بخشتا ہے۔ اس لیے متروکہ قرار دیے گئے الفاظ کو قصہ ماضی قرار دے کر یکسر خارج کردینا زبان کی صحت کے لیے ایک فائدہ مند تجربہ ثابت نہیں ہوگا۔ اس لغت میں مؤلف نے الفاظ کے معنی اور تلفّظ کو نہایت واضح اور جامع طریقہ سے درج کیا ہے۔ ہر لفظ کا تلفّظ قوسین میں ٹکڑے ٹکڑے کرکے بتایا گیا ہے اور انھیں واضح کرنے کے لیے اعراب بھی لگائے گئے ہیں۔ الفاظ کا تلفّظ انگریزی زبان میں بھی ٹکڑوں میں درج کیا گیا ہے۔ لغت میں حروف تہجی کی ترتیب جدید لائینوں پر نہایت صحت کے ساتھ قائم کی گئی ہے۔

'اردو کی صوتی لغت' اردو زبان میں نئے طرز کی ایک معیاری لغت ہے۔ یہ ایک ماہر لسانیات کی جانفشانی اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔ یہ لغت اساتذہ، طلبہ، ادبا، شعرا، واعظوں، خطیبوں، مترجموں اور صحافیوں کے لیے یکساں مفید ہے۔ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ نصیر احمد خاں اگر اسی جانفشانی اور عرق ریزی کے ساتھ اردو کے ٹھیٹ اور جہاں گرد الفاظ کی لغت مرتب کردیں تو یہ ان کا اردو دنیا پہ احسان ہوگا۔

اسلامی سماج

مصنف: ریوبن لیوی، مترجم: ڈاکٹر مشیر الحق

صفحات: 701، قیمت: 224 روپے

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مبصر: ڈاکٹر منور حسن کمال، بیت الراضیہ، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی

ریوبن لیوی کی قابل ذکر تصانیف میں دی سوشیولوجی آف اسلام کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ 33-1931 میں علی الترتیب دو جلدوں میں شائع کی گئی تھی۔ اس کے بعد مصنف نے اس کتاب کو از سر نو مرتب کرکے نئے مواد کے ساتھ 1955 میں شائع کیا اور دونوں جلدوں کو ایک ہی جلد میں شامل کرلیا گیا۔ ریوبن لیوی کی اس اہم اور مقبول تصنیف کا اردو ترجمہ اسلامی سماج کے عنوان سے ڈاکٹر مشیر الحق نے کیا اور اس کتاب کو 1987 میں ترقی اردو بورڈ اور اب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، نئی دہلی نے پیش کیا تھا۔ اب اس کتاب کی تیسری اشاعت ہے۔ ڈاکٹر مشیر الحق نے عرض مترجم میں لکھا ہے کہ جس وقت یہ دوسرا ایڈیشن شائع ہوا تھا، اس وقت سے آج کے حالات میں خاصا فرق آچکا ہے اور عالم اسلام میں بڑی بڑی تبدیلیاں پیش آچکی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں قارئین کو کہیں کہیں احساس ہوگا کہ جو بات کہی جارہی ہے وہ حقیقتاً ماضی کی داستان زیادہ ہے، حال کی آئینہ دار کم۔

اس کتاب کو تعارف سمیت 9 حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تعارف کے ذیل میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کیا ہے اور حضور اکرمؐ کی ولادت اور آپؐ کے مبعوث کیے جانے کے وقت عرب کی کیا صورت حال تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور آپ کی روز افزوں مذہبی بالادستی کے نتیجے میں عرب کے مختلف جنگجو قبائل میں اس وقت تک کے تسلیم شدہ قرابت داری کے معیار کے بجائے ایک دوسرا مضبوط ترین رشتہ وجود میں آگیا، جو خون کے رشتے سے بھی زیادہ بااثر تھا۔ وہ ایسی ڈور میں بندھ ہوچکے تھے، جس کا ٹوٹنا ناممکن تھا۔ اسی رشتے میں بندھے ہوئے انھوں نے فتوحات حاصل کیں۔

پہلے باب کو اسلام میں سماجی درجات، کا عنوان دیا گیا ہے۔ اس میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ شرافت کی اصل کسوٹی نجابت تھی۔ دوسرا باب 'اسلام میں عورتوں کی حیثیت' ہے یہاں اس بات پر بحث کی گئی ہے کہ عرب میں جہاں لڑکیوں کو زندہ درگور کردیا جاتا تھا، اس میں کئی طرح کے خدشات تھے۔ ایک تو یہ کہ بعض لوگ مفلسی کے سبب یہ جاہلانہ

رسم انجام دیتے تھے اور جو مال دار تھے وہ اس ڈر سے ہلاک کرتے تھے کہ اگر جنگ ہوئی تو ان کی بیٹیاں گرفتار ہوں گی۔ بعد میں دشمن انھیں داشتہ یا بیوی بنا کر رکھیں گے۔لیکن اسلام نے سماج کی اس فرسودہ رسم کی بیخ کنی کی اور عورتوں کو عزت ووقار عطا کیا اور اسلام نے ہی عورتوں کو وراثت کا حق عطا کیا جبکہ دور جاہلیت میں بغیر وصیت کے عورتیں جائیداد میں سے حصہ نہیں پاتی تھیں۔ تیسرا باب اسلام میں بچوں کی حیثیت ہے، اس کے تحت اس امر پر گفتگو کی گئی ہے کہ بچہ کے والدین پر کیا حقوق ہیں۔

چوتھا باب 'اسلامی فلسفۂ قانون' ہے۔ پانچواں باب خلافت اور مرکزی حکومت، چھٹا باب صوبوں اور جانشین ریاستوں کا نظام، ساتواں باب اسلام کا فوجی نظام ہے۔ ان ابواب کے تحت سردار اور قبائل کے نظام میں ہر فرد کی آزادانہ حیثیت، خلافت راشدہ کے بعد صوبہ جاتی حکومت کا نظام، اسلامی فتوحات کے بعد علاقوں کا نظم ونسق اور ٹیکسوں کی وصولیابی، اسلام سے قبل عربوں کی قبائلی زندگی میں جنگ وجدل، اس کے بعد کے دور حکومت میں فوج کے لیے خصوصی بجٹ کا التزام، فن سپاہ گری میں ضروری تبدیلیاں اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے خصوصی دستوں کے قیام پر خصوصیت کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔ دسواں باب 'اسلامی علم کائنات اور دوسرے سائنسی علوم' ہے۔

محترم مترجم نے حتی الامکان اس بات کی کوشش کی ہے کہ ترجمہ میں تخلیق کا لطف آجائے۔ اس میں مترجم بڑی حد تک کامیاب ہیں۔ یقین ہے کہ اس کتاب کے گزشتہ ایڈیشنوں کی طرح اس نئے ایڈیشن کا بھی اس کے شایان شان استقبال کیا جائے گا اور یہ کتاب اسلامی مسائل مستشرقین کی نظر سے سمجھنے میں کارآمد ثابت ہوگی۔

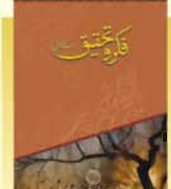

فکر و تحقیق سہ ماہی (نئی نظم نمبر)

شمارہ- 01 جلد 18 (جنوری، فروری و مارچ 2015)

صفحات: 1232، قیمت: 707، سنہ اشاعت: 2014

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

مبصر: محمد خالد خان (اسسٹنٹ پروفیسر) شعبۂ اسلامیات، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کی ادارت میں شائع ہونے والا یہ مجلّہ دانش گاہوں کے طلبہ واساتذہ کے درمیان محتاج تعارف نہیں ہے، زیر تبصرہ مجلّہ فکر و تحقیق کا 'نئی نظم' نمبر ہے، شاعری زمانہ قدیم سے ہی مختلف تہذیبوں کا حصہ رہی ہے اور زمانے کے نشیب وفراز اور معاشرے کی عکاسی کا ایک بہتر ذریعہ بھی۔ اردو شاعری کا دامن آغاز سے ہی کافی وسیع رہا ہے۔ اردو قدیم زبان تو نہیں لیکن عصر حاضر کی ایک مقبول، مشہور، شیریں اور ایک بڑی آبادی کی زبان ہے، اسے مسلمانوں سے جوڑنے کی کوشش بھی کی گئی لیکن یہ اس زبان کا حسن ہے کہ اس نے تمام اس قسم کی طاقتوں کو اپنی شیرینی، لطافت اور محبت سے زیر کر دیا اگر اس کا سہرہ کسی ایک صنف کو دیا جائے تو لامحالہ وہ اردو شاعری اور بالخصوص اردو نظم ہی ہے۔

میں بطور مبصر پوری ایمان داری اور ہوش مندی کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس جریدے کے مشمولات ادب کے اساتذہ اور طلبا کے دلوں سے رشتہ بآسانی جوڑ لینے کے لیے کافی ہیں۔

اس جریدے کے آغاز یعنی 'حرفِ اوّل' میں شاعری بالخصوص تاریخ اردو شاعری اور مختلف تہذیبوں اور معاشروں کی عکاسی کا اجمالی بیان جس سلیس انداز میں خواجہ صاحب نے پیش کیا ہے وہ ان کی عالمانہ بصیرت کی نشاندہی کے لیے کافی ہے۔

مشمولات کا آغاز حنیف کیفی کی تحریر 'نثری نظم: ہیئت اور تکنیک کی میزان میں' سے ہوتا ہے۔ حنیف کیفی صاحب نے ایک سچ کے ساتھ اپنی تحریر کا آغاز کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ''شعر وادب کی دنیا میں جب بھی کوئی نیا تجربہ وجود میں آتا ہے تو فطری طور پر اس کی حمایت اور مخالفت دونوں میں خاصی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے'' اور اس سچ کے ساتھ اپنی بھی سچی رائے پیش کی ہے کہ ''مجھے شروع ہی سے اس اصطلاح سے اختلاف رہا ہے'' اور پھر اپنے اس اختلاف کو مدلل انداز میں ثابت بھی کیا ہے لیکن پھر چونکہ ''غلط العام سے مفر بھی نہیں'' کہہ کر اپنے مضمون میں اس اصطلاح کو استعمال کرنے کا جواز بھی تلاش کرلیا ہے۔

پروفیسر کیفی کا پورا مضمون ناقدانہ بصیرت کی اعلیٰ ترجمانی ہے اور دلچسپ اتنا کہ ایک بار پڑھنا شروع کیا تو اختتام تک بغیر دورانیے کے پڑھا جاسکتا ہے۔

شمارے کا دوسرا مضمون زبیر رضوی صاحب کا ہے 'اردو نظم کے انتخاب' کے موضوع پر اپنی ہیئت کے اعتبار سے یہ مضمون ایک دستاویزی شکل رکھتا ہے، بظاہر تو صرف پندرہ صفحات پر محیط ہے لیکن دراصل یہ پورے اصناف ادب کے انتخابات کو منتخب کرنے کی بتدریج داستان ہے۔

جریدے کا اگلا یعنی تیسرا مضمون استاذ الاساتذہ عبدالحق صاحب کے قلم سے ہے موضوع ہے: 'نئی نظم: اساتذہ کے حوالے سے' پروفیسر صاحب نے اپنے کلام کا آغاز ہی اس شوخی اور دلکشی سے کیا ہے جہاں بالعموم دوسرے مہارتھی پہنچنے میں تھوڑا وقت لیتے ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ موضوعِ سخن دانش گاہوں کے اساتذہ کی (اردو) شعری خدمات ہیں۔ اس لحاظ سے آغاز بیان کی یہ دلکشی اس استقبال کی حق دار بھی ہے۔ ایک پرجوش تمہید کے بعد اساتذہ کرام پر ایک لطیف طنز بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ موصوف رقم طراز ہیں: ''طرفہ تماشہ یہ ہے کہ سبکدوشی کے بعد شاعری پر توجہ مرتکز ہوگئی۔ زندگی بھر کے علمی محصولات سے ادب کو مستفیض ہونے کا وقت آیات شاعری کے صلیب پر اساتذہ سردار غنودگی میں مبتلا ہوگئے یہ ناداں جھک گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا۔'' آگے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پروفیسر صاحب اردو اساتذہ کے اس فن سے کافی مایوس ہیں پھر جناب کلیم الدین احمد ہوں یا پروفیسر محمد حسن، مظفر حنفی ہوں یا محترم حنیف کیفی، سب کے سب نے محترم کو مایوس کیا ہے۔ موصوف نے اپنی مایوسی کا اظہار کچھ اس انداز میں کیا ہے ''یہ بے سروپا کی شاعری آبروئے استاد کو سر بازار رسوا کرتی ہے۔ عوام کا اساتذہ کے کلام سے بیزاری کا سبب یہی جرم عقیدت ہے۔ دامن یوسف کی تدریسی پاکیزگی تار تار ہو رہی ہے اور ہم خوش فہمی میں فریب خوردہ ہیں۔'' ڈاکٹر وسیم بریلوی کے تعلق سے بھی موصوف کہتے ہیں کہ ''وہ ادبی مقام نہ بنا سکے، مشاعروں تک محدود ہو کر رہ گئے۔''

عبدالحق صاحب کے مضمون کا سب سے بڑا حسن یہ ہے کہ موصوف نے بالآخر یہ بھی کہا ہے کہ ''ناچیز کو ذاتی رائے پر اصرار نہیں ہے۔ پسند وناپسند کا معاملہ ذوقی ہے اور وہ تعلقات سے بے نیاز ہے۔'' شمارے کے اگلے مقالے کا موضوع 'اردو نظم میں علامت نگاری کی تکنیک: چند پہلو' ہے۔

مظفر علی شہ میری نے اپنے اس مقالے کو استدلالی امثلہ کے ساتھ رقم کرنے کے علاوہ تاریخی حقائق کو بھی (ایک پایے کے مورخ کی طرح) بالکل نظر انداز نہیں کیا ہے۔ اختر الایمان کے ذریعے استعمال کیے گئے استعارات وعلامات سے آغاز کرتے ہوئے قاضی سلیم، عادل منصوری، فیض احمد فیض، غیاث متین، علی اصغر اور بابا فرید تک کی وہ تمام مستعمل علامات رقم کرنے کی سعی کی ہے، یہ کوشش موضوع کا حق ادا کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

مشمولات میں آگے حمید سہروردی کا مضمون 'اردو نظم: سمت و رفتار' ہے۔ یہ مضمون اردو نظم کے کینوس کو ایک سمت و رفتار دیتا ہوا نظر آتا ہے اور ٹھیک اس کے بعد کوثر مظہری صاحب کا مضمون '1980 کے بعد کی نظموں کا اسلوب' بھی ایک نوائے غم گسار کی طرح

ادب کی وادیوں میں چارسو پھوٹ کر مہک پھیلانے کے لیے کافی ہے۔ شائستہ یوسف نے اپنے مضمون 'نئی آزاد نظم کے فنی تقاضے' میں ایک مدلل بحث کی ہے۔ قاسم امام کا مضمون 'جدید اردو نظم کا سفر' ایک اچھے سفرنامے کی حیثیت لیے ہوئے نظر آتا ہے اور ستار ساحر نے 'دکن میں نئی نظم کے نمایاں نام 1980 کے بعد' موضوع کے تحت دکن کے شعرا کے نام اجاگر کیے ہیں۔ وہیں ایم نصراللہ نے 'بنگال کے نظم گو شعرا' کے ساتھ بنگال اور اردو شاعری کے رشتہ کو واضح کیا ہے۔

مشمولات میں آگے کے مضامین میں آفتاب احمد آفاقی کا مضمون 'جدید نظم کا وجودی سیاق' اس شمارے کا ایک اور اہم مضمون ہے۔ نیلم فرزانہ نے 'لالے کی حنابندی یا حسن معنی کی مشاطگی (مناظر فطرت اور اردو نظم)' کے عنوان کے تحت فطرت کو بحث کا موضوع بنایا ہے۔ اس کے بعد راشد انور راشد نے 'جدید نظم-سمت، رفتار و آہنگ' سے بحث کی ہے اور شاہ عالم صاحب نے 'نئی نظم کی عصری حسیت' پر مدلل روشنی ڈالی ہے۔ آگے دیگر مضامین شمیم احمد، منور حسن کمال، اشہد کریم الفت، شیخ محبوب، محمد ممنون عالم اور شہیم خاں کے ہیں۔

من جملہ تمام مضامین فن کے اعتبار سے ایک مکمل دستاویزی شکل رکھتے ہیں۔ یہ شمارہ قارئین کے ساتھ اپنا رشتہ مضبوط بنانے میں ضرور کامیاب ہوگا۔

اردو شاعری میں ہندی عروض کا استعمال

مصنف: پروفیسر مقبول فاروقی

صفحات: 288، قیمت: 300 روپے، سنہ اشاعت: 2013

ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

مبصر: جاوید عبدالعزیز

لباس گارمنٹس، اولیا مسجد، مہرولی، نئی دہلی 30

'اردو شاعری میں ہندی عروض کا استعمال' صدیوں پرانا ہے اور آج بھی اردو شاعری میں ہندی اوزان و بحور کا استعمال دیکھنے کو ملتا ہے۔ اردو کے اوّلین شعرا حضرت بابا فرید کے اردو اور پنجابی دوہوں، امیر خسرو، شیخ بوعلی قلندر، خواجہ گیسو دراز حسینی، شیخ باجن وغیرہ کے اردو دوہوں اور دیگر تخلیقات میں ہندی عروض کا استعمال کثرت سے دیکھنے کو ملتا ہے۔

دورِ جدید میں جہاں ایک طرف اردو شاعری میں ہیئت کے نئے نئے تجربے ہوئے ہیں وہیں دوسری طرف جدید شاعروں کے یہاں ہندی اوزان و بحور کا استعمال شعوری طور پر دیکھنے کو ملتا ہے البتہ عہد جدید کے شعرا نے ہندی کی وہی بحریں استعمال کی ہیں جو نہایت رواں اور خوش آہنگ ہیں اور اردو شاعری کے مزاج سے میل کھاتی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب 'اردو شاعری میں ہندی عروض کا استعمال' اصلاً پروفیسر مقبول فاروقی کی پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جو اب سے تقریباً تیس سال قبل آندھرا یونیورسٹی میں پیش کیا گیا تھا۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ یہ اردو کا پہلا مقالہ تھا جو آندھرا یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے لکھا گیا۔ اس مقالے کے نگراں پروفیسر شیخ محمد اقبال اور پروفیسر مغنی تبسم تھے۔

گذشتہ چند برسوں میں اردو عروض سے متعلق کچھ قابل قدر کتابیں منظر عام پر آئی ہیں۔ راقم الحروف نے سرور عالم راز سرور کی کتاب دیکھی ہے جو متذکرہ موضوع پر عمدہ کتاب ہے۔ مذکورہ کتاب میں عام فہم اسلوب میں عروض کے نکات کو بیان کیا گیا ہے۔

مقبول فاروقی کی کتاب اگرچہ ہندی عروض کے حوالے سے ہے تاہم انھوں نے دوسرے باب میں اردو عروض پر بھی جامع گفتگو کی ہے۔ موصوف نے جس محنت اور لگن سے اس کتاب کو ترتیب دیا ہے یہ انھیں کا حصہ ہے۔ اتنے مشکل اور پیچیدہ موضوع پر کام کرنا دل وجگر کی بات ہے۔ انھوں نے نہایت عرق ریزی و دیدہ ریزی سے اس کارنامے کو انجام دیا ہے۔

یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ہندی عروض سے متعلق ہے جس میں سنسکرت/ ہندی عروض اور ہندی کی مختلف بحروں کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ دوسرا باب اردو، ہندی عروض کے تقابلی مطالعے پر مشتمل ہے۔ تیسرا باب قدیم اردو شاعری سے متعلق ہے جن میں قدیم اردو شعرا کی تخلیقات میں ہندی عروض کے استعمال کی نشاندہی کی گئی ہے۔ چوتھا باب عہد متوسط کی اردو شاعری میں ہندی بحروں کے استعمال سے متعلق ہے۔ پانچویں باب میں دور جدید کی اردو شاعری میں ہندی بحروں کے استعمال پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اور شعرا کے کلام سے متعدد مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مصنف کی نگاہ اردو شاعری کے ساتھ ساتھ ہندی شاعری پر بھی بہت گہری ہے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ موصوف کی یہ کتاب اپنے موضوع پر منفرد ہے۔ آج بھی اس موضوع پر محققین کی توجہ بہت کم ہے۔ اس لیے کہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ اس اعتبار سے مقبول صاحب کی اس کتاب کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ یہ کتاب طلبا کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ مصنف کا اسلوب نگارش صاف، شستہ اور رواں دواں ہے۔ مطالعے کے دوران کسی قسم کی الجھن نہیں ہوتی۔ یقیناً یہ کتاب ذخیرۂ شعر و ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ اس عظیم کارنامے کے لیے موصوف مبارکباد کے مستحق ہیں۔ پروفیسر شکیل الرحمٰن کی رائے پر اپنی بات ختم کرتا ہوں:

''اردو شاعری میں ہندی عروض کا استعمال' ایک تاریخی ادبی تحقیق ہے۔ ایک بہت ہی عمدہ، خوبصورت اور عالمانہ مقالہ، نازک، لطیف اور آہنگ ذہن کو چھو لینے والا تحقیقی مقالہ جو اپنے انداز بیان اور نازک اور ریشمی اسلوب سے گہرے طور پر متاثر کرتا ہے۔ عام انداز کے تحقیقی مقالوں کی خشک تحریروں سے جب طبیعت اکتا جاتی ہے تو جی چاہتا ہے کچھ ایسے دلکش، سادگی کے حسن کو لیے ہوئے مقالوں کی تمنا کی جائے جو ٹھوس مواد بھی فراہم کریں اور تحقیق کی خشک اور کھردری باتوں سے ذہن کو ہٹاتے ہوئے آہنگ ذہن میں جذب ہو جائیں۔ 'اردو شاعری میں ہندی عروض کا استعمال' نے یہ تمنا پوری کردی ہے۔''

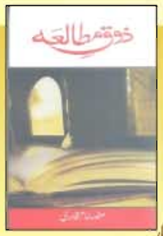

ذوق مطالعہ

مصنف: صفدر امام قادری

صفحات: 256، قیمت: 260 روپے، سنہ اشاعت: 2014

ناشر: عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی

مبصر: محمد ولی اللہ قادری، اسسٹنٹ ٹیچر، اردو پلس ٹو ضلع اسکول، چھپرا، بہار

صفدر امام قادری کی معروف و مستند تصنیف 'نئی پرانی کتابیں' کے مطالعے کا ذائقہ ابھی تازہ ہی تھا کہ ان کی دوسری کتاب 'ذوقِ مطالعہ' زینتِ میز بن گئی۔ کتاب پر پہلی نظر پڑتے ہی نہ جائے کیوں علاّمہ اقبال کا یہ شعر زبان پر آگیا:

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

مصنف نے غالباً اقبال کے مذکورہ شعر سے غذا لیتے ہوئے اپنی کتاب کا سرنامہ نہایت پُرمعنی منتخب کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ اقبال نے دنیا کی زنجیروں سے آزادی کا نسخہ 'ذوقِ یقیں' میں تلاش کیا تھا جب کہ قوم و ملّت سے جہالت اور ادبی جبر سے نجات کا راز صفدر امام قادری نے 'ذوقِ مطالعہ' میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کا سرنامہ کئی لحاظ سے زبردست عصری معنویت رکھتا ہے۔ آج ہمارے یہاں مطالعے کا ذوق وشوق گھٹ رہا ہے حالاں کہ ایک زمانہ ایسا تھا کہ ہمارے اسلاف اسے زندگی کا ایک اہم حصّہ تصوّر کرتے تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ مصنف نے اپنی کتاب کے ذریعہ اہالیانِ اردو زبان و ادب کو

ماضی کے سبق کی یاددہانی کی سعی فرمائی ہے۔

صفدر امام قادری نے اپنی اس کتاب کو استادِ گرامی پروفیسر ناز قادری کی ذات سے منسوب کیا ہے۔ اس سے قبل بھی صفدر امام قادری اپنی کتاب 'نئی پُرانی کتابیں' مولانا علی الیاس عاجز کے نام معنون کر چکے ہیں۔ صفدر امام قادری کی یہ ادا استاد شناسی کا سبق دے رہی ہے۔

'اردو نثر: تشکیلی عہد' کے تحت پانچ مضامین شامل ہیں۔ یہ باب تین صدی کی نثر کی ترجمانی کر رہا ہے۔ اس باب کے پانچوں مضامین اپنے موضوع کا بھرپور احاطہ کرتے ہیں۔

تعلیم اور صحافت کے باب میں دو مضامین ہیں اور دونوں سے الگ الگ انداز میں قاری محظوظ ہوتے ہیں۔ 'مولانا آزاد کا تصوّرِ تعلیم' اپنے موضوع پر انوکھا اور بھرپور مقالہ ہے۔ ذیلی عناوین کے ساتھ صفدر امام قادری نے مولانا ابوالکلام آزاد کے تصوّرِ تعلیم کے سلسلے میں غیر معمولی اطلاعات دی ہیں۔ اس مقالے میں مولانا آزاد کی شخصیت کے چند گم شدہ پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔

'اردو کے ادبی جرائد (1950 سے 1970 تک): رجحان اور رویّے' ایک تحقیقی مقالہ ہے۔ مقالہ پڑھنے کے بعد مصنّف کی تحقیقی جستجو اور تنقیدی شعور کا پختہ ثبوت مل جاتا ہے۔ مصنّف نے ہندو پاک کے اردو جرائد کو کھنگال کر ایک ایسا صحافتی مرقع تیار کیا ہے کہ صحافت کے طلبا بہ شوق اس مضمون کی طرف مراجعت کریں گے۔

'ہندستان میں ڈرامے کی عوامی روایت کا فروغ اور نوٹنکی کی زبان' اور 'اردو کا سب سے مقبول ڈراما: انارکلی' جیسے مضامین بھرپور علمی ذائقے کے ساتھ شاملِ کتاب ہیں۔

'مطالعۂ تنقید' میں شامل تینوں مضامین بہت خوب ہیں۔ کلیم الدین احمد کی تنقید نگاری کو ان کی شاہ کار تصنیف 'اردو تنقید پر ایک نظر' کے حوالے سے بھرپور علمی انداز میں واضح کیا گیا ہے۔ مطالعۂ تنقید میں شامل 'وہاب اشرفی کی ناقدانہ حیثیت' اور 'جدیدیت کے نظریہ ساز: شمس الرحمان فاروقی' یقیناً صفدر امام قادری کے ذوقِ مطالعہ کی شہادت دے رہے ہیں۔

مطالعۂ شعر کے تحت چار مضامین شامل ہیں جن میں پہلا 'ہندستان میں کثیر لسانی ماحول اور محمد قلی قطب شاہ کا اجتہاد' کتاب میں شامل جملہ مضامین میں زیادہ پسندیدہ ہے۔ یہ مضمون مصنّف کو ماہرِ لسانیات کی صف میں کھڑا کر دیتا ہے۔ اس باب میں شامل دوسرے اور تیسرے مضامین 'سحر البیان: ایک تنقیدی مطالعہ' اور 'فیض کی شعری شخصیت کے عناصر ثلاثہ: مناظرِ فطرت، عاشقانہ جستجو اور بین الاقوامیت' اپنے موضوع کا بھرپور احاطہ کرتے ہیں۔ شعری حصّے میں ظفر کمالی کی رباعیوں پر بھی مضمون شامل ہے۔ ظفر کمالی یقیناً خوش قسمت ہیں کہ مصنّف کی تصنیف 'نئی پرانی کتابیں' کی طرح 'ذوقِ مطالعہ' میں بھی سب سے زیادہ یعنی تیس صفحات پر چمکتے نظر آتے ہیں۔

کتاب کا آخری حصّہ فکشن کے حوالے سے ہے اور اس ضمن میں اہم مضامین شامل ہیں۔ اس باب کے چاروں مضامین بھرپور اور مکمّل ہیں۔ اردو ہندی تراجم کے آئینے میں خواتین کی تخلیقات و تصنیفات کی جانب سے مترجمین کی عدم دلچسپی کا ایک آئینہ و خاکہ پیش کر دیا گیا ہے۔ اس مضمون کے مطالعے سے رشیدۃ النسا کے ناول 'اصلاح النسا' سے عصرِ حاضر کی خواتین فکشن نگار تک کی اجمالی تاریخ کا خاکہ ذہن میں آ جاتا ہے۔ صفدر امام قادری نے ہندی اردو تراجم کا موازنہ کرتے ہوتے دیگر زبان کے ناول اور افسانوں کے سلسلے میں بھی معلومات فراہم کر دی ہیں۔ سیّدہ نکہت فاروق کے افسانوں کے تجزیے میں بھی صفدر امام قادری نے غیر معمولی ہنرمندی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ حلقۂ کشمیر سے تعلّق رکھنے والی فکشن نگار سیدہ نکہت فاروق کے افسانوی مجموعہ 'قہر نیلے آسماں کا' کا تجزیہ کرتے ہوئے صفدر امام قادری نے موصوفہ کی تخلیقات کے ساتھ غیر جانب دارانہ انصاف کیا ہے اور ان کے فن پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ اس حصّے کا آخری مضمون بالترتیب 'طارق چھتاری کا باغ کا دروازہ: ایک تنقیدی تجزیہ' اور 'وردان: ایک تنقیدی جائزہ' ہے۔ حاصل کلام یہ کہ مصنف نے منصفانہ رخ اختیار کرتے ہوئے تنقید کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے۔

ٹیوشن کے جھمیلے

مصنف: اویناش امن

صفحات: 104، قیمت: 100 روپے

ناشر: ایجوکیشنل پبلی شنگ ہاؤس، دہلی

مبصر: نوشاد منظر، شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

مزاح نگاری دیگر اصناف سخن کی طرح آج نہ صرف مقبول و معروف ہے بلکہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل بھی ہے۔ اس صنف کو مقبولیت بخشنے میں امتیاز علی تاج، رتن ناتھ سرشار، پطرس بخاری، کنھیا لال کپور جیسے پایے کے ادیب ہیں، ان کے علاوہ اور بھی صاحب علم و فن ہیں جنھوں نے اس صنف میں طبع آزمائی کی۔ طنز و مزاح کے اُفق پر ایک ابھرتا ہوا نام اویناش امن کا بھی ہے۔ اویناش امن شاعر بھی ہیں، ناقد بھی ہیں اور مترجم بھی۔ ان کی غزلوں کا مجموعہ 'ابر رواں' کے نام سے شائع ہو کر مقبول عام ہو چکا ہے، بہار اردو اکادمی نے مذکورہ کتاب پر انھیں انعام سے بھی سرفراز کیا ہے۔ میرے پیش نظر ان کے انشائیوں کا مجموعہ 'ٹیوشن کے جھمیلے' ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب 'ٹیوشن کے جھمیلے' اویناش امن کے انشائیوں کا پہلا مجموعہ ہے، مگر مصنف نے اسے کہانی لکھا ہے۔ اس کتاب میں 'درد شکم'، 'انڈے کا فنڈا'، 'کرنل کی بیٹی'، 'رنگے سیار'، 'شہنشاہ'، 'اصلی نقلی کا جو'، 'آمد کے جملے' اور 'صبر کا دامن' شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر آصف سلیم کا ایک طویل مقدمہ بعنوان 'قصہ اس کتاب کا' بھی اس کتاب میں شامل ہے، جس میں موصوف نے طنز و مزاح کی تاریخ کے ساتھ ساتھ اویناش امن کے انشائیوں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب 'ٹیوشن کے جھمیلے' دراصل موجودہ سماجی اور سیاسی صورت حال میں مہنگائی سے پریشان اور زندگی سے بے زار عوام کے چہرے پر مسرت کی ایک زیریں مسکراہٹ فراہم کرنے کا وسیلہ ہے۔ اس کتاب میں شامل تمام انشائیوں کا راوی ایک ٹیوشن ماسٹر ہے۔

زیرِ نظر کتاب کا پہلا انشائیہ 'درد شکم' ہے۔ اس انشائیے میں ایک ایسی عورت کے مکر و فریب کو بیان کیا گیا ہے جو اپنی دلفریب مسکراہٹ سے لوگوں کو بے وقوف بناتی ہے۔ راشن والا، دودھ والا، اخبار والا، ساڑی والا بلکہ حد تو یہ ہے کہ مضمون کا راوی جو ٹیوشن ماسٹر ہے وہ بھی اس کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ ایک طرف تو وہ عورت دولت اور پیسے سے اپنی عدم دل چسپی کو ظاہر کرتی ہے گویا اس کی نظر میں پیسے کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں، دوسری طرف وہ مذکورہ لوگوں سے لیے قرض کی ادائیگی بھی نہیں کرتی۔ مگر ایک دن دنیا کے سامنے اس کی حقیقت عیاں ہو جاتی ہے اور اس کا راز فاش ہو جاتا ہے۔ اویناش امن کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے کردار کے ذریعے سماج میں موجود بدامنی اور حرص و بے ایمانی کو نہایت ہلکے پھلکے انداز میں پیش کرتے ہیں کہ قاری غور و فکر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کتاب میں شامل ایک انشائیہ ''کرنل کی بیٹی'' ہے۔ اس انشائیے کا راوی بھی ایک ٹیوشن ماسٹر ہی ہے۔ کرنل نے اسے اپنی بیٹی کی ٹیوشن کے لیے رکھا تھا۔ کرنل کی بیٹی نہایت چالاک اور اپنی میٹھی میٹھی باتوں میں سامنے والے کو متاثر کر لینے کا ہنر جانتی تھی، جب کہ کرنل وقت کا پابند نہایت ہوشیار قسم کا آدمی تھا۔ جب ماسٹر پڑھانے آتا تو کرنل کی بیٹی اسے اپنی باتوں میں الجھا کر رکھتی، ماسٹر صاحب کو لگا کہ چلو اچھا ہے پورے دن کی تھکان یہیں کم ہو جایا کرے گی۔ اس طرح ایک مہینہ گزر گیا اور کرنل نے ماسٹر صاحب سے کہا کہ آج آپ کی تنخواہ کا دن ہے یہ کہہ کر اس نے 500 کے بجائے ایک روپے پچاس پیسے دیے۔ یہ دیکھ کر ماسٹر صاحب حیران رہ گئے، کرنل نے چائے اور ناشتے، جو ماسٹر صاحب کو روزانہ ملتے تھے، کے پیسے ٹیوشن فیس میں سے کاٹ لیے۔ خیر یہ واقعہ غیر دیانت داری اور دھوکے کا مظہر ہے۔

کتاب میں شامل دوسرے انشائیے بھی اچھے اور مزاح سے پر ہیں۔ جہاں تک

زبان و بیان کا تعلق ہے تو مزاح نگاری کے لیے جس زبان کی ضرورت ہوتی ہے اس سے اویناش امن واقف بھی اور اسے برتنے کا ہنر بھی جانتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے جملے میں اپنی بات کہہ جاتے ہیں۔

مجموعی طور پر ٹیوشن کے جھمیلے انشائیوں کا ایک عمدہ مجموعہ ہے۔ وہاب اشرفی نے اس کتاب کے لیے ایک تعارفی نوٹ بھی لکھا ہے جو اس کتاب میں شامل ہے۔ مصنف کا پیش لفظ بعنوان 'ماسٹر صاحب' بھی دلچسپ ہے اور اس سے اویناش امن کی ظرافت نگاری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کتاب کی طباعت عمدہ ہے۔

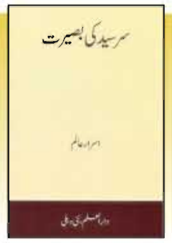

سرسّید کی بصیرت

مصنف: اسرار عالم
صفحات: 239، قیمت: 200 روپے
ناشر: دارالعلم، نئی دہلی
مبصر: عذرا نقوی، فرحت کدہ، سرسید نگر، علی گڑھ 202002

یہ ایک بہت ہی عالم و فاضل مصنف کی، کتب حوالہ کی مکمل فہرست اور حواشی سے مزین، علمیت اور مقصدیت سے لبریز کتاب ہے۔ یہ ہمیں ایک لمبے تاریخی سفر پر بھی لے جاتی ہے۔ زبان ادق ہے اور اپنی بات کی مکمل وضاحت کے لیے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں کا بیک وقت استعمال کیا گیا ہے جو ترسیل کے لیے مددگار ہے۔ کاش مصنف کتاب میں دیے گئے فارسی کلام کا بھی اردو ترجمہ دے دیتے۔ مصنف نے کتاب کے آغاز میں لکھا ہے کہ اس مطالعے کا داعیہ غالباً دو کتابوں کے مطالعے سے ساٹھ کی دہائی میں پیدا ہوا، پہلی کتاب قرۃ العین حیدر کی 'آگ کا دریا' (1959) ہے اور دوسری پروفیسر محمد مجیب کی کتاب 'انڈین مسلمس' (1967) ہے۔ یہ کتاب بہت مفصل تبصرے کی متقاضی ہے لیکن احقر نے یہاں مختصراً کتاب کے پیغام کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

مصنف نے کتاب کے آغاز میں چھ نکات پیش کیے ہیں:

1: مسلمانوں کے زوال اور انحطاط کا بنیادی سبب تکیف (conditioning) ہے۔ 2: مسلم معاشرے میں اس تکیف کو قائم کرنے والے 'حکمراں' اور 'علما' ہیں 3: مسلم معاشرے کو صدیوں تک اس تکیف میں مقید کرنے والے 'علما' تھے 4: مسلم معاشرے کو صدیوں کے اس تکیف اور اس کے نتیجے میں آئے زوال اور انحطاط سے نکالنے کی واحد راہ 'ارتقائی نظامِ تعلیم (progressive Education System) ہے 5: ارتقائی نظام تعلیم کی سب سے احسن تدبیر فی زمانہ 'سرسید کی بصیرت' میں مضمر ہے 6: ارتقائی نظامِ تعلیم یا سرسید کی بصیرت پر عمل آوری میں سب سے بڑی رکاوٹ 'علما' ہیں۔

مصنف نے کتاب کے شروع ہی میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی موجودہ صورت حال کے بخیے ادھیڑے ہیں اور مسلم قیادت کی خبر لی ہے۔

مصنف لکھتے ہیں 680 عیسوی کے بعد امت مسلمہ ایک ایسے دورِ مظلمہ میں داخل ہوگئی تھی جس نے رفتہ رفتہ اس کی ساری توانائیاں سلب کر کے اس کے جسد کو معطل اور زندہ لاش میں تبدیل کر دیا تھا اور یہ کیفیت یا بیماری تھی تکیف، جو دو عناصر کے (حکمرانوں اور علما) کے باہمی تعاون اور تعاہد کا نتیجہ تھی جس نے پوری ملت کو عمودی ثنویت (vertical diacotomy) اور افقی ترادفیت (horizontal dualism) میں مبتلا کر دیا۔ مصنف لکھتے ہیں کہ ''اسلامی تاریخ میں مرزا اسد اللہ خاں غالب (فارسی کلام کے حوالے دیے گئے ہیں) وہ پہلی شخصیت تھے جنھوں نے آگاہ کیا کہ 680 عیسوی کے بعد امت مسلمہ محمدیہ جس 'بیماری' میں مبتلا کر دی گئی ہے اسے تکیف (conditioning) کہتے ہیں۔ اس تکیف سے نکلنے کی شاہ کلید 'علم' کی بازیافت ہے۔ 'علم کی بازیافت' سے مراد 'قرآنی انسان' کی بازیافت ہے''۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ سرسید غالب کے معنوی فرزند ثابت ہوئے۔ امت مسلمہ کو اس تاریخی تکیف سے باہر نکالنے کی سرسید کی کوشش سب سے عظیم الشان فکری، علمی اور ادارہ جاتی کوشش تھی۔ جس کا ہدف ایسی فضا کی تشکیل و تعمیر تھا جہاں اس 'علم' کی بازیافت ہو جس سے 'قرآنی انسان' کی بازیافت ہو جائے۔ مسلم یونیورسٹی جس کا اولین خاکہ مدرستہ العلوم اور پھر اینگلو انڈین اورینٹل کالج کی شکل میں تھا اسی ہدف کی طرف پیش رفت تھی۔ سرسید اپنی کوششوں میں ناکام نہیں ہوئے لیکن وہ اپنی حیات میں اس تکیف کے زائل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی موجودہ صورت حال اس ناکامی کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔

کتاب کے آخری دو ابواب میں مصنف دو تجاویز پیش کرتے ہیں۔ پہلی سرسید تحریک کا جامع اور مکمل احیا اور مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں اصلاح حال براہِ انتظامی تدابیر۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر بوجوہ پہلی تجویز سرِ دست ممکن نہ ہو یا اس حوالے سے موثر تدابیر کرنے کی گنجائش نہ ہو تو تجویز دوم پر عمل کیا جائے۔ مسلم قیادت کی گزشتہ سو سالہ کارکردگی دیکھتے ہوئے اس کام کے لیے حکومت اور اس کے اعضا اور اداروں کی مدد ناگزیر ہے۔ مصنف نے کتاب کے اختتام میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی حیویت (vitality) اور مستحکم کرنے کے لیے کئی جامع تجاویز بھی پیش کی ہیں جو زیادہ تر اساتذہ کی علمی، اور خلاقانہ استعداد اور صلاحیتوں سے متعلق ہیں۔

یہ کتاب حوالے کے طور پر بھی بہت کارآمد ہے اور قاری کے ذہن کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے اور خود احتسابی کی تحریک دیتی ہے۔

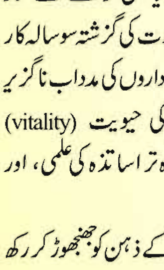

آبجکٹو نصاب اردو

مؤلف: محمد ابوطلحہ
صفحات: 284 قیمت: 200 روپے، سنہ اشاعت: 2014
ناشر: دانشکدہ دریاپور، سبزی باغ، پٹنہ 4
مبصر: ڈاکٹر شاہد اختر انصاری، 38/7، نور نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی

یو جی سی نے جب سے جونیئر ریسرچ فیلوشپ کے پرچوں کو معروضی کر دیا ہے ایسی کتابوں کی اہمیت میں اضافہ ہو گیا ہے جو معروضی انداز میں ترتیب دی گئی ہوں۔ ایسی ڈھیر ساری کتابیں بازار میں دستیاب ہیں اور طلبہ ان سے استفادہ کرتے ہیں۔ اب تو صورتِ حال یہ ہوگئی ہے کہ امتحانات کی نوعیت کوئی بھی ہو، ان کا معیار کسی بھی سطح کا ہو اس میں سوالات عام طور سے معروضی انداز میں پوچھے جاتے ہیں یا پھر سوالوں کی اچھی خاصی تعداد معروضی نوعیت کے سوالوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اب نو آموز طلبہ کے لیے بڑی مشقت اور امتحان کی بات یہ ہوتی ہے کہ وہ کس کتاب پر انحصار کریں۔ بعض کتابیں تو تکرار، کتابت کی غلطیوں، تاریخی فروگذاشتوں اور ناقابل اعتماد معلومات سے بھری ہوتی ہیں۔ طلبہ کی دقت یہ ہے کہ وہ اپنے محدود علم اور کم وقتی کے باعث انھیں کتابوں سے فیضان حاصل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

حال ہی میں پٹنہ کے ادارے دانش کدہ نے آبجکٹو نصاب اردو کا نیا ایڈیشن اضافے کے ساتھ شائع کیا ہے۔ کتاب کے مرتب نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ کتاب 1995 سے لگاتار طلبہ کی توجہ کا مرکز رہی ہے اور اب یہ چھٹا ایڈیشن مزید خوبیوں اور مزید معلومات سے مزین ہو کر منظر عام پر آیا ہے۔ اس طرح کی کتابوں میں بہت ساری احتیاط پسندی کے باوجود بعض حقائق مختلف اسباب کی بنا پر ناقص رہ جاتے ہیں۔ یا ان کے بارے میں درست معلومات تک رسائل حاصل نہیں ہو پاتی۔ کتاب کے مرتب نے ان سب فروگذاشتوں پر قابو پانے کا دعویٰ کیا ہے۔ جستہ جستہ صفحات کے مطالعے سے مرتب کی بات صداقت سے قریب تر معلوم ہوتی ہے۔ دوسری خاص بات یہ ہے کہ

کتاب کے مندرجات میں جن موضوعات کو شامل کیا گیا ہے ان کی فہرست سے یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ کتاب کو سنجیدگی سے ترتیب دیا گیا ہے۔ مثلاً اقوال، شعرا کے مجموعے۔ اقبالیات، غالبیات، دکنیات، انعامات، تحریکات، خطاب والقاب، مختلف اصناف شعری ونثری، عروض و بلاغت، اردو کے قدیم وجدید رسائل، جدید وقدیم اخبارات، اردو اکادمیاں اور مشہور اشعار، غرض یہ ہے ان جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔

اس کتاب میں مختلف اصناف شاعری اور نثر پر معروضی سوالات کے ساتھ صحیح جوابات دیے گئے ہیں جو کم وبیش اردو ادب کو مکمل cover کرتے ہیں۔ ساتھ ہی یو جی سی کے گذشتہ کئی سالوں کے سوالات کو یکجا کر کے ان کے صحیح جوابات بھی شامل ہیں۔ یقیناً یو جی سی امتحان کی تیاری میں طلبہ کے لیے مفید ہے۔ اردو ادب کی عبقری شخصیات سے متعلق اقوال بھی دیے گئے ہیں۔ ریسرچ اسکالرز کے لیے اصناف ادب سے وابستہ سیکڑوں کتابوں کے نام درج ہیں جو پڑھنے والے کی معلومات میں مزید اضافہ ہے۔ ولی دکنی سے لے کر عہد حاضر کے شعرا کے مشہور اشعار کی اس خوبصورتی سے ترتیب دی گئی ہے کہ پڑھنے والے کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اہم شعرا ادبا کی پیدائش و وفات کب اور کہاں اور کتنی عمر پائے، اس کی تفصیلات زمانی اعتبار سے دی گئی ہے۔

یہ کتاب دو سو چوراسی صفحات کی ضخامت لیے ہوئے ہے۔ آخری حصے میں تذکرے اور اردو سے متعلق مختلف نوعیت کے لغات کا ذکر کیا گیا ہے۔ کوئی بھی کتاب حرف آخر نہیں ہوتی اور نہ ہی تمام امور کا احاطہ کیا جاسکتا ہے۔ تاہم مرتب نے حتی المقدور ان تمام گوشوں کو کھنگالنے کی کامیاب کوشش کی جو قارئین کے لیے بے حد مفید ہے۔ بعض جگہ کتابت کی غلطیاں موجود ہیں۔ تاہم مجموعی طور پر یہ کتاب قابل مطالعہ اور اس موضوع سے وابستہ حضرات کے لیے قیمتی مواد پر مشتمل ہے۔ خصوصی طور پر مقابلہ جاتی امتحان کے لیے دستاویزی حیثیت کی حامل ہے۔ امید ہے کہ علمی حلقوں میں اس کا خاطر خواہ استقبال کیا جائے گا۔ بک امپوریم سبزی باغ، پٹنہ سے یہ کتاب منگائی جاسکتی ہے۔

ساگوان کی چھاؤں میں

مصنف/ ناشر: احمد کلیم فیض پوری

صفحات: 152، قیمت: 89 روپے

مبصر: راحت افزا، فلیٹ نمبر R-206، تیسری منزل، گلی نمبر 5، بٹلہ ہاؤس، نئی دہلی

زیر نظر کتاب 'ساگوان کی چھاؤں میں' احمد کلیم فیض پوری کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے جس میں انیس کہانیاں شامل ہیں۔ یہ تمام افسانے اسلوب اور موضوعات دونوں کی سطح پر معیاری اور مقبولیت کے حامل ہیں۔ بھلے ہی یہ احمد کلیم فیض پوری کی پہلی شائع شدہ تصنیف ہے مگر ان کا تخلیقی سفر غالباً چالیس سال پر محیط ہے۔ یوں تو انھوں نے شاعری میں بھی طبع آزمائی کی لیکن افسانہ نگاری ان کا خاص میدان رہا ہے اور وہ افسانہ نگاری کے تمام نشیب وفراز سے بخوبی واقف ہیں۔

افسانے کا ایک خاص وصف ایجاز واختصار ہوتا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کہ افسانہ کم سے کم وقت میں پڑھا جاسکے اور قاری کو کسی نہ کسی سوچ یا فکر پر متوجہ کرسکے۔ اس لحاظ سے احمد کلیم فیض پوری کے تمام افسانے نہایت مختصر ہونے کے باوجود عہد حاضر کے حیرت انگیز انکشافات سے ہمیں متعارف کراتے ہیں۔ ان کی بیشتر کہانیوں کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستانی معاشرہ جس تہذیب کی تقلید یا پاسداری کر رہا ہے اسے مشترکہ تہذیب کہا جا رہا ہے لیکن عملی زندگی میں انفرادی فکر احساس اور طرز زندگی کو ہی اہمیت دی جارہی ہے بیشتر لوگ اپنی تہذیبی روایات واقدار اور رشتوں کی اہمیت سے متنفر ہوتے جارہے ہیں۔ عمومی سطح پر سماجی، تہذیبی اخلاقی اور مذہبی قدروں کو لوگ بھولتے جارہے ہیں آج بڑے چھوٹے کا لحاظ اور رشتوں کی معنویت کہیں گم ہوگئی ہے۔ آج کا انسان صحیح اور غلط میں تمیز نہ کرتے ہوئے لالچ اور مفاد پرستی کے دلدل میں کہیں دھنستا جارہا ہے۔ زندگی کے ان تمام چھوٹے بڑے مسائل کو احمد کلیم فیض پوری نے اپنے افسانوں میں بڑی خوش اسلوبی اور فنی مہارت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

مجموعے میں شامل افسانہ 'آرام گھر' ایک بہترین افسانہ ہے جو کہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آج کا انسان اتنا بے حس اور خود غرض ہو چکا ہے کہ اس کے نزدیک خونی رشتوں کی کچھ وقعت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ بوڑھے ماں باپ اس کے اوپر بوجھ بن گئے ہیں۔ مغرب کی طرح ہندوستان میں بھی Old house یا آرام گھر وجود میں آرہے ہیں جہاں ضعیف ماں باپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ان کو اپنے ہی گھر میں ایک کونہ اور دو وقت کی روٹی میسر نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے برعکس بوڑھے ناتواں والدین کے اپنے بچوں کی محبت اور پوتے پوتیوں کی موجودگی ہی ان کے نزدیک مسرت اور دلجوئی کا سامان ہوا کرتی ہے۔

افسانہ 'ساگوان کی چھاؤں میں' جو کہ اس مجموعے کا نام بھی ہے ایک دلچسپ اور خوبصورت افسانہ ہے۔ اس افسانے میں مصنف نے داستانوی انداز اختیار کرتے ہوئے شائستہ رواں اور شگفتہ زبان کا استعمال کیا ہے۔ کہانی ایک فاریسٹ آفیسر اور قبائلی دوشیزہ کی محبت بھری داستان ہے جہاں حقیقت اور رومان کا دلچسپ امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے جس میں فاریسٹ آفیسر اپنی محبت کی پروا کیے بغیر اپنے فرائض کو انجام دینے کے لیے لڑکی کے باپ کا جرم ثابت ہوجانے پر اسے اریسٹ کر لیتا ہے۔

اس کے علاوہ افسانے انصاف، جھروکے پر ٹنگی شام، ایک اور پیر، کانچ کی دیوار، سیراب، پروموشن، بسیرا ہو کوئی، آنگن کی دھوپ، سوائن فلو اور چراغ تلے وغیرہ سماج کے کسی نہ کسی مسئلے کا احاطہ کرتے نظر آتے ہیں۔ مجموعے میں شامل تمام افسانوں کی زبان شگفتہ و رواں ہے۔ کہیں کہیں تجسس کی کمی کھٹکتی ہے اس کے باوجود احمد کلیم فیض پوری نے اپنے خیالات اور تجربات کے ذریعے متنوع مسائل کو پیش کرنے کے لیے فن اور فکری جہت کا ثبوت دیا ہے۔ کلی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان کے افسانے فن اور تخلیق کا بہترین امتزاج ہیں۔ ان کی بیشتر کہانیاں قاری کو سوچنے پر مجبور کرتی ہیں۔

کتاب میں کوئی پیش لفظ، مقدمہ یا تقریظ نہیں ہے۔ ابتدا میں اظہار تشکر کے تحت دوستوں اور چاہنے والوں کے نام شکریے کی رسم ادا کی گئی ہے۔ کتاب کا انتساب مشہور فکشن رائٹر شموئل احمد کے نام ہے۔ باقی مصنف کے افسانے خود ان کی شناخت کے ضامن ہیں۔ قیمت مناسب ہے۔ امید ہے کہ ان افسانوں کی گونج ادبی حلقوں میں دیر تک سنائی دے گی۔

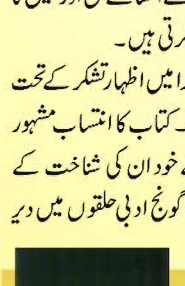

لیمپ پوسٹ کی حکایت

مصنف: محمد یحیٰی جمیل

صفحات: 128، قیمت: 150 روپے

مبصر: اشفاق احمد عمر، روم نمبر 172، تاپتی ہاسٹل، جے این یو، نئی دہلی

افسانہ ادب کی ایک ایسی صنف ہے جس پر تمام اہل ادب خامہ فرسائی کرنا چاہتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ بڑے زور وشور سے کر بھی رہے ہیں۔ ادب نے بہت کم وقت میں اچھے افسانہ نگاروں کو جنم دیا ہے۔

دور حاضر میں بھی افسانے جیسی صنف پر بہت سے حضرات اپنے رنگ وروغن بکھیر رہے ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی محمد یحیٰی جمیل بھی ہیں جن کا تازہ اور پہلا افسانوی مجموعہ ہاتھوں میں ہے۔ خوشی کی بات تو یہ ہے کہ موصوف اردو ادب کی سب سے محبوب صنف

کے رسیا بھی ہیں یعنی شاعری کے۔ یحییٰ جمیل صاحب شاعری بھی کرتے ہیں۔ موصوف کے افسانوی مجموعے میں ایک نیا پن نظر آتا ہے کہ یہ اپنی باتوں کی وضاحت تصاویر کے ذریعے بھی کرتے ہیں۔ ہر افسانے کے آخر میں جمیل صاحب نے خود سے تصویر بنا کر افسانے کے اصل مقصد سے قاری کو روشناس کرانے کی اچھی سعی کی ہے جو واقعی قابل تعریف ہے۔ موصوف پہلے اخباروں کے لیے کارٹون بنایا کرتے تھے اس لیے ان کی دلچسپی اس چیز سے بہت گہری رہی ہے۔ مجموعے میں فارسی لفظوں اور اشعار کا کثرت سے استعمال ملتا ہے۔

سامنے میز پر رکھا ہوا یہ افسانوی مجموعہ جس کی پیشانی پر سرخ رنگ سے لکھا ہوا 'لیمپ پوسٹ کی حکایت' اور ایک تصویر جو شاید ہم سے بہت کچھ کہنا چاہتی ہے۔ کتاب کا انتساب اپنے والدین کے نام کیا گیا ہے۔ مجموعے میں تقریباً 17 افسانے شامل ہیں۔ خاص بات تو یہ ہے کہ ان کے افسانوں کے نام بھی بہت مختلف ہوتے ہیں۔ افسانوں کے نام کچھ اس طرح ہیں، قصاص، پرمیرا، چھپکلی لڑکی، شیطانی فرمان، آنکھیں، منہدی، سفر، خوں آشام، داشتہ، سپوت، لیمپ پوسٹ کی حکایت، ہجر/وصل، دلدل، خمار، شکست، اعظم رجال، ٹھاکر کے ہاتھ وغیرہ۔

موصوف کے افسانوں میں کچھ چیزیں بالکل عام ہیں یا یوں کہہ لیجیے کہ ان کے افسانوں میں کچھ کردار بالکل فکس ہوتے ہیں جو کثرت سے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسے پروفیسر یا ٹیچر کے کردار کے استعمال سے ان کی دلچسپی نظر آتی ہے۔ ان کے کئی افسانوں جیسے پرمیرا، منہدی، سفر، ہجر/وصل، اعظم رجال وغیرہ میں پروفیسر اور ٹیچر کا استعمال زیادہ سے زیادہ ہوا ہے۔ جمیل صاحب نے آپ بیتی کو جگ بیتی بنانے کی پوری کوشش کی ہے لیکن کہیں کہیں وہ اس میں ناکام بھی نظر آتے ہیں۔ کیوں کہ بغیر قواعد کے کسی بھی صنف کا آپ مکمل احاطہ یا اسے کوئی بہتر شکل نہیں دے سکتے یا اس میں نیا رنگ و روپ نہیں پیدا کر سکتے۔ ان کے کچھ افسانوں میں ہمیں کہیں نہ کہیں تصنع اور بناوٹ کا احساس بھی ہوتا ہے۔ ان کا ایک افسانہ 'دلدل' جو گلے کی ہڈی بننے کے لیے کافی ہے۔ اس افسانے میں کیا ہے؟ یہ جان لینا بہتر ہوگا:

''ایک نوجوان ہے جو خوبصورت موسم کو دیکھ کر سیر کو نکلتا ہے اور ایک پل پر کھڑا ہو کر سگریٹ پینے کے باعث دلدل میں گر جاتا ہے۔ چند مہینے اس دلدل میں دھنسا رہتا ہے اور ایک روز سوٗر کی دم دانتوں سے پکڑ کر دلدل سے باہر آ جاتا ہے''

ایک بات یہاں یہ غور کرنے والی ہے کہ کوئی انسان بھوکے، پیاسے اور دلدل میں کتنے دن زندہ رہ سکتا ہے؟ اور سوٗر کی پونچھ میں اتنا دم خم کہاں کہ وہ ایک انسان کو دلدل سے نکال دے۔ بہر کیف موصوف نے اپنے افسانوں کے ذریعے معاشرے کی بھرپور نمائندگی کی ہے اور اچھے موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ ان کی فکر میں گہرائی و گیرائی ہے جو لوگوں کو اپنا اسیر بنانے سے کامیاب ہے۔

منظرکشی میں جمیل صاحب کا کوئی جواب نہیں۔ قاری ایک پل کے لیے دوسری دنیا کی سیر کو چلا جائے۔ خوں آشام، سفر، آنکھیں ان کے ایسے افسانے ہیں جن میں منظرکشی کی ایک سے بڑھ کر ایک مثالیں ملتی ہیں۔ ایک مثال ملاحظہ کریں:

''سورج کی کرنیں، سیکڑوں میل دور سے زمین پر پہنچ کر رات کی تاریکی سے برسر پیکار ہو گئیں، حصار شب کے ستارے ایک ایک کر کے فرار ہونے لگے، پرندے چیخ چیخ کر روشنی کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ زیادہ دیر نہیں گزری کہ فیصلہ ہو گیا۔''

موصوف کو منظرکشی پر ملکہ حاصل ہے۔ کسی بھی واقعہ کو منظرنگاری کا حسن عطا کرنا اور قاری کو اس حالت سے بغیر دیکھے واقف کرا دینا یہ فن سب کے بس کی بات نہیں۔ اس افسانوی مجموعے کے تقریباً افسانے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ افسانے کہیں نہ کہیں ہماری ذاتی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔

کتاب کی خوبصورتی کا کوئی بدل نہیں۔ پروف ریڈنگ کی بھی غلطیاں نہ کے برابر ہیں۔ قیمت بھی مناسب ہے۔

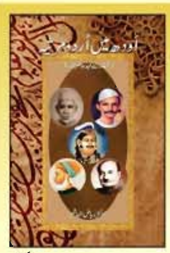

اودھ میں اردو مرثیہ (آغاز سے عہد حاضر تک)

مصنف: ڈاکٹر ریاض الہاشم

صفحات: 508، قیمت: 260 روپے

ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

مبصر: اشرف لون، 209-جہلم ہاسٹل، جے این یو، نئی دہلی

اردو تنقید کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس نے کم کم ہی روایت سے بغاوت کی ہے۔ ہمارے یہاں اگر کسی نقاد نے کوئی بات کہہ دی اور اگر وہ چل گئی تو پھر اس کے خلاف آواز اٹھانا کفر سمجھا جاتا ہے۔ وہیں ہماری تنقید کی دوسری بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ اب تک اس خول سے باہر نہیں آسکی ہے جو حالی، شبلی، امداد امام اثر، کلیم الدین احمد وغیرہ نے اس کے ارد گرد قائم کیا تھا۔ حالانکہ اردو مرثیہ کے حالی قدردان تھے۔ لیکن اسے کیا کیجیے کہ ہمارے تنقید نگار غزل کے دائرے سے اب تک باہر نہیں آسکے۔

ڈاکٹر ریاض الہاشم نے واقعی وہ کام کر دکھایا ہے جس کی ایک بڑے محقق سے امیدیں وابستہ ہو سکتی ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب اردو ادب کی ایک ایسی صنف سے تعلق رکھتی ہے جس نے اردو شاعری کے الفاظ کے ذخیرے کو مالا مال کیا۔ کاش ہمارے نام نہاد شاعر یہ سمجھ پاتے تو اردو شاعری کی وہ حالت نہ ہوتی جو آج کل ہے۔

یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب 'دبستان اودھ کا تعارف' میں مصنف نے ان سیاسی، سماجی اور تہذیبی حالات کا جائزہ لیا ہے جنھوں نے یہاں مرثیہ کے لیے ماحول سازگار بنایا۔ دوسرے باب میں اودھ میں مرثیہ کا تشکیلی دور، ابتداء اور اہم مرثیہ نگاروں کی تخلیقات کا فنی جائزہ لیا ہے۔ وہیں انھوں ایک تحقیقی غلطی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جس میں محمد حسن نے مہربان خاں مہرباں کے مرثیوں کو سودا سے منسوب کیا ہے۔

کتاب کے تیسرے باب میں مصنف نے اودھ میں مرثیہ کے دوسرے دور سے بحث کی ہے۔ اس باب میں انھوں نے خلیق، فصیح، ضمیر اور دلگیر کی مرثیہ نگاری سے بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ مصنف نے میر حسن کا بطور مرثیہ نگار کے تعارف کرایا ہے لیکن اس سلسلے میں مصنف کی کوئی باضابطہ تحقیق نہیں ہے۔ مصنف کے مطابق اس دور میں مرثیہ نے موضوع اور اسلوب کی سطح پر ترقی کی نئی منزلیں طے کی۔ دوسرے یہ کہ مرثیہ میں جنگ اور سراپا کے بیان کا اضافہ میر ضمیر کے ہاتھوں ہوا، جس نے آگے چل کر مرثیہ کی دنیا ہی بدل دی اور مرثیہ میں اعلیٰ شاعری کی بہت ساری خوبیاں جگہ پا گئی۔ چوتھے باب میں ڈاکٹر ہاشم نے تیسرے دور یعنی انیس اور دبیر کے دور میں مرثیہ نگاری سے بحث کی ہے۔ مصنف کے مطابق گو مسدس انیس کی ایجاد نہیں لیکن انیس نے اسے فنی بلندیاں عطا کی۔ مصنف نے انیس و دبیر کے کلام کی خصوصیات سے بحث کی ہے۔ انھوں نے انیس کی فصاحت کی مثال میں یہ مشہور مصرعے پیش کیے ہیں:

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

بقول مصنف اگرچہ یہاں 'شبنم' اور 'اوس' دونوں ہم معنی الفاظ ہیں لیکن اگر ہم ان کی جگہ بدل دیں تو شعر کا سارا حسن غارت ہو کر رہ جائے گا۔ اسی طرح مصنف نے ان دونوں شاعروں کی دوسری فنی خوبیوں جیسے بلاغت، المیہ نگاری، منظر نگاری، مکالمہ، وغیرہ سے بحث کی ہے۔ مصنف نے ایک جگہ دبستان دبیر کی بات کی جبکہ مصنف کو معلوم ہونا چاہیے کہ ابھی ہمارے دبستان لکھنو اور دبستان دلی کے وجود پر اختلاف پایا جاتا ہے تو

ایسے میں دبستانِ دبیر کی بات ہی نہیں پیدا ہوتی۔

کتاب کا پانچواں باب 'اودھ کے اردو مرثیوں میں رزمیہ عناصر' ہے، جس میں مصنف نے فصیح، خلیق، ضمیر، انیس اور دبیر کے مراثی میں رزمیہ عناصر کی تلاش کی ہے۔ کتاب کے آخری باب میں دورِ حاضر میں مرثیہ نگاری سے بحث کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں مصنف نے عہدِ حاضر کے مرثیہ نگاروں کے مرثیوں کے نمونے بھی پیش کیے ہیں، جسے اگر وہ حاصل مطالعہ کے بعد شامل کرتے تو ٹھیک رہتا۔ مصنف کو اس بات کا رنج ہے کہ ہمارے نقادوں نے عہدِ حاضر میں مرثیہ کی تنقید پر کم توجہ دی ہے اور یہ صحیح بھی ہے کہ ہمارے نقاد صاحبان فکشن کی اتنی ترقی کے بعد بھی غزل تنقید سے باہر نہیں نکل پائے ہیں۔

ڈاکٹر ریاض الہاشم نے ایک ایسے دور میں مرثیہ جیسی اہم صنف پر تحقیق کی ہے جب ہمارے یہاں اسے اتنی اہمیت نہیں دی جاتی جتنی اہمیت کی یہ متقاضی تھی۔ انھوں نے اپنی طرف سے تحقیق کا حق ادا کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر ریاض الہاشم کی زبان سادہ وسہل ہے۔ مرثیہ کی تحقیق وتنقید میں اس کتاب کی اہمیت مسلم ہے۔

علامہ سیّد سلیمان ندوی بحیثیت شاعر

مصنف: ڈاکٹر سیّد وصی اللہ بختیاری عمری

صفحات: 208، قیمت: 250 روپے، سنہ اشاعت: 2014

ناشر: سری وینکٹیشورا یونیورسٹی، تروپتی، آندھرا پردیش

مبصر: عبدالرب

اسسٹنٹ پروفیسر اُردو مولانا آزاد کالج، اورنگ آباد، مہاراشٹرا

''اسلام کا گہرا بادل ایک ہزار سال سے برابر ہندوستان کی اقلیم پر مصروف بارش ہے۔ اسلام نے اپنی تیرہ صدیوں میں ہر آن یہ ثبوت دیا ہے کہ اس کی کیاریاں ہر موسم میں نیا پھول کھلا سکتی ہیں۔'' سید سلیمان ندوی نے یہ اقتباس علامہ شبلی نعمانی کے لیے اپنے ایک مضمون میں رقم کیا اور یہ بات ہم اُن کے حوالے سے بھی دہرا سکتے ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی کو برصغیر ہند و پاک میں اُن کی دینی و ادبی خدمات کی وجہ سے بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ علامہ سلیمان ندوی متنوع الجہات شخصیت کے مالک تھے اور اس کتاب میں مولانا کی شاعرانہ جہت کو روشن کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب 'علامہ سید سلیمان ندوی بحیثیت شاعر' ڈاکٹر وصی اللہ بختیاری کا تحقیقی مقالہ ہے جسے بطورِ خاص وینکٹیشورا یونیورسٹی نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کو فاضل مصنف نے بارہ ابواب میں تقسیم کیا ہے جس میں علامہ کی حیات وشخصیت سے لے کر اُن کی تصانیف، شاعری کے مختلف ادوار، شاعری کا تنقیدی جائزہ اور مختلف مشاہیر ادب و ناقدین کی آرا کو شامل کیا گیا ہے۔ مصنف نے علامہ کی شاعری کو تین ادوار میں تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ اسے موضوعات کے لحاظ سے بھی تقسیم کیا ہے جس میں علامہ کی نعت گوئی، غزل گوئی، مرثیہ گوئی، اصلاحی نظمیں، سیاسی نظمیں اور تاریخی نظمیں بھی شامل ہیں۔

زیرِ تبصرہ کتاب کے ابتدائی باب میں سید سلیمان ندوی کی حیات وشخصیت کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس باب کے ذریعے ہمیں نہ صرف سید سلیمان ندوی کے بارے میں اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں بلکہ اُن کی زندگی پر اثر انداز ہونے والے علامہ شبلی نعمانی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا ابوالکلام آزاد اور دیگر اکابرینِ قوم کے بارے میں بھی کافی اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مصنف نے مختلف حوالہ جات کے ذریعے یہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ الہلال کے چند مضامین جو مولانا ابوالکلام آزاد کے نام سے منسوب کیے جاتے ہیں وہ دراصل سید سلیمان ندوی کے تحریر کردہ مضامین ہیں۔ اس باب میں سلیمان ندوی کی ذہانت اور دارالعلوم ندوۃ العلما کی ابتدائی سرگرمیوں اور مدرسے کی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی باب میں علامہ سید سلیمان ندوی کی جملہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔ دوسرے باب میں سید سلیمان ندوی کا شعر وشاعری سے شغف اور اُن کے تخلص کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے۔

اس کتاب کے تیسرے باب میں علامہ سلیمان ندوی کی شاعری کے مختلف ادوار کا تعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مصنف نے علامہ سلیمان ندوی کے دارالعلوم ندوہ کے طالب علمی کے دور کو پہلا دور، عبوری دور کی شاعری کو دوسرے دور اور عارفانہ اور صوفیانہ شاعری کو تیسرے دور کی شاعری سے منسوب کیا ہے۔ اگلے ابواب میں شاعری کو موضوعات وشعری اصناف کے لحاظ سے تقسیم کیا گیا ہے علامہ ندوی سیرت نگارِ نبوی کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر وصی اللہ کی تحقیق کے مطابق علامہ ندوی کی کل پانچ نعتیں دستیاب ہوئی ہیں اور ان نعتوں میں صفاتِ نبویؐ کو بڑے ادب واحترام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ علامہ ندوی کے تحریر کردہ پانچ مرثیوں کے منتخبہ اور دستیاب اشعار کو اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے، جس میں 'نوحۂ استاذ' جو علامہ شبلی نعمانی کی موت پر اور 'رحلتِ شیخ' جو حضرت تھانوی کے وصال پر لکھے گئے ہیں شخصی مرثیہ کی روایت میں اہم اضافہ ہیں۔ اس کے علاوہ اگلے ابواب میں علامہ ندوی کی غزل گوئی رباعیات وقطعات، تاریخی نظمیں، سیاسی نظمیں، اور اصلاحی نظمیں بطورِ خاص جوش ملیح آبادی کی الحاد بھری نظم 'شرارِ بولہبی' کا جواب 'چراغِ مصطفوی' شامل ہے۔ اِن ابواب میں مولانا کے مطبوعہ کلام کو سنہ اشاعت کے ساتھ درج کر دیا گیا ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب میں علامہ سید سلیمان ندوی کے تقریباً تمام شعری سرمایہ کو یکجا کرتے ہوئے اُن کی شاعری کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

زیرِ تبصرہ تصنیف اپنے موضوع، مواد، تزئین وترتیب اور طباعت غرض ہر لحاظ سے قابلِ ستائش اور تحقیق کرنے والے طلبا کے لیے قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ انسان کا کوئی فعل نقائص سے یکسر پاک نہیں ہوسکتا، چند مضامین اور اشعار کی تکرار کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ تصنیف علم دوست حضرات اور نئے موضوعات میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایک عطیہ ہے۔

سہ ماہی 'بھاشا سنگم' پٹنہ (گوشۂ فراق گورکھپوری)

مدیر: ڈاکٹر محمد شاہد جمیل خاں

جلد نمبر: 20، شمارہ: 1-2، جنوری تا جون 2014

صفحات: 112، قیمت: درج نہیں

ناشر: پرنسپل سکریٹری، محکمہ کابینہ سکریٹریٹ، بہار، پٹنہ

مبصر: راشد جمال فاروقی، C-1452، IDPL ٹاؤن شپ، ویربھدرا

ریاستِ بہار کی سرزمین اردو شعر وادب کے لیے خاصی زرخیز واقع ہوئی ہے۔ وہاں سے کئی معتبر جرائد و رسائل اردو ادب کی آبیاری میں سرگرمِ عمل ہیں۔ بہار کے سرکاری پرچوں میں بھی اعلیٰ معیار کی ضمانت دی جاتی رہی ہے۔ اس سلسلے میں تازہ کڑی ہے وہاں کے اردو ڈائرکٹوریٹ سے جاری ہونے والا بڑے سائز کا رنگین سہ ماہی 'بھاشا سنگم'۔

'بھاشا سنگم' کا اولین شمارہ (جنوری تا جون 2014) گوشۂ فراق گورکھپوری سے سجا ہے۔ سرورق فراق کی تصویر سے مزین ہے۔ پرنسپل سکریٹری برجیش مہروترا (IAS) مدیرِ اعلیٰ اپنے اداریے میں حکومت بہار کے ان اقدامات کا ذکر فرماتے ہیں جو ریاست میں اردو کو استحکام بخشنے کے لیے کیے جا رہے ہیں۔ آئندہ کے لیے بھی انھوں نے مثبت اقدامات کی یقین دہانی کرائی ہے۔ اسپیشل سکریٹری اجے کمار دویدی نے 'بھاشا سنگم' کے شاندار مستقبل کی ضمانت دی ہے اور مدیر ڈاکٹر شاہد جمیل خاں نے اطمینان کا کیا ہے کہ ان کی ایک آواز پر اردو دنیا کے بڑے قلم کاروں نے تعاون پیش کیا۔ ڈاکٹر کلیم عاجز اور ڈپٹی ڈائرکٹر (اردو) احمد محمد کی رہنمائی میں گلدستہ ترتیب دیا گیا ہے۔

ایک پورا صفحہ فراق کے معروضی تعارف کے لیے مختص ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی (پاکستان) نے فراق کی عظمت کے ثبوت میں فرمایا ہے کہ وہ اپنی بے جا 'انا' کے قیدی نہیں تھے جیسا کہ عام خیال ہے بلکہ وہ تو جوش کو اپنے دور کا عظیم ترین شاعر تصور کرتے تھے۔ انتظار حسین (پاکستان) نے فراق کی شخصیت میں مختلف ادبی روایتوں اور تہذیبی سرچشموں کا سنگم دیکھا ہے۔ سید سبط حسن (پاکستان) فراق کے شاگرد ہیں لہٰذا ان کے تاثرات نہایت دلچسپ اور اہم ہیں۔ اردو غزل کے سخت ناقد کلیم الدین احمد فراق کی شاعری کے قائل ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسن نے فراق کی شخصیت کے ان پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ جہاں وہ اردو کے عشق میں یوں مبتلا ہیں کہ مصلحت پسندی سے کوسوں دور ہو جاتے ہیں۔ محمد حسن کا مضمون بے باک ہے کہ وہ جہاں تعریف کرنے سے گریز نہیں کرتے وہیں 'من آنم' کے خطوط میں خطوں والی بے تکلفی نہیں پاتے اور انھیں ان خطوط میں فراق کی سی وارفتگی نظر نہیں آتی۔ ڈاکٹر محمود الٰہی نے فراق کی غزل کے محاسن بیان فرمائے ہیں۔ فراق کا ایک اعتراف نامہ بھی اس اشاعت میں شامل ہے جس میں انھوں نے کلیم عاجز کی شاعری کو پسندیدگی کی سند عطا فرمائی ہے۔ ان مضامین کے علاوہ فراق کا منتخب کلام بھی زیب کتاب ہے۔

بھرپور گوشہ فراق کے بعد کلیم عاجز کا مضمون سوانحی نوعیت کا ہے لیکن پرانے وقتوں کی پروائیاں لہکاتا ہے۔ علی احمد فاطمی کا 'سفرناموں میں ثقافتی اور تمدنی پہلو' بیش قیمت مقالہ ہے۔ افسانوں میں میر سخاوت علی (طارق چھتاری)، آخری سیڑھی (شموئل احمد)، وراثت (سید احمد قادری)، بے موت (خورشید اکرم)، پھول آنگن (بشیر احمد)، فرشتے کی مبارکباد (خالد عابدی)، میں ہاری (تبسم بانو) اور ایک عربی نیز ایک ہندی افسانے کے تراجم سے یہ اشاعت مزید باوقار ہوئی ہے۔

'بھاشا سنگم' کو تمام بڑے شعرا کا تعاون بھی حاصل ہے، جس کے ثبوت میں کرامت علی کرامت، بدیع الزماں سحر، ف س اعجاز، صادقہ نواب سحر، مناظر عاشق ہرگانوی، عطا عابدی، آشا پربھات، ظفر کمالی، افتخار امام صدیقی، ارمان نجمی، عالم خورشید، نعمان شوق، کمال جعفری، شمیم قاسمی، شاداب رضی، راشد طراز اور جرمنی، پاکستان، امریکہ وقطر کے شعرا کا کلام روشن ہے۔

میزانِ مبصر کے تحت 7 اہم کتابوں پر سیر حاصل تبصرے ہیں۔ آخیر میں اردو ڈائرکٹوریٹ کے زیر اہتمام منعقدہ دو روزہ جشنِ اردو کی باتصویر رپورٹ اردو والوں کے لیے باعث اطمینان امر ہے۔ بے حد جامع، دیدہ زیب اور مفید پرچے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس پر کہیں کوئی قیمت درج نہیں ہے جو اردو کے قارئین کے لیے ایک خوش خبری سے کم نہیں۔

سہ ماہی اصناف ادب (گوپی چند نارنگ نمبر)

مدیر: ڈاکٹر حسن رضا
جلد: 1، شمارہ: 3&4، اکتوبر 2013 تا مارچ 2014
صفحات: 228 قیمت: 100 روپے
مبصر: محمد شمس الدین، ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی

پروفیسر گوپی چند نارنگ نے اردو ادب میں خاص طور سے تنقید کے حوالے سے جو خدمات انجام دی ہیں وہ قابل ستائش ہیں۔ جہاں انھوں نے کئی اہم تحقیقی و تنقیدی کتابیں پیش کر کے ذخیرۂ اردو ادب میں اضافہ کیا ہے وہیں مشرقی شعریات اور تھیوری کے تعلق سے نئے تنقیدی نظریات پیش کر کے اردو ادب کو نیا رخ دیا ہے۔ اپنی تازہ اور معرکۃ الآرا تصنیف 'غالب: معنی آفرینی، جدلیاتی وضع، شونیتا اور شعریات' لکھ کر غالب فہمی میں نئے باب وا کیے ہیں۔ مظفرپور سے شائع ہونے والا سہ ماہی رسالہ اصناف ادب کا شمارہ (اکتوبر 2013 تا مارچ 2014) 'گوپی چند نارنگ' پر خاص ہے۔ اس شمارے میں گوپی چند نارنگ کی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ گوپی چند نارنگ کی کتاب 'غالب: معنی آفرینی، جدلیاتی وضع، شونیتا اور شعریات' کے حوالے سے خاص طور سے بحث کی گئی ہے۔ نارنگ نے اپنی اس کتاب میں غالب کو نئے انداز میں تفہیم کرنے کی کوشش کی ہے جو غالبیات میں نئی تفتیش ہے۔ ڈاکٹر حسن رضا، مدیر 'اصناف ادب' نے اپنے اداریے میں خصوصی نمبر پیش کرنے کی وجوہات بتاتے ہوئے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ اس نمبر میں نظم اور نثر دونوں طرح سے گوپی چند نارنگ کی ادبی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے۔ صبا نقوی، چندر بھان خیال، ظفر عدیم، کوثر صدیقی، محمد شاہد پٹھان، خلیل الرحمان قاسمی اور ڈاکٹر غلام قدوس فہمی نے اپنی شاعری میں نارنگ کی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ ''ہیئتی تنقید اور کوہان کا ڈر' جیسا گوپی چند نارنگ کا اہم مضمون بھی اس میں شامل ہے۔ اس نمبر کا امتیاز یہ ہے کہ رخشندہ جلیل کے ذریعے لیا گیا ایک انٹرویو بھی اس نمبر میں شامل ہے جس میں گوپی چند نارنگ نے نئے تنقیدی نظریات پر اہم بات چیت کی ہے۔ وحید الظفر خاں علیگ، علیم اللہ حالی اور کوثر مظہری جیسے اہم اساتذہ نے لسانیات کے حوالے سے گوپی چند نارنگ کی خدمات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ سیدہ جعفر نے گوپی چند نارنگ کی مضمون نگاری کے تعلق سے تجزیہ کرتے ہوئے ان کے مضامین اور مجموعۂ مضامین کا بھرپور احاطہ کیا ہے جبکہ ڈاکٹر کوثر مظہری نے 'زبان، رسم الخط اور گوپی چند نارنگ' کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش کیا ہے۔ وہ اپنے مضمون میں لکھتے ہیں ''میں نے اپنے اس مضمون میں یہ دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ اردو زبان اور نارنگ میں در اصل رشتہ کیا ہے اور پھر یہ کہ وہ اس زبان کے رسم الخط اور قومی یکجہتی کے حوالے سے اپنی کیا سوچ رکھتے ہیں'۔

گوپی چند نارنگ کی تنقیدی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے پروفیسر قدوس جاوید، پروفیسر علی احمد فاطمی، پروفیسر حامدی کاشمیری، پروفیسر مولا بخش، ڈاکٹر ہمایوں اشرف، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر منظر اعجاز جیسی اہم شخصیات نے اپنے وقیع مضامین پیش کیے ہیں۔ ہمایوں اشرف کا مضمون 'گوپی چند نارنگ اور ان کی فکشن شعریات: تشکیل وتنقید' کافی اہم مضمون ہے جس میں گوپی چند نارنگ کے تنقیدی رویے سے بحث کی گئی ہے جو نہایت ہی پر مغز اور بلیغ ہے۔ پروفیسر حامدی کاشمیری نے اپنے مضمون 'گوپی چند نارنگ اور ساختیاتی تنقید: ایک نظر' میں نارنگ کی اہم کتاب 'ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات' کے حوالے سے مفصل گفتگو کی ہے اور ساختیات کی اہمیت وافادیت پر پروفیسر نارنگ کی تبحر علمی کا بھی جائزہ لیا ہے۔ 'ورائے شاعری چیزے دیگر است' (گوپی چند نارنگ کی غالب شناسی کا عمومی تبصرہ) میں پروفیسر علی احمد فاطمی نے نارنگ صاحب کی غالب فہمی پر بہت وقیع مضمون پیش کرتے ہوئے شونیتا اور جدلیات جیسے الفاظ کا مفہوم بتانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ پروفیسر قدوس جاوید کا مضمون 'تھیوری، انسانی تشخص کا بحران اور گوپی چند نارنگ' میں تھیوری کے تعلق سے تفصیلاً گفتگو ملتی ہے۔ 'غالب تنقید میں تحیر کی جہات اور گوپی چند نارنگ' میں گوپی چند نارنگ کی غالب شناسی پر پروفیسر مولا بخش کا معلومات افزا مضمون شامل ہے۔ اسی طرح تحقیقی حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر حسن رضا، ڈاکٹر عبدالقادر اور محمد رضوان کے اہم مضامین اس نمبر کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ ان ادب شناسوں نے نارنگ صاحب کی خدمات کے مختلف جہات کو اپنی نگارش کا محور بنایا ہے۔ تاہم ان کا قلم 'غالب: معنی آفرینی، جدلیاتی وضع، شونیتا اور شعریات' کے اردگرد ہی گردش کرتا ہے۔

مجموعی طور پر گوپی چند نارنگ کی ہمہ گیر خدمات کا تفصیلی جائزہ لینے کے لیے یہ خصوصی شمارہ معاون و مددگار ہے۔ امید کہ باذوق قارئین اس شمارے کو اپنے مطالعے کا حصہ بنائیں گے اور ایڈیٹر کو داد وتحسین سے نوازیں گے۔ ■

عالمی اردو نامہ

جرمنی میں دوروزہ ادبی تقریبات

جرمنی: ہر سال کی طرح امسال بھی ہیومن ویلفیئر

ایسوسی ایشن، جرمنی نے دو روزہ ادبی تقریبات کا آغاز سرسبز و شاداب پہاڑوں کے حصار میں بہتے ہوئے دریائے نیکر کے کنارے دلفریب مقام 'مقامِ اقبال' سے کیا۔ حکیم الامت ڈاکٹر اقبال کو اس منفرد انداز میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے جرمنی میں مقیم سفیرِ پاکستان جناب حسن جاوید، پریس کونسلر غلام حیدر برلن سے قونصل جنرل ڈاکٹر امتیاز قاضی فرینکفرٹ سے اور عالمی اردو ادب کے سفیر ڈاکٹر تقی عابدی کینڈا سے شریک ہوئے۔ 'پیغامِ اقبال اور عصری مسائل' کے موضوع پر مقالے پڑھے گئے۔ اس موقعے پر علامہ اقبال کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے سیّد حسن جاوید، سفیرِ پاکستان نے نہایت اہم اعلان کیا کہ ان کی کوشش ہوگی کہ جرمنی میں دریائے نیکر کے کنارے علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی قیام گاہ کو خرید کر ''اقبال میوزیم بنائیں گے مگر اس کے لیے انھیں جرمنی میں مقیم پاکستانی کیمونٹی کے تعاون کی ضرورت ہوگی۔ کینڈا سے تشریف لائے ڈاکٹر تقی عابدی نے کہا جرمنی ہائیڈل برگ میں شاعرِ مشرق نے اپنے قیام کو زندگی کے خوبصورت لمحات سے تعبیر کیا ہے، علامہ اقبال نے اردو ادب کو 'جاوید نامہ' اسی دریائے نیکر پر بیٹھ کر ہی دیا ہے۔ قونصل جنرل آف پاکستان ڈاکٹر امتیاز قاضی نے اس خوبصورت مقام پر علامہ اقبال کی یاد منانے کی اس خوبصورت روایت پر ہیومن ویلفیئر ایسوسی ایشن کے چیرمین سید اقبال حیدر کو مبارکباد پیش کی۔

اسی سلسلے کی دوسری تقریب فرینکفرٹ کے خوبصورت ہال 'ذال باؤ' میں ہوئی جس میں سفیرِ پاکستان سیّد حسن جاوید کی دوسری کتاب 'چائنیز سافٹ پاورکوڈ' اور ڈاکٹر تقی عابدی کی 'فیض شناسی' کی تقریبِ رونمائی تھی۔ کتابوں کی اس تقریب میں شرکت کے لیے فرینکفرٹ، جرمنی میں چائینا کے قونصل جنرل لی یانگ نے شرکت کی۔

قونصل جنرل آف پاکستان ڈاکٹر امتیاز قاضی صاحب نے کہا کہ 'چائنیز سافٹ پاورکوڈ' اور 'فیض شناسی' کو عالمی ادب میں خوبصورت اضافہ ہے اور ان کتابوں کہ مصنّفین مبارکباد کے مستحق ہیں۔ سفیرِ عالمی اردو ادب ڈاکٹر تقی عابدی نے فیض احمد فیض کی ادبی خدمات پر تفصیلی گفتگو کی۔ تقریب کے پہلے حصے کی نظامت انتصار مہدی نے اپنے مخصوص انداز میں کی۔ تقریب رونمائی کے بعد مشاعرے کا انعقاد ہوا۔

پریس ریلیز: سید اقبال حیدر، چیئرمین اور فاؤنڈر، ہیومن ویلفیئر ایسوسی ایشن، جرمنی، 13 مارچ 2015

بزم اردو قطر کا ماہانہ مشاعرہ

قطر کی قدیم ترین اردو ادبی تنظیم بزمِ اردو قطر کے زیرِ اہتمام 20 فروری 2015 کو شب علامہ ابن حجر لائبریری، دوحہ کے وسیع ہال میں پر وقار طرحی مشاعرہ منعقد ہوا۔

مشاعرے سے قبل معروف شاعر کلیم عاجز کی تعزیتی نشست ہوئی جن کا انتقالِ پرملال 15 فروری 2015 کو ہوا تھا۔ کراچی، پاکستان سے تشریف لائے معروف شاعر شمس الغنی نے مسندِ صدارت کو وقار بخشا۔ انڈین ایسوسی ایشن فار بہار اینڈ جھارکھنڈ سے وابستہ ایک شیدائے اردو جاوید عالم نے مہمانِ خصوصی اور فیاض بخاری کمال نے مہمانِ اعزازی کی نشستوں کو رونق بخشی۔ مشاعرے کی نظامت بزمِ اردو قطر کے صدر محمد رفیق شاد اکولوی نے کی اور کلام پاک چند آیات کی تلاوت کر کے بابرکت آغاز کیا اور استقبالیہ کلمات پیش کیے۔ احتشام الدین ندوی، فیروز خاں، افتخار راغب، رفیق شاد اکولوی، عتیق انظر، جلیل نظامی، شمس الغنی وغیرہ نے کلیم عاجز کے فکر و فن پر گفتگو کی اور انھیں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ کلیم عاجز 2009 میں بزمِ اردو قطر کے گولڈن جوبلی مشاعرہ اور نظیر اکبر آبادی سیمینار میں قطر تشریف لائے تھے۔ بزمِ اردو قطر کے ذمہ داران اور اراکین نے ان کے انتقالِ پُرملال پر اظہار افسوس کرتے ہوئے تعزیت پیش کی اور ان کی مغفرت کی دعا کی۔

اس بار طرحی مشاعرے کے لیے اردو کے عظیم شاعر، شاعرِ مشرق علامہ اقبال کا مصرع 'یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید' دیا گیا تھا۔ بزمِ اردو قطر کے مشاعروں میں کئی برسوں سے یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ بیرونِ قطر سے شعرائے کرام اپنی طرحی غزلیں ارسال کر کے مشاعرے میں شرکت کرتے ہیں۔ اس بار ای میل سے کل تیرہ غزلیں موصول ہوئیں۔ جن میں عالیہ تقوی (الٰہ آباد)، محترمہ رضیہ کاظمی (امریکہ)، فضل عباس فاضل (ممبئ)، محمد رفیق اکولوی (دمام، سعودی عرب)، ابرار کاشف (امراوتی)، حسن آتش چاپدانی (کولکاتا)، احمد علی برقی اعظمی (دہلی)، ملک محی الدین (ریاض، سعودی عرب)، شاہین فصیح ربانی (مسقط)، سعید رحمانی (کٹک، اڑیسہ)، انس نبیل (اکولہ)، اقبال خلش (اکولہ) اور احمد ندیم رفیع (امریکہ) کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ جنھیں راشد عالم راشد، احتشام الدین ندوی، وزیر احمد وزیر، افتخار راغب اور محمد رفیق شاد اکولوی نے مشاعرے میں پیش کیا۔

صدرِ مشاعرہ اور مہمان شاعر جناب شمس الغنی نے صدارتی خطاب پیش کیا۔

رپورٹ: افتخار راغب، جنرل سکریٹری، بزمِ اردو قطر، 23 مارچ 2015

تسلیم الٰہی زلفی کے اعزاز میں منعقدہ تقریبات

پاکستان: ادارۂ فکر نو، پاکستان کی جانب سے 25 جنوری 2015 کو تسلیم الٰہی زلفی کے اعزاز میں ایک پر وقار

مجلس فخر بحرین برائے فروغ اردو کے زیر اہتمام تیسرے عالمی مشاعرے میں شامل شعرا

مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا، اس موقعے پر ادارہ کے صدر محمد علی گوہر نے خطبۂ استقبالیہ اور ڈاکٹر شاداب احسانی (صدر شعبۂ اردو جامعہ کراچی) نے مہمانِ گرامی کے حوالے سے تعارفی اور ستائشی گفتگو فرمائی۔ اسی طرح دبستانِ لوح وقلم نے بھی تسلیم الٰہی زلفی کے اعزاز میں ایک شعری نشست کا اہتمام کیا۔ اس موقعے پر انجمن ترقی اردو پاکستان کے ڈاکٹر جاوید منظر نے مہمانِ گرامی کی شخصیت اور فن کے حوالے سے سیر حاصل تعارفی گفتگو فرمائی۔ بزم سائبان کے ذریعہ پاکستان آرٹس کونسل میں تسلیم الٰہی زلفی کو استقبالیہ دیا گیا۔ اس طرح KASBIT انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی جامعہ کراچی نے تسلیم الٰہی زلفی کے لیکچر کا انعقاد کیا۔ کراچی پریس کلب کی انتظامیہ نے عالمی شہرت یافتہ ممتاز شاعرہ ریحانہ روحی کے تعاون سے کینیڈا کے مہمان، نامور علمی و ادبی شخصیت تسلیم الٰہی زلفی کے ساتھ ایک شام، خطاب اور ان ہی کی صدارت میں، پروقار شعری نشست کا اہتمام 14 مارچ 2015 کیا۔ تقریب کی ابتدا میں کراچی پریس کلب کے اعلیٰ عہدے داران رحمت اللہ بخاری، سلیم باسط اور نواب قریشی نے مہمانِ گرامی کا نہایت گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا اور سندھی روایتی اجرک پوشی کی۔

پریس ریلیز: تسلیم الٰہی زلفی، پاکستان، 14 مارچ 2015

اردو انسٹی ٹیوٹ کی ماہانہ نشست

29 مارچ بروز اتوار اردو انسٹی ٹیوٹ کی ماہانہ نشست حسب معمول شامبرگ لائبریری کے وسیع ہال میں منعقد کی گئی۔ اس نشست میں علی گڑھ کے سابق وائس چانسلر سید حامد مرحوم کی خدمات اور شخصیت کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ سید حامد معروف ماہر تعلیم تھے۔ ڈاکٹر مظفرالدین فاروقی صاحب کی معاونت سے اس پروگرام کا اہتمام کیا گیا تھا اس پروگرام کو اردو سرکل آف نارتھ امریکہ، اقرا انٹرنیشنل ایجوکیشنل فاؤنڈیشن اور اردو ٹائمز کے تعاون سے پیش کیا گیا اس نشست میں شرکا نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ امین حیدر نے اس نشست کی نظامت کی۔ جاوید اسلم نے کہا کہ سید حامد مرحوم نے ایک مشکل وقت میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا انتظام سنبھالا، علی گڑھ یونیورسٹی سے بدنظمی کو ختم کیا، اصلاحات نافذ کیں۔ اعجاز ہاشمی نے مرحوم سے شکاگو میں اپنی پہلی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ شکاگو میں ڈاکٹر فاروقی نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی المنائی ایسوسی ایشن شکاگو کی بنیاد رکھی اور اسی ادارے کے تحت پہلی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس شکاگو کا انتظام فرمایا۔ اس کانفرنس میں ہندوستان، یوگوسلاویہ اور امریکہ سے مسلم دانشوروں نے حصہ لیا۔ سید حامد اس کے مہمان خصوصی تھے۔ اعجاز ہاشمی نے اپنی گفتگو کے اختتام پر سید حامد مرحوم کی ایک غزل بھی پیش کی جسے بے حد سراہا گیا۔ ڈاکٹر مظفرالدین فاروقی نے اپنی گفتگو میں کہا کہ سید حامد مرحوم نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اس ایجوکیشنل کانفرنس کو دوبارہ شروع کیا جس کی بنا سر سید احمد خان نے ڈالی تھی۔ ڈاکٹر فاروقی نے فرمایا کہ سید حامد کی نڈر اور مصلحانہ قیادت کی وجہ سے انھیں 'سید ثانی' کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر عابد اللہ غازی نے اپنے شگفتہ انداز میں سید حامد مرحوم کی شخصیت اور خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر تسنیمہ غازی نے اپنے صدارتی کلمات میں فرمایا کہ وہ سید حامد کے انتقال کو ملت کا بڑا خسارہ سمجھتی ہیں۔

پریس ریلیز: امین حیدر، صدر، اردو انسٹی ٹیوٹ، شکاگو، 31 مارچ 2015

مجلس فخر بحرین برائے فروغ اردو کے زیر اہتمام تیسرا عالمی مشاعرہ

بحرین: مجلس فخر بحرین کے یادگار مشاعرہ کا باقاعدہ آغاز مجلسِ فخرِ بحرین کے مشیرِ خاص، نوجوان شاعر عزیز نبیل نے کیا۔ صدرِ محفل سید محمد اشرف صاحب (فکشن رائٹر، شاعر ساہتیہ ایوارڈ یافتہ چیف کمشنر انکم ٹیکس کولکتہ) اور مہمانِ خصوصی پی ایچ بشٹ صاحب (فرسٹ کونسلر سفارت خانہ ہند) مہمان اعزازی ڈاکٹر شمیم جے پوری (سابق وی سی مولانا آزاد اردو یونیورسٹی)، زبیر رضوی (ہندوستان)، محترم مرتضیٰ برلاس (پاکستان)، ڈاکٹر سید نعیم حامد علی الحامد (سعودی عرب)، ندیم صدیقی صاحب (ہندوستان)، ڈاکٹر ترنم ریاض صاحبہ (ہندوستان)، منصور عثمانی (ہندوستان)، محترم سنیل تنگ (ہندوستان)، محترم اتل اجنبی (ہندوستان) کا استقبال حاضرین نے تالیوں کی گونج میں کیا۔ مقامی شعرا میں سے خورشید علیگ، رخسار ناظم آبادی، احمد عادل اور طاہر عظیم تھے۔

مجلس فخر بحرین برائے فروغ اردو کو اس بات پر فخر ہے کہ وہ عرفان صدیقی کی یاد میں عالیشان عالمی مشاعرہ کا انعقاد کر کے عرفان صدیقی جیسے اہم شاعر کی بازیافت کا کام انجام دے رہی ہے۔ عرفان صدیقی شخصیت اور شاعری پر ایک نہایت اہم اور ضخیم کتاب کی اشاعت کا اہتمام مجلس کے ذریعہ ہوا ہے۔ اپنے خطبے صدارت میں سید محمد اشرف نے مجلس فخر بحرین کے سرپرست جناب شکیل احمد صبرحدی کو مبارک باد پیش کیا۔ مشاعرے کی نظامت منصور عثمانی نے انجام دی۔ مشاعرے کا آغاز طاہر عظیم نے کیا۔

رپورٹ: خرم عباسی، 4 مارچ 2015

دبئی میں اعظمی برادران کی جانب سے مشاعرہ کا انعقاد

دبئی: ہندوستانی جس ملک میں بھی رہتے ہیں اپنی زبان، اپنا ادب، اپنی تہذیب و ثقافت کی بھرپور آبیاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور مختلف قسم کے پروگراموں کا انعقاد کرتے ہیں۔ اعظمی برادران مبارک باد کے مستحق

ہیں کہ اردو زبان و ادب کے تحفظ و ترویج و اشاعت کے لیے سمندر پار متحدہ عرب امارات میں بھی کوششیں کر رہے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار ابوعاصم اعظمی نے شیخ راشد آڈیٹوریم دبئی میں اعظمی برادران کی جانب سے منعقدہ مشاعرہ میں بحیثیت مہمان خصوصی خطاب کرتے ہوئے کیا۔ اس موقعے پر شارجہ کے قومی شاعر راشد شرار کو سرپرست مشاعرہ دانش ضیا اور جنرل سکریٹری مہتاب عالم خان نے مومنٹو پیش کر کے عزت افزائی کی۔ اس کے علاوہ سماجی کارکن صدر مشاعرہ حاجی محمد انیس اور ابوعاصم اعظمی کو کنوینر راشد اعظمی و بانی مشاعرہ محمد اعظم نے مومنٹو پیش کر کے عزت افزائی کی۔ اس موقعے پر ایک مجلّہ بھی شائع کیا گیا تھا جس کی رسم اجرا مہمانان کے ہاتھوں ہوئی۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 3 مارچ 2015

قومی اردو کونسل کی سرگرمیاں

خبرنامہ

مولانا آزاد کے فکر و فن پر ایک جامع کتاب کی تیاری کے سلسلے میں میٹنگ کا انعقاد

قومی اردو کونسل میں میٹنگ کا منظر

نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، مرکزی حکومت کی ایما پر عظیم مجاہد آزادی، قوم و ملک کے معمار، ملک کے پہلے وزیر تعلیم، عظیم مفکر، دانشور و صحافی مولانا ابوالکلام آزاد پر ایک جامع کتاب نومبر 2015 میں ان کی یوم پیدائش کے موقع پر منظر عام پر لانے کی تیاری کر رہی ہے، اس سلسلے میں ماہرین کی پہلی میٹنگ فروغ اردو بھون میں منعقد ہوئی جس میں مولانا آزاد کی عہد حاضر میں معنویت اور ان کے حیات و کارنامے پر ایک جامع کتاب تیار کرنے کے مضامین، مواد اور موضوعات پر سنجیدگی سے غور و خوض کیا گیا۔ میٹنگ کی صدارت کونسل کے وائس چیئرمین پدم شری جناب مظفر حسین نے کی۔

اپنے صدارتی کلمات میں انھوں نے کہا کہ مولانا کی شخصیت کو قومی اور بین الاقوامی دونوں تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے، انھیں صرف ایک طبقے اور ایک زبان تک محدود نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ انھوں نے قوم و ملک کی تعمیر میں ایک کلیدی کردار ادا کیا ہے اور آج ہندوستان کے باہر بھی مولانا آزاد کی معنویت اور ان کے کارناموں پر غور و خوض کیا جا رہا ہے، انھوں نے مزید کہا کہ مولانا آزاد واحد ایسے قومی رہنما ہیں جنھوں نے آئین ہند پر اپنے دستخط اردو زبان میں کیے ہیں، اس لیے کونسل جشن آزاد کے موقع پر ایک سکہ جاری کرنے کی سفارش مرکزی حکومت سے کرے گی۔

مولانا ابوالکلام آزاد پر یوں تو بہت سی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، اس پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے ماہرین نے یہ تجاویز پیش کی کہ مجوزہ کتاب مولانا آزاد کی سیاسی، سماجی، تہذیبی، تعلیمی بصیرت ان کے افکار و نظریات، تحریک آزادی میں ان کے کلیدی رول، جدید ہندوستان کی تعمیر و ترقی میں مولانا آزاد کا حصہ، ان کی خطابت، جرأت اظہار، صحافت، فنون لطیفہ، ان کے اسفار، ان کی تقاریر کے اہم اقتباسات اور سب سے بڑھ کر عہد حاضر میں ان کی معنویت پر مبنی ہو۔ نیز یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ مولانا آزاد پر نادر و نایاب تصاویر، آڈیو، ویڈیو ریکارڈنگس کو بھی کتابی حصے میں شامل کیا جائے، تاکہ مولانا آزاد سے متعلق کوئی بھی گوشہ مخفی نہ رہ سکے۔ ماہرین نے اس بات پر زور دیا کہ کتاب آسان زبان میں ہو اور معیاری ہو، اس تعلق سے ملک کے ماہرین کی بھی مدد لی جائے، اردو کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی اس کتاب کو شائع کیا جائے۔ یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ نومبر 2015 میں مولانا آزاد کی برسی کے موقع پر ایک شاندار نمائش کا اہتمام کیا جائے، جس میں نادر و نایاب تصاویر کے ساتھ مولانا آزاد پر شائع کی گئی تمام کتابوں اور ان سے جڑی یادوں کو پیش کیا جائے۔

کونسل کے ڈائرکٹر پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے تمام مہمانوں کا استقبال کیا اور یہ یقین دلایا کہ کونسل ماہرین کی تجاویز کو جلد از جلد عملی جامہ پہنائے گی اور اس سلسلے میں ملک کے مختلف اداروں، ماہرین و سرکردہ شخصیات سے رابطہ کرے گی تاکہ اس مختصر مدت میں اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جاسکے اور مولانا آزاد کو شایانِ شان خراج عقیدت پیش کیا جاسکے۔ اس سلسلے میں دوسری میٹنگ دہلی یا دہلی سے باہر جلد ہی منعقد کی جائے گی۔

میٹنگ میں پروفیسر شمیم حنفی، پدم شری جناب صدیق الرحمٰن قدوائی، پروفیسر خالد محمود، محترمہ رخشندہ جلیل، ڈاکٹر اختر حسین اور نصرت ظہیر کے علاوہ کونسل کے ریسرچ آفیسر ڈاکٹر کلیم اللہ، ریسرچ اسسٹنٹ ڈاکٹر قاسم انصاری نے بھی شرکت کی۔

پریس ریلیز، رابطۂ عامہ سیل، قومی اردو کونسل، 12 مارچ 2015

قومی اردو کونسل میں
امجد اسلام امجد کے اعزاز میں تقریب کا انعقاد

نئی دھلی: قومی اردو کونسل میں پاکستان سے تشریف لائے مشہور و مقبول شاعر امجد اسلام امجد کے اعزاز میں ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ تقریب کے آغاز میں کونسل کے ڈائرکٹر پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے امجد اسلام امجد کا والہانہ استقبال کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں بے حد

قومی کونسل میں میٹنگ کا منظر

خوشی ہے کہ آپ ہمارے ادارے میں تشریف لائے۔ انھوں نے قومی اردو کونسل کا مختصر تعارف بھی پیش کیا اور فروغ اردو سے متعلق کونسل کی سرگرمیوں سے امجد اسلام امجد کو واقف کرایا۔

پروفیسر عتیق اللہ نے امجد اسلام امجد کا تعارف پیش کیا اور کہا کہ امجد اسلام امجد ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں۔ ٹی وی ڈرامے کو پاکستان میں استحکام بخشنے میں امجد اسلام امجد کا بڑا رول رہا ہے اور بطور شاعر تو وہ پوری اردو دنیا میں مقبول و معروف ہیں۔ آپ کی شاعری ہمیشہ قاری کو ساتھ لے کر چلتی ہے۔ پاکستان میں نظم کی شاعری میں فی الوقت امجد صاحب سے بڑا کوئی نام نہیں ہے۔

اس موقعے پر امجد اسلام امجد نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ میرے لیے باعث افتخار ہے کہ میں کونسل کے دفتر میں آیا ہوں اور یہاں کے کام کاج کو دیکھنے اور جاننے کا موقع ملا۔ اردو کے لیے یہ یقیناً خوش آئند بات ہے کہ کونسل اردو کی ترقی کے لیے کئی اہم کام انجام دے رہی ہے اور اس کے مثبت نتائج بھی سامنے آ رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے کچھ اشعار بھی سنائے جسے سبھی نے بے حد پسند کیا۔ کونسل کے ڈائرکٹر پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے امجد اسلام امجد اور عازم کوہلی کو کونسل کی کتابیں اور رسائل بھی پیش کیے۔ امجد اسلام امجد نے بھی اپنی کتابیں کونسل کے ڈائرکٹر کی نذر کیں۔

اس موقعے پر معروف شاعر عازم کوہلی نے بھی اظہار خیال کیا۔ اس اعزازی تقریب میں پروفیسر عبید الرحمٰن ہاشمی اور سیف محمود کے علاوہ کونسل کی اسسٹنٹ ڈائرکٹر اکیڈمک ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی، اسسٹنٹ ڈائرکٹر انتظامیہ کمل سنگھ، ریسرچ آفیسر انتخاب عالم، اسسٹنٹ ایجوکیشن آفیسر فیروز عالم، اکاؤنٹس آفیسر محمد احمد اور پی اے نیلم رانی بھی موجود تھیں۔

پریس ریلیز، رابطۂ عامہ سیل، قومی اردو کونسل، 6 اپریل 2015

قومی اردو کونسل بابا صاحب امبیڈکر کی حیات و خدمات پر کتاب شائع کرے گی

نئی دھلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، حکومت ہند قوم و ملک کے معماروں اور عظیم مجاہدین آزادی کی حیات و خدمات پر اردو زبان میں اہم ترین کتابیں شائع کرتی آئی ہیں۔ اس ایجنڈے کے تحت کونسل نے قوم و ملک کے عظیم معمار بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر پر اردو زبان میں ایک مفصل اور مبسوط کتاب شائع کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ کونسل کے وائس چیئرمین پدم شری جناب مظفر حسین نے کہا کہ بابا صاحب نے ملک کی تعمیر و ترقی میں اپنی نمایاں خدمات پیش کی ہیں، بالخصوص دستور سازی اور دلت طبقات کے تئیں بیداری پیدا کرنے

میں انھوں نے ایک کلیدی کردار ادا کیا ہے، جسے کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے قومی اردو کونسل ان کی 125 ویں سالگرہ کے موقع پر انھیں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ایک مفصل کتاب تیار کرے گی۔ کیونکہ بابا صاحب کی حیات و خدمات پر اردو زبان میں اب تک کوئی مفصل کتاب منظر عام پر نہیں آ سکی ہے اور اسی ماہ 14 اپریل کو ان کی 124 ویں سالگرہ تھی۔ اس لیے کونسل کی جانب سے اس کتاب کی اشاعت ان کے لیے ایک خراج تحسین ہوگی۔ انھوں نے ملک بھر کے اہل قلم حضرات سے اپیل کی کہ وہ اس تعلق سے اپنے خاکے کے ساتھ کونسل سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ بابا صاحب 14 اپریل 1891 میں مہاراشٹر کے ضلع : رتنا گری کے ایک گاؤں امبیڈکر میں پیدا ہوئے اور 14 اپریل 2015 کو ان کی پیدائش کے 125 سال پورے ہو رہے ہیں۔ کونسل کے ڈائرکٹر پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے بھی اس منصوبے کی پرزور تائید کی اور کہا کہ وہ جلد ہی اس کتاب کو ماہرین کی مدد سے کونسل کی جانب سے شائع کریں گے تاکہ اردو والے بھی اپنے اسلاف کے کارناموں سے بخوبی واقف ہو سکیں اور ملک کی تعمیر و ترقی میں اپنی حصے داری کو یقینی بنا سکیں۔

پریس ریلیز، رابطۂ عامہ سیل، قومی اردو کونسل، 8 اپریل 2015

ممتاز اردو صحافی و محقق جی ڈی چندن کے انتقال پر قومی اردو کونسل میں تعزیتی نشست

نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، حکومت ہند کے وائس چیئرمین پدم شری جناب مظفر حسین

اور ڈائرکٹر پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے معروف اردو صحافی و محقق جی ڈی چندن کے انتقال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے اور ان کی موت کو اردو صحافت کے لیے ایک بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔ انھیں تعزیت پیش کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ جی ڈی چندن ملک کے ان چند اردو صحافیوں میں سے ایک تھے جنھوں نے اس کے فن اور معیار دونوں کو بلند کرنے کی ہر ممکن کوشش تا حیات کی۔ اردو صحافت کے حوالے سے ان کی بے پناہ خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انھوں نے مزید کہا کہ وہ ایک ممتاز صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خوش اخلاق اور منکسر المزاج انسان تھے۔ اپنی ان نمایاں خصوصیات اور خدمات کی بنا پر وہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ کونسل سے وابستگی کے بارے میں انھوں نے کہا کہ جی ڈی چندن وقتاً فوقتاً کونسل کو اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہے ہیں جس کے لیے کونسل ہمیشہ ان کی مشکور رہے گی۔ انھوں نے مرحوم کے اہل خانہ سے اظہار ہمدردی اور اظہار تعزیت بھی کیا۔

جی ڈی چندن کو عہد حاضر میں اردو صحافت کا ایک اہم محقق تسلیم کیا جاتا ہے اور ان کے تحقیقی کام کو اسناد کا درجہ حاصل ہے۔ ان کی تحقیقی کتابیں اردو صحافت کا سفر، اردو صحافت پر ایک نظر، جامِ جہاں نما، اردو صحافت کی ابتدا، جمنا داس اختر شخصیت اور ادبی و صحافتی خدمات کے علاوہ اردو صحافت کی تاریخ و تدوین پر سیکڑوں مقالے اور مضامین اس کا بین ثبوت ہیں۔

پریس ریلیز، رابطۂ عامہ سیل، قومی اردو کونسل، 9 اپریل 2015

کونسل کے مالی تعاون سے

دہلی یونیورسٹی میں جشن اردو

نئی دہلی: اردو تحقیق و تنقید کو نئی سمت عطا کرنے میں حالی و شبلی سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی میں 'جشن اردو' کے عنوان سے 4 روزہ تقریبات کے افتتاحی اجلاس میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق وائس چانسلر سید شاہد مہدی نے کیا۔ ڈی یو کے شعبہ اردو کے صدر پروفیسر ابن کنول نے استقبالیہ کلمات پیش کرتے ہوئے اس پروگرام کے مقاصد پر روشنی

ڈالی۔ صدارتی کلمات پیش کرتے ہوئے کناڈا سے تشریف لائے ڈاکٹر سید تقی عابدی نے حالی اور شبلی کے حوالے سے کہا کہ انھوں نے اردو کی فکری وسعت میں اضافہ کیا۔ افتتاحی اجلاس کے مہمان خصوصی وائس سی پی یو ایل کے ڈائرکٹر پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے کہا کہ اس پروگرام سے طلبہ و طالبات کو بے حد فائدہ پہنچے گا۔ افتتاحی تقریب کے بعد باقاعدہ سیمینار کا آغاز ہوا جس میں پروفیسر عبدالحق، پروفیسر انور پاشا، پروفیسر محمد نعمان نے مقالے پیش کیے۔ اس افتتاحی اجلاس کی نظامت کنوینر ڈاکٹر محمد کاظم نے کی۔ دوسرا اجلاس پروفیسر صادق اور عبدالعزیز کی صدارت میں منعقد ہوا۔

جشنِ اردو کے دوسرے دن 'تفہیمات حالی و شبلی' سیمینار میں ان دونوں شخصیات کی علمی، ادبی، تنقیدی اور تخلیقی صلاحیتوں کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی گئی۔ تیسرے اجلاس کی صدارت جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے استاد پروفیسر معین الدین جینابڑے اور امریکہ سے آئے پروفیسر افروز تاج نے کی جبکہ نظامت کے فرائض ڈاکٹر ظہیر رحمتی نے انجام دیے۔ اس سیشن کے مہمان خصوصی امریکہ سے آئے جناب جان کالڈویل نے کہا کہ حالی و شبلی صرف ماضی میں خاص اہمیت کے حامل نہیں تھے بلکہ موجودہ اور آنے والے دور میں ان شخصیات کی اہمیت اور معنویت مزید اجاگر ہوکر سامنے آئے گی۔ صدارتی کلمات پیش کرتے ہوئے پروفیسر افروز تاج نے امریکہ میں اردو کی تعلیم اور اس کی صورت حال پر اظہار خیال کیا۔

4 روزہ 'جشن اردو' میں تیسرے دن غالب میموریل لیکچر کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے کی جبکہ مقرر کی حیثیت سے پروفیسر عتیق اللہ نے شرکت کی جنھوں نے 'ہماری قرأت کا تجربہ اور غالب' کے عنوان پر پرمغز خطاب کیا۔ پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ جمالیاتی شاعری کا مطلب اپنی شرطوں پر ہے، نقاد، شاعر اور استاد کی شرطوں پر شاعری کو نہیں سمجھنا چاہیے۔

شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی کے زیر اہتمام قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور دہلی اردو اکادمی کے اشتراک سے منعقدہ 4 روزہ 'جشن اردو' آخری روز سالانہ نظام اردو خطبات منعقد کیا گیا، صدارت کے فرائض شعبۂ سنسکرت کی سابق صدر پروفیسر دیپتی ترپاٹھی نے انجام دیے۔ اس موقعے پر شعبۂ اردو، ازہر یونیورسٹی، مصر کے سابق صدر پروفیسر عبدالرحمٰن، پروفیسر عبدالحق اور پدم شری پروفیسر ریحانہ خاتون نے بھی خطاب کیا۔ پروگرام کے آخر میں سیمینار کے کنوینر ڈاکٹر محمد کاظم نے شرکا کا شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 10، 11، 12 و 13 مارچ 2015

اردو ادب پر مغربی اثرات

نئی دہلی: سرسید اور اس کے عہد کے دوسرے دانشوروں کے سامنے صرف مسلمان نہیں تھے، بلکہ ہندوستانی قوم تھی۔ اگر ہمارے اندر بھی یہ جذبہ پیدا ہوجائے تو پھر ہندوستان پر کوئی آنچ نہیں آنے والی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اپنی زبان اور اپنی تہذیب کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری ہم سب کی ہے۔ ان خیالات کا اظہار پروفیسر ابن کنول نے سوشل انڈین ایکشن کمیٹی کے زیر اہتمام اور قومی کونسل

امام بخش صہبائی کے ادبی اور قومی نظریات پر یک روزہ سیمینار کا منظر

’آل احمد سرور: فن و شخصیت‘ پر منعقدہ سیمینار کا منظر

برائے فروغ اردو زبان کے مالی تعاون سے ’اردو ادب پر مغربی اثرات‘ کے عنوان سے منعقدہ یک روزہ سیمینار میں اپنے صدارتی کلمات میں کیا۔ اس موقعے پر مہمان خصوصی کے طور پر محمد شمیم الدین (آئی آر ایس اسسٹنٹ کمشنر ایکسائز اینڈ سروس ٹیکس)، کیپٹن محمد رضا خان اور جے کے بھلوریا ایڈوکیٹ سپریم کورٹ نے شرکت کی اور اپنے اپنے تاثرات پیش کیے۔ نظامت کے فرائض دہلی یونیورسٹی کے ریسرچ اسکالر نثار احمد نے انجام دیے۔ اس موقعے پر ڈاکٹر ابو شہیم خان نے کہا کہ ہمیں اپنے اصل وجود کی حفاظت کرنے اور شناخت برقرار رکھنے کے لیے اپنی تہذیب اور زبان کو برقرار رکھنا ہوگا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر عزیر احمد نے ’اردو ادب پر مغربی اثرات‘ اور ڈاکٹر محمد ارشد نے ’اردو زبان پر مغرب کے اثرات‘ کے عنوان سے مقالات پیش کیے۔ سیمینار کے آخر میں سوشل انڈین ایکشن کمیٹی کے صدر محمد عالم نے کلمات تشکر پیش کیے جبکہ سوسائٹی کے سرگرم رکن سالک رام نے سوسائٹی کی کارکردگی پیش کی۔

روزنامہ ’راشٹریہ سہارا‘ دہلی، 22 مارچ 2015

امام بخش صہبائی کے ادبی اور قومی نظریات

نئی دھلی: صائم ایجوکیشنل ٹرسٹ نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اشتراک سے ’امام بخش صہبائی کے ادبی اور قومی نظریات‘ کے موضوع پر غالب اکادمی بستی حضرت نظام الدین میں ایک روزہ سیمینار کا انعقاد کیا۔ ذاکر حسین دہلی کالج کے ڈاکٹر خالد مصطفیٰ علوی نے کہا کہ صہبائی اردو فارسی نہیں بلکہ ہندوستان کے شاعر تھے۔ مولوی ذکاء اللہ امام بخش صہبائی کے شاگرد تھے۔ ڈاکٹر عقیل احمد، ڈاکٹر عزیر احمد، دوست محمد نبی خان، ڈاکٹر صغیر اختر، نجم الحق صدیقی، ڈاکٹر محمد ارشد، فرحان بیگ، سنبل ناز، طوبیٰ ناز، سدرۃ سلطانہ نے مقالے پیش کیے۔

صدارتی تقریر کرتے ہوئے پروفیسر ابن کنول نے کہا کہ صائم ایجوکیشنل ٹرسٹ کے عہدے داران قابلِ مبارکباد ہیں کہ انھوں نے امام بخش صہبائی جیسی شخصیت پر سیمینار منعقد کیا۔ اس موقعے پر علیم الدین اسعدی نے کہا کہ امام بخش صہبائی کا تعلق فارسی زبان سے ہے۔ صائم ایجوکیشنل ٹرسٹ کے صدر محمد سلیم دہلوی نے ٹرسٹ کے اغراض و مقاصد بیان کیے۔ اس موقعے پر متین امروہوی نے امام بخش صہبائی کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا۔ عابد علی خان اور محمد سعید حان نے مہمانِ خصوصی کے طور پر سیمینار میں شرکت کی۔ نظامت کے فرائض محمد انس فیضی نے انجام دیے۔

روزنامہ ’راشٹریہ سہارا‘ دہلی، 15 مارچ 2015

آل احمد سرور: فن و شخصیت

نئی دھلی: سوسائٹی فار سوشل ویلفیئر اینڈ ڈیولپمنٹ کے زیراہتمام این سی پی یو ایل کے اشتراک سے ’پروفیسر آل احمد سرور۔فن و شخصیت‘ پر سیمینار کا انعقاد کیا گیا۔ افتتاحی کلمات پیش کرتے ہوئے غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر سید رضا حیدر نے کہا کہ یہ ہمارے لیے اعزاز کی بات ہے کہ ہم پروفیسر آل احمد سرور کی علمی، ادبی، تہذیبی اور ثقافتی خدمات کے اعتراف کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ پروگرام کے مہمان خصوصی اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے کہا کہ جب ہم کسی شخصیت کے حوالے سے ادب کی بات کرتے ہیں جو قوم اپنے جوہر گم گشتہ کو یاد کرے اس کی تہذیب و ثقافت کبھی پژمردگی کا شکار نہیں ہوسکتی۔ صدارتی کلمات پیش کرتے ہوئے پروفیسر قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی نے کہا کہ پروفیسر آل احمد سرور ہمارے ان ادیبوں میں ہیں جنھوں نے تازندگی علم و ادب کی خدمت کی اور تنقید کے میدان میں نئی جہت پیدا کی وہ معروضی اور محاکمانہ تنقید کے قائل تھے۔ نظامت ذیشان حیدر نے کی۔ اس موقعے پر ڈاکٹر سید رضا حیدر، قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی، محمد آدم، درخشاں، ڈاکٹر عبدالحق، ثمرین، شاکر علی صدیقی، محمد قمر، عبدالرحمٰن، عبدالسلام صدیقی، اسما خان نے آل احمد سرور کے مختلف جہات پر اپنے مقالات پیش کیے۔ اخیر میں ڈاکٹر محمد آدم نے شکریہ ادا کیا۔ روزنامہ ’انقلاب‘ دہلی، 30 مارچ 2015

اردو زبان و ادب اور مدارس

نئی دھلی: اردو کا مستقبل تابناک اور روشن ہے، یہی وجہ ہے کہ اردو سے نابلد حضرات بھی اردو اخبارات شائع کررہے ہیں۔ اس کے فروغ میں مدارس اسلامیہ نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ آج بھی وہ پورے برصغیر میں اردو کے فروغ و اشاعت میں بغیر کسی صلہ اور لالچ کے وہ بے لوث خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اردو کو روزگار سے جوڑنے اور دوسری زبانوں کی طرح اسے بھی پرفیشنل بنانے کی ضرورت ہے۔ ان خیالات کا اظہار مہمان خصوصی مفتی مکرم احمد نقشبندی امام و خطیب شاہی جامع مسجد فتح پوری نے غالب اکادمی بستی حضرت نظام الدین نئی دہلی میں ’شمع رضا ویلفیئر ٹرسٹ‘ کے زیراہتمام اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے مالی تعاون سے ’اردو زبان و ادب کے فروغ میں عربی مدارس کا کردار‘ کے عنوان سے منعقدہ سیمینار میں کیا۔

سیمینار کے سرپرست پروفیسر غلام یحییٰ انجم صدر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ہمدرد نے کہا کہ اردو زبان مدارس کے احسان سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتی۔ مولانا مقبول احمد سالک مصباحی نے صدارتی کلمات میں کہا کہ مدارس اسلامیہ اردو زبان و ادب کے لیے آب حیات کا درجہ رکھتے ہیں۔

پروگرام کے کنوینر مولانا تصور علی نظامی نے کہا کہ اردو زبان ہماری سیکڑوں سالہ تہذیبی و ثقافتی اقدار ورثہ کی محافظ ہے۔ پروگرام کے ناظم مولانا سید قیصر خالد فردوسی، مولانا انصار رضا، مولانا ظفرالدین برکاتی، مولانا اشرف الکوثر مصباحی، مولان غلام رسول دہلوی اور مولانا ادریس رضا برکاتی نے مقالے پیش کیے۔

روزنامہ ’راشٹریہ سہارا‘ دہلی، 9 مارچ 2015

اردو زبان و ادب اور مدارس پر منعقدہ سیمینار کا منظر

'ہندوستانی میڈیا پر اردو کے اثرات' کے موضوع پر منعقدہ سیمینار کا منظر

جنوبی ہندوستان میں عربی زبان وادب کے موضوع پر منعقدہ سیمینار کا منظر

ہندوستانی میڈیا پر اردو کے اثرات

نئی دھلی: تعلیمی اور سماجی سالوپشن کے زیر اہتمام منعقدہ سیمینار بعنوان 'ہندوستانی میڈیا پر اردو کے اثرات' پر کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے ساہتیہ اکادمی کے پروگرام آفیسر ڈاکٹر مشتاق صدف نے کہا کہ اردو نے نہ صرف ہندوستانی میڈیا بلکہ ہندوستانی تہذیب، معاشرہ اور فلموں پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اردو کے بغیر ہندوستانی صحافت کا تصور ناممکن ہے۔ اس موقعے پر شکیل حسن شمسی نے کہا کہ اردو فقط ایک زبان ہی نہیں بلکہ ایک تہذیب کا نام بھی ہے۔ افتتاحی اجلاس میں صدارتی کلمات پیش کرتے ہوئے معروف ماہر لسانیات پروفیسر محمد صادق نے کہا کہ اردو نے ہر سطح پر اثر ڈالا، اردو کے اثرات ہندوستانی میڈیا پر اتنے زیادہ ہیں کہ ان سے نکلنا ممکن نہیں۔

قبل ازیں ڈاکٹر عبدالمتین نے خیر مقدمی کلمات میں تمام مہمانان، مقالہ نگار اور سامعین کا استقبال کیا۔ تعارفی کلمات پیش کرتے ہوئے سالوپشن کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر انظار عالم نے سالوپشن کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ مہمان خصوصی کے طور پر شریک جامعہ کوآپریٹو بینک کے چیئرمین مرزا قمرالحسن بیگ نے اپنے تاثرات پیش کیے۔

افتتاحی تقریب کے بعد دو سیشن منعقد ہوئے۔ پہلے سیشن کی صدارت پروفیسر نعمان خان نے کی جس میں وائس آف امریکہ سے وابستہ سہیل انجم، روزنامہ انقلاب کے نیشنل بیورو چیف ڈاکٹر ممتاز عالم رضوی، ڈاکٹر نوشاد عالم، ڈاکٹر شاذیہ عمیر نے مقالے پیش کیے۔ پروفیسر نعمان خان نے صدارتی کلمات ادا کیے۔ افتتاحی اجلاس بشمول دونوں سیشن کی نظامت صحافی انیس الرحمٰن خان نے کی۔ دوسرے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر مشتاق صدف نے کی۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر معظم الدین، ڈاکٹر رئیسہ پروین، ڈاکر محسن، ڈاکٹر قمرالحسن، ڈاکٹر ظفر محمود، ڈاکٹر نعمان قیصر، ڈاکٹر محمد بہلول، عارف اشتیاق اور عبدالسلام صدیقی نے مقالے پیش کیے۔ آخر میں ڈاکٹر محمد انظار عالم، جنرل سکریٹری سالوپشن نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فیتھ فاؤنڈیشن، مولانا آزاد ہومیوپیتھک ریسرچ فاؤنڈیشن کا ان کے تعاون کے لیے شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 29 مارچ 2015

جنوبی ہندوستان میں عربی زبان وادب

نئی دھلی: شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی کے زیر اہتمام قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے مالی تعاون سے 'جنوبی ہندوستان میں عربی زبان وادب' کے موضوع پر 'پروفیسر فارق میموریل لکچر' کا انعقاد آرٹ فیکلٹی میں کیا گیا جس کی صدارت پروفیسر شفیق احمد خان ندوی نے اور نظامت شعبہ کے استاذ ڈاکٹر حسنین اختر نے کی۔ ڈاکٹر محمد اکرم نے مہمان خصوصی کا تعارف پیش کیا جبکہ سابق صدر شعبہ عربی پروفیسر محمد نعمان خان نے مولانا خورشید احمد فارق کی حیات و خدمات کا مکمل احاطہ کیا۔ میموریل لکچر کے خصوصی مقرر پروفیسر اختشام ندوی نے اپنے لکچر میں کہا کہ مالابار وہ مقام ہے جہاں اسلام کی کرنیں سب سے پہلے روشن ہوئی تھیں۔ پہلے مساجد میں مینار نہیں ہوا کرتے تھے۔ مینار بعد کی ایجاد ہیں البتہ مساجد کے احاطے میں کثیر تعداد میں ناریل کے درخت دیکھے جاسکتے تھے۔ پروفیسر شفیق احمد خاں ندوی نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا کہ پروفیسر خورشید احمد فارق علم وادب عربی زبان و ادب میں فنا تھے۔ ہم انھیں کی یاد میں یہاں جمع ہوئے ہیں۔ بعد ازاں دو روزہ قومی سیمینار بعنوان 'المصادر العربیہ التاریخ الہند' کا افتتاحی اجلاس منعقد ہوا جس کی صدارت پروفیسر زبیر احمد فاروقی نے کی جبکہ صدر شعبۂ عربی پروفیسر ولی اختر نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ افتتاحی کلمات پروفیسر محمد نعمان خاں نے پیش کیے۔ کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے پروفیسر صلاح الدین عمری نے کہا کہ ہندوستان کی تاریخ بہت قدیم رہی ہے، جس نے علما، محققین اور تاریخ نگاروں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ پروفیسر زبیر احمد فاروقی نے صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے منتخب موضوع پر پرمغز گفتگو کی۔ شعبہ کے استاذ ڈاکٹر مجیب اختر ندوی نے کلمات تشکر پیش کیے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 5 مارچ 2015

شرحِ دیوانِ مومن

نئی دھلی: یہ المیہ کہ ہر عہد میں اس دور کے ممتاز شاعر اور

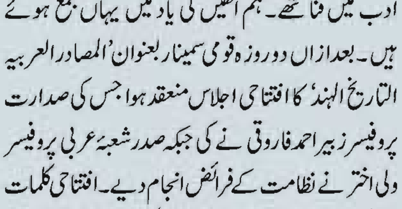

دائیں سے پروفیسر شریف حسین قاسمی، ڈاکٹر ابوبکر عباد اور ڈائس پر پروفیسر شمیم حنفی

نقاد پر ہی ہماری نظر رہتی ہے بلکہ ممتاز شاعروں کے علاوہ جو نچلے طبقے کے شاعر ہیں اسی سے دور کی حقیقی صورت حال کا اندازہ ہوتا ہے۔ مومن خان مومن غالب کے ہمعصر تھے لیکن مومن کی شاعری کو جس طرح یاد کیا جانا چاہیے آج نہیں ہو رہا ہے۔ مذکورہ خیالات کا اظہار معروف محقق اور نقاد پروفیسر شمیم حنفی نے غالب اکادمی میں این سی پی یو ایل کے اشتراک سے منعقدہ ایک روزہ سیمینار 'شرح دیوان مومن' میں کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ اردو غزل کی روایت کی ترجمانی مومن سے ہوتی ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

قبل ازیں غالب اکادمی کے سکریٹری ڈاکٹر عقیل احمد نے کہا کہ غالب کے ہم عصروں میں مومن کا نام اہمیت کا حامل ہے مگر مومن کے تعلق سے کوئی قابل قدر کام نہیں ہوسکا ہے۔ صرف ضیا احمد بدایونی نے مومن کی شرح لکھی ان کے علاوہ کسی نے توجہ نہیں دی۔ انھیں باتوں کے پیش نظر مومن کی شرح کے حوالے سے اس سیمینار کا انعقاد کیا گیا ہے۔ سیمینار کی نظامت دہلی یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر ابوبکر عباد نے کی۔ سیمینار کی صدارت فارسی و زبان ادب کے معروف ادیب پروفیسر شریف حسین قاسمی نے کی۔ انھوں نے کہا غالب وغیرہ کے علاوہ دیگر شاعروں کو ناقدین نہیں مل سکے یہ ایک تلخ حقیقت ہے۔ پروفیسر عبدالحق نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ذوق نے انگریزوں کے خلاف زبان نہیں کھولی مگر مومن واحد شاعر ہیں جنھوں نے مثنوی 'جہاد' لکھ کر انگریزوں کی زبردست مذمت کی ہے۔ مقالہ نگاروں میں پروفیسر عبدالحق، پروفیسر نصیر احمد خاں، انجم عثمانی، نسیم عباسی، ریاض قدوائی قابل ذکر ہیں۔ متین امروہوی نے مومن کی تضمین کی شکل میں دو غزلیں پیش کیں۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 25 مارچ 2015

اردو ادب اور ماحولیات

نئی دھلی: ڈاکٹر عمران احمد عندلیب ڈائرکٹر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کی صدارت میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے مالی تعاون سے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ ملیہ اسلامیہ اور ایکشن فار ڈیولپمنٹ اینڈ ویلفیئر آف سوسائٹی اینڈ انوارنمنٹ نئی دہلی کے زیر اہتمام 'اردو ادب اور ماحولیات' کے

موضوع پر ایک روزہ سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس میں بطور مہمان خصوصی پروفیسر ارتضیٰ کریم نے شرکت کی۔ جبکہ نظامت ڈاکٹر رحمٰن مصور نے کی۔اس موقعے پر ڈاکٹر خالد مبشر نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ غزل کی معرفت جس طرح سے ایک شاعر ماحول کی بنیاد ڈالتا ہے، وہ نہایت ہی اہم ہوتا ہے،شاعر اپنے آس پاس کے مناظر کی جس طرح عکاسی کرتا ہے، وہ قابل دید ہوتا ہے۔ مہمان خصوصی پروفیسر ارتضیٰ کریم نے کہا کہ ایسے موضوعات پر سیمینار یا خطبہ کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ ایک قابل تعریف قدم ہے۔ ڈاکٹر عمران احمد عندلیب نے کہا کہ یہ موضوع کافی حساس ہے اور ایسے موضوعات پر سیمینار، خطبے وغیرہ منعقد کرانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ سیمینار میں کئی اہم مقالے پیش کیے گئے۔

روزنامہ'راشٹریہ سہارا' دہلی، 23 مارچ 2015

شاد عارفی کی شاعرانہ عظمت

وشاکھاپٹنم: شاد عارفی اپنے وقت کے ایسے شاعر تھے، جنھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے سماج کی سچی تصویر پیش کی اور نئی نسل کو زندگی گزارنے کا ایسا پیغام دے گئے جس کی معنویت آج بھی برقرار ہے۔ ان خیالات کا اظہار معروف شاعر اور ادیب پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی نے ساحل سمندر پر واقع تاریخی شہر وشاکھاپٹنم کے وشاکھا پبی فنکشن ہال میں 'شاد عارفی کی شاعرانہ عظمت' پر منعقد قومی سیمینار میں کیا۔ انھوں نے کہا کہ شاد عارفی کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جنوبی ہند کے ایسے شہر میں ان کی شاعری پر سیمینار کا انعقاد کیا گیا، جہاں اردو پڑھنے اور سمجھنے والوں کی تعداد نسبتاً کم ہے۔ قومی اردو کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے تعاون سے بزم اصنام وشاکھاپٹنم کے زیر اہتمام منعقد اس سیمینار میں دس مقالہ نگاروں نے مقالے پیش کیے۔ سیمینار کی صدارت پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی نے کی اور نظامت کے فرائض ڈاکٹر افضل مصباحی نے انجام دیے۔

روزنامہ'صحافت' دہلی، 23 مارچ 2015

خواجہ حسن نظامی کی خدمات پر سیمینار

امروهه: ہمایوں ایجوکیشنل سوسائٹی اور قومی کونسل برائے

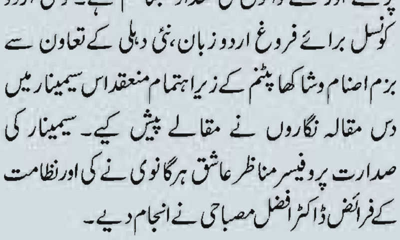

فروغ اردو زبان کے اشتراک سے ایچ پی انٹر کالج ملانہ امروہہ میں یک روزہ سیمینار کا انعقاد بہ عنوان خواجہ حسن نظامی ہوا سیمینار کی صدارت محمد اسلام کمانڈر نے کی، جبکہ مہمان خصوصی ہاپوڑ کے بی ڈی او فرید احمد و سمرت حفیظ رہے۔ مہمان خصوصی فرید احمد نے خواجہ حسن نظامی کی تصنیفات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ خواجہ نے ہمیشہ سادہ زبان کا استعمال کرتے ہوئے بہادر شاہ ظفر کے شہزادوں کی قربانی کا ذکر کیا ہے۔ معروف مصنف مصباح احمد صدیقی نے کہا کہ خواجہ حسن نظامی ایک اعلیٰ قلم کار، مصنف اور بہت بڑے نثار تھے۔ حافظ محمد حنیف نے خواجہ کو ایک تاریخ نگار، صوفی مذہبی رہنما اور صحافی بتایا۔ دیگر مقررین نے خواجہ حسن نظامی کی شخصیت اور ادبی خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ سیمینار کی نظامت ہمایوں پرویز نے کی۔

روزنامہ'خبریں' دہلی، 16 مارچ 2015

طرب ضیائی فن اور شخصیت پر منعقدہ سیمینار کا منظر

طرب ضیائی فن اور شخصیت

امروهه: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے تعاون سے انجل ایجوکیشنل سوشل ویلفیئر سوسائٹی (رجسٹرڈ) کے زیر اہتمام دیوان خانہ کٹکوئی میں ایک روزہ سیمینار بہ عنوان 'طرب ضیائی فن اور شخصیت' منعقد کیا گیا، جس کی صدارت امروہہ کے سینئر شاعر ڈاکٹر شفاعت فہیم نے کی، جبکہ مہمان خصوصی کے طور پر ڈاکٹر شمیم احمد صدر شعبہ اردو فارسی سینٹ اسٹیفن کالج دہلی) نے کی۔ انیس میرٹھی نے کہا کہ طرب ضیائی کے کلام میں تنوع، رعنائی اور مضامین کی بھرمار کے ساتھ ساتھ اچھوتا پن ہے۔ ڈاکٹر انس فیضی نے کہا کہ رباعی کا فن سمندر کو کوزے میں سمونے کے فن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مسرور جوہر نے طرب ضیائی کی زندگی اور شخصیت پر روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی نے کہا کہ طرب کی غزلوں میں ایک روح ہے، روشنی ہے، توانائی اور عصری حسیت ہے۔ شمیم احمد نے اپنے مقالے میں کہا کہ اردو ادب میں رباعی کہنے والے شاعروں کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر شفاعت فہیم، متین امروہوی، شہباز ندیم ضیائی نے ان کی میں رباعیات پر تفصیلی گفتگو کی۔ آخر میں محفل کے کنوینر احمد رضا خاں نے شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ'خبریں' دہلی، 10 مارچ 2015

شمسی پیامی انجمن کے زیراہتمام قومی اردو کانفرنس

اٹاوہ: اردو خالص ہندوستانی زبان ہے، یہ ان چند زبانوں میں ایک ہے جو بھارت میں پیدا ہوئی ہے۔ اس کو پہلے لشکری کہا جاتا تھا، آج بھی فوج میں اردو کے جتنے چاہنے والے ہیں، اتنے کہیں نہیں۔ بھارت میں کہیں بھی چلے جائیں، اردو کے بولنے، پڑھنے اور چاہنے والے آپ کو ہر جگہ مل جائیں گے۔ مذکورہ خیالات کا اظہار سابق پروفیسر مظفر علی نے مقامی مدرسہ عربیہ قرآنیہ میں شمسی پیامی انجمن ہند کے زیر اہتمام قومی اردو کونسل کے اشتراک سے منعقدہ قومی اردو کانفرنس میں مہمان خصوصی کے طور پر خطاب کرتے ہوئے کیا۔ مہمان ذی وقار ڈاکٹر شمیم احمد ڈین فیکلٹی آف ایگریکلچر نے کہا کہ زندہ قومیں وہ ہوتی ہیں جو اپنی زبان کو زندہ رکھتی ہیں آج ہمارے اندر سے اپنی زبان اور اپنی تہذیب کو زندہ رکھنے کا یہ جذبہ ختم ہوگیا ہے۔ اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو اردو سکھایئے تاکہ ہماری آئندہ نسل اپنی اس تہذیبی وراثت کو برقرار رکھ سکے۔ سماجی کارکن اشوک یادو نے کہا کہ پیار، محبت، اخوت، عشق اور اتحاد کا نام اردو ہے۔ اردو شیریں زبان ہے۔ اس موقعے پر اردو کے ممتاز اور ملک کی آزادی میں نمایاں کردار ادا کرنے والی شخصیات کے نام سے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں نمایاں خدمات کے لیے ضلع کے 6 لوگوں کو اعزازات سے نوازا گیا۔ اردو ادب کے سلسلے میں بہترین خدمات کے لیے مشہور اردو اسکالر سردار احمد علیگ کو علامہ اقبال ایوارڈ، دینی و روحانی خدمات کے لیے علاقہ کے معروف عالم دین اور ماہر اسلامیات مولانا حامد اختر مظاہری کو مولانا محمد علی جوہر ایوارڈ، سماجی خدمات کے لیے معروف سماجی کارکن اور شاعر اشوک یادو کو مولانا برکت اللہ بھوپالی ایوارڈ، انتظامی امور کے لیے ضلع اقلیتی بہبود آفیسر جنیش پانڈے کو سرحدی گاندھی ایواڈ، شعری خدمات کے لیے نوجوان شاعر انتخاب عالم رونق کو مولانا آزاد ایوارڈ، تدریسی خدمات کے لیے نوجوان اردو ٹیچر

مخمور سعیدی-فن اور شخصیت پر منعقدہ سیمینار کا منظر

اور تخلیق کار ریاض احمد کو مولانا حسرت موہانی ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔

روزنامہ 'جدید خبر' دہلی، 9 مارچ 2015

مخمور سعیدی-فن اور شخصیت

بچھرایوں (امروهه): ضلع کی معروف، تعلیمی، تہذیبی تنظیم حضرت اُوگھٹ شاہ وارثی سیوا سنستھان، بچھرایوں (امروہہ) و قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے اشتراک سے بعنوان 'مخمور سعیدی..... فن اور شخصیت'، دارالعلوم شمس الوارث، بچھرایوں میں منعقد ہوا۔ سیمینار کا افتتاح معروف اسکالر، دانش ور جناب سمیع احمد (علیگ) فاؤنڈر، ہیومن ویلفیئر مشن، تحریکِ فلاحِ انسانیت انٹرنیشنل نے کیا۔ صدارت پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن نظامی نے کی۔ سیمینار کی نظامت معروف صحافی وشاعر ندیم راعی والیاس انجم نے مشترکہ بخوبی انجام دی۔ سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے سمیع احمد نے کہا کہ مخمور سعیدی ریاست ٹونک، راجستھان میں پیدا ہوئے۔ موصوف اردو اکادمی دہلی کے ایک زمانے تک سکریٹری کے فرائض انجام دیے۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو کے زیر اہتمام شائع ہونے والے ماہنامہ 'اردو دنیا' کے ایڈیٹر رہے۔ اور ماہنامہ 'اردو دنیا' کو عالمی سطح پر دنیا کی سب سے بڑی اردو میگزین بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس موقعے پر آل انڈیا ریڈیو کی اناؤنسر ڈاکٹر رباب انجم، معروف ادیبہ محترمہ نصرت شمسی، ڈاکٹر سبطین سیدہ اور ڈاکٹر زیبا ناز نے مخمور سعیدی کی شاعری کے مختلف جہات پر بصیرت افروز روشنی ڈالی۔

سیمینار کی صدارت کر رہے پروفیسر ڈاکٹر حسن احمد نظامی نے کہا کہ مخمور سعیدی انھیں معنوں میں سچے شاعر ہیں کہ انھوں نے کسی مصلحت کے تحت کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ روہیل کھنڈ یونیورسٹی کی ڈاکٹر ثمینہ خان اور پروفیسر قمر قدیر ارم نے بھی مخمور سعیدی کے فکر وفن پر گفتگو کی۔

پریس ریلیز: الیاس انجم، ایڈیٹر 'شان بجنور'، بجنور، یوپی، 22 مارچ 2015

اردو کی ترقی میں ضلع بجنور کا کردار

نگینه: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کے اشتراک اور اقبال میموریل گرلس ایجوکیشنل سوسائٹی نگینہ کے زیر انتظام دیوان خانہ کے وسیع وعریض ہال میں 'اردو کی ترقی میں ضلع بجنور کا کردار' موضوع پر شاندار قومی سیمینار کا انعقاد کیا گیا۔ معروف مصنف انجینئر محمد سمیع الدین کی صدارت اور ڈاکٹر شیخ نگینوی کی نظامت میں سیمینار کا آغاز ہوا۔ صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے محمد سمیع الدین نے کہا کہ ضلع بجنور کی مٹی میں اردو رچی بسی ہے۔ اس لیے اس کے ہر موضع، قصبے، شہر نے اردو کے نامور ادیب شاعر اور شیدائی پیدا کیے ہیں۔ مہمان خصوصی انڈین ڈرگ فار مائیٹکل لمیٹڈ رشی کیش (اتراکھنڈ) کے جنرل منیجر سردار جی ایس بیدی نے کہا کہ اردو بہت شیریں زبان ہے اردو بنیادی طور پر کئی زبانوں سے مل کر بنی ہے۔ شام نامہ چنگاری کے مدیر ڈاکٹر سوریہ منی رگھونشی نے اپنے خطاب میں کہا کہ اردو میری رگوں میں دوڑتی ہے کیونکہ میرے والد بابو سنگھ چوہان کی زبان اردو تھی۔ اس موقعے پر اقبال احمد صدیقی، میڈیا پوسٹ دہلی کے مدیر ڈاکٹر شیخ نگینوی اور محمد فرقان سنبھلی نے ضلع بجنور میں اردو کی ترویج واشاعت میں ادبا وشعرا کی خدمات کا بھرپور جائزہ لیا۔ مفتی مونس حسین نے مہمانوں کا استقبال کیا جبکہ سوسائٹی کے صدر حسن جاوید نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

پریس ریلیز: شیخ نگینوی، بجنور، 24 مارچ 2015

نظیر اکبرآبادی کی خدمات

آگره: انڈین سوشل ویلفیئر اینڈ ایجوکیشنل سوسائٹی آگرہ کی جانب سے ایک اہم سیمینار قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کے تعاون سے شاہ گنج آگرہ میں منعقد ہوا جس کی صدارت علوی ویلفیئر سوسائٹی اتر پردیش کے صدر عالی جناب سید آل نبی ہاشمی نے کی اور فرمایا کہ نظیر اکبرآبادی کی خدمات کو اردو کے فروغ کے لیے فراموش کیا جانا ممکن نہیں ہے۔ سہارنپور سے تشریف لائے مہمان خصوصی مولانا سعید الظفر نے فرمایا کہ نظیر اکبرآبادی نے اپنی غزل واشعار کے ذریعے اردو کو ترقی دی ہے۔ نظامت کے فرائض جناب محمد عارف نے انجام دیے۔

روزنامہ 'عزیز الہند' دہلی، 20 مارچ 2015

اردو کے فروغ میں مدارس کا کردار

آگره: قومی کونسل برائے فروغ زبان نئی دہلی کے تعاون سے مدرسہ معین الاسلام شاہ گنج آگرہ میں ایک سیمینار مولانا ذکر الرحمٰن، ڈائرکٹر عالمی ادارہ علمیہ دہلی کی صدارت میں بعنوان 'اردو کے فروغ میں مدارس کا کردار' منعقد ہوا۔ صدر موصوف نے کہا کہ ہندوستان میں اردو کی خدمات اردو کا فروغ کا اہم شعبہ مدارس سے ملحق ہے اور مدارس نے ہی ملک میں اردو کو ترقی سے جوڑا ہے اور اردو کے پڑھنے پڑھانے کا مکمل طور پر انتظام مدارس کر رہے ہیں۔ سیمینار کے مہمان خصوصی مدرسہ شریعت العلوم بھدوہی کے اسکول کے منیجر توقیر احمد خان نے کہا کہ مذہب اسلام کی اکثر کتابوں کا ذخیرہ اردو میں موجود ہے اور اس نقطہ نظر سے بھی مدارس کے ذریعے اردو کے فروغ کا کام اعلیٰ پیمانہ پر ہو رہا ہے۔ آخر میں مدرسہ انوار القرآن آگرہ کے ناظم مولانا محمد نعیم قاسمی نے مدارس کی خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 23 مارچ 2015

روہیل کھنڈ کے صوفی شعرا

رام پور: کیئر ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی کی جانب سے یک روزہ قومی اردو سیمینار بعنوان 'اعلیٰ انسانی اقدار کے فروغ میں روہیل کھنڈ کے صوفی شعرا کا حصہ' عیدگاہ روڈ واقع سمبائیوسس پبلک اسکول میں منعقد ہوا۔ قومی کونسل

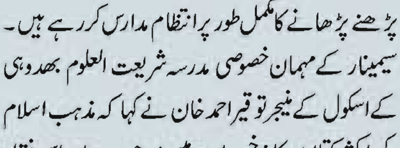

برائے فروغ اردو زبان کے تعاون سے منعقدہ سیمینار کی صدارت ایڈیٹر ماہنامہ ضیاء وجیہ ڈاکٹر شعائر اللہ خاں نے کی۔ جبکہ مہمان خصوصی کے طور پر ڈاکٹر حسن احمد نظامی شریک ہوئے۔ اس موقعے پر ڈائرکٹر آکاشوانی رامپور ثروت عثمانی، سریندر کمار گرگ، محمد زبیر شمسی، الیس فضیلت، اسرار احمد، انجینئر وجے کمار دیوان مہمان ذی وقار کی حیثیت سے موجود تھے۔ سیمینار کی نظامت کے فرائض معروف اسکالر ڈاکٹر رباب انجم نے انجام دیے۔ سابق ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو رضا پی جی کالج ڈاکٹر شریف احمد قریشی نے سیمینار میں کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ اردو شاعری نے تصوف کی خوشگوار فضا میں اپنی آنکھیں کھولیں اور آغوش تصوف میں پرورش بھی پائی۔ یہی وجہ ہے کہ حسن وعشق کی طرح تصوف بھی اردو شاعری کا اہم اور خاص

اقبال کی شاعری کے فکری رجحانات پر منعقدہ سیمینار کا منظر

موضوع رہا۔ مہمان خصوصی ڈاکٹر حسن احمد نظامی نے اپنے خطاب میں کہا کہ اس وقت ایسے سیمیناروں کی سخت ضرورت ہے، جس میں اردو کو زندہ کیا جائے اور اعلیٰ اقدار کو سمجھا جائے۔ اس موقعے پر آکاشوانی رام پور کے ڈائریکٹر ثروت عثمانی، ڈاکٹر ظہیر علی صدیقی، ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی، ڈاکٹر ثمینہ بی، ڈاکٹر اطہر مسعود خاں، ڈاکٹر ظہیر رحمتی، کرنل سریندر کمار گرگ، انجینئر ونے کمار دیوان، صبا خالد لکھنوی، ایس فضیلت، ڈاکٹر غزالہ بی وغیرہ نے بھی اپنے مقالات پیش کیے۔ سیمینار کے کنوینر فیصل شاہ خاں نے تمام شرکا کا شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ ’خبریں‘ دہلی، 30 مارچ 2015

جلسۂ تقسیم اسناد

گونڈہ: وزارت فروغ انسانی وسائل حکومت ہند کے تحت قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اردو، ہندی اور انگریزی پر مشتمل کمپیوٹر کورس کا پہلا جلسۂ تقسیم اسناد ٹاؤن ہال گونڈہ میں ہوا۔ تنظیم پی ڈی ایم ودیا پیٹھ بنوریہ اور اقلیتی فلاح کمیٹی کے زیر اہتمام یہ پروگرام گروکل سماج وکاس سنستھان دہلی کے جنرل سکریٹری آر پی شکلا کی کنوینر شپ میں منعقد ہوا۔ ضلع مجسٹریٹ اجے کمار اپادھیائے نے بطور مہمان خصوصی خطاب کرتے ہوئے کہا کہ زبانیں دلوں کو جوڑتی ہیں اور بے شک اردو اپنی تہذیب اور مٹھاس کی وجہ سے مقبول زبان ہے۔ پروگرام کی صدارت سینئر شاعر مجیب احمد صدیقی اور نظامت محمد یعقوب عزم گونڈوی نے کی۔ ضلع مجسٹریٹ کے بدست کورس پورا کرنے والے جگن ناتھ اوجھا، سنجے ورما، راکیش موریہ، پروین شرما، روبی شکلا، انو شکلا اور روی شرما کو سرٹیفکیٹ واعزاز دیا گیا۔ آخر میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کے پیغام کو پیش کیا گیا اور اردو کے فروغ کے لیے آگے آنے کی اپیل کی گئی۔

روزنامہ ’راشٹریہ سہارا‘ دہلی، 23 مارچ 2015

اقبال کی شاعری کے فکری رجحانات

حسن پور/امروہہ: ضلع کی معروف، تعلیمی، تہذیبی تنظیم عبدالمجید میموریل جونیر ہائی اسکول، حسن پور (امروہہ) و قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے اشتراک سے ایک سیمینار بعنوان ’اقبال کی شاعری کے فکری رجحانات‘، سردار بیگم میموریل ڈگری کالج، حسن پور میں منعقد ہوا۔ سیمینار کا افتتاح ریاستی وزیر حکومت اتر پردیش کمال اختر نے کیا۔ صدارت ڈاکٹر ملکہ نظامی (پرنسپل سردار بیگم میموریل ڈگری کالج) نے کی۔ سیمینار کی نظامت معروف صحافی، شاعر ندیم رائی والیاس انجم نے مشترکہ طور پر کی۔ سیمینار کی کنوینر سلمیٰ انصاری نے اپنے استقبالیہ کلمات میں تمام مہمانوں کا تعارف کرایا و گل پوشی کر کے خیر مقدم کیا۔ سیمینار کے معاون کنوینر الیاس انجم نے کہا کہ اقبال ہمارے ان شعرا میں سے ہیں جن کی عظمت کا اعتراف نہ صرف ہندوستان اور پاکستان میں کیا جاتا ہے، بلکہ جن کی شہرت ملک کی حدود سے باہر بین الاقوامی سطح تک پہنچ گئی ہے۔ اس موقعے پر پروفیسر ڈاکٹر توقیر احمد خان، ڈاکٹر افسانہ حیات، پروفیسر قمر قدیر ارم اور ڈاکٹر صداقت اللہ خان نے اقبال کی شاعری پر سیر حاصل بحث کی۔ اس کے علاوہ دیگر شرکا نے بھی اپنے مقالات پیش کیے۔ سیمینار کی صدارت کر رہی ڈاکٹر ملکہ نظامی نے کہا کہ اقبال اپنی شاعری میں جتنے موضوعات کو بروئے کار لائے ہیں ان میں سے بیشتر کا تعلق انسانی زندگی سے عبارت ہے۔

روزنامہ ’انقلاب‘ دہلی، 31 مارچ 2015

کیفی اعظمی کی خدمات

لکھنؤ: ہندی اردو ساہتیہ ایوارڈ کمیٹی کے زیر اہتمام اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے زیر اشتراک انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشنل اینڈ ٹیکنالوجی، کینٹ روڈ کے ہال میں ایک سیمینار ’ترقی پسند تحریک اور اردو ادب میں کیفی اعظمی کی خدمات‘ کے موضوع پر معروف ادیب وشاعر سہیل کاکوروی کی صدارت میں منعقد کیا گیا، جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے نعمان اعظمی، عبدالوحید فاروقی، نکنج مشرا اور مولانا اکبر حسین ندوی شریک ہوئے۔ پروگرام کی نظامت ضیاء اللہ صدیقی ندوی نے انجام دی۔ استقبالیہ کلمات ادا کرتے ہوئے کمیٹی کے جنرل سکریٹری اور پروگرام کے کنوینر اطہر نبی ایڈوکیٹ نے کہا کہ محبان اردو کی کثیر تعداد میں موجودگی اس بات کی علامت ہے کہ کیفی اعظمی آج بھی ہم لوگوں کے دلوں میں زندہ ہیں۔ کیفی اعظمی کی نظموں کا مجموعہ ’جھنکار‘ 1943 میں شائع ہوا دوسرا مجموعہ آخر شب 1947 میں شائع ہوا اور تیسرا آوارہ سجدے مکتبہ جامعہ دہلی نے شائع کیا۔ صدارتی خطاب میں کیفی اعظمی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے معروف ادیب وشاعر سہیل کاکوروی نے کہا کہ کیفی اعظمی کو میں ترقی پسند تحریک کی سب سے قد آور شخصیت سمجھتا ہوں، کیونکہ ترقی پسندی کے بنیادی عناصر کے تقاضے غزل پورے نہیں کرسکتی تھی، اس کے لیے نظم کی وسعت چاہیے تھی اور کیفی کی گرفت نظم پر بہت مضبوط تھی۔ مہمان خصوصی نعمان اعظمی اور نکنج مشرا نے اپنے خطاب میں کہا کہ ان کی شاعری دراصل سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کے خلاف بغاوت کا اعلان ہے۔ انھوں نے اشتراکی نظام کے قیام میں ہی انسانیت کی بقا کا خواب دیکھا اور دوسروں کو بھی دکھایا۔ آخر میں مہمانان کرام کا شکریہ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشنل اینڈ ٹیکنالوجی کے ڈائرکٹر رفیع احمد نے کیا۔

روزنامہ ’جدید خبر‘ دہلی، 30 مارچ 2015

شہید وطن نواب مجو خاں اور تحریک آزادی

مرادآباد: نہرو یوا قومی مرکز کے دفتر میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان و انجم ویلفیئر سوسائٹی کی جانب سے شہید وطن نواب مجو خاں کی یاد میں ایک پروگرام بعنوان ’شہید وطن نواب مجو خاں اور تحریک آزادی‘ منعقد کیا گیا۔ پروگرام میں دور دراز سے آئے ادبا، ومورخین نے تاریخ کی روشنی میں نواب مجو خاں کی عظیم قربانی کی اہمیت وافادیت پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور عوام سے نواب مجو خاں کے جذبہ کو اپنے دل میں بسانے کو کہا گیا۔ پروگرام کی صدارت سماجی خدمت گار نعیم خاں اور نظامت ندیم حسین نے کی۔ اس موقعے پر سید محمد ہاشم، رضا الرحمٰن عاکف سنبھلی، پروفیسر شفیق الرحمٰن برکاتی، اور نعیم الدین خاں نے اپنے پرمغز مقالے پیش کیے۔ آخر میں سوسائٹی کی صدر انجم پروین نے سب کا شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ ’انقلاب‘ دلی، 23 مارچ 2015

شبلی صدی سیمینار کا منظر

دانش گاہوں میں اردو تحقیق: سمت و رفتار

پگرابسنت پور، کشی نگر: عزیزی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی کے زیر اہتمام اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے تعاون سے یک روزہ قومی سیمینار بعنوان 'دانش گاہوں میں اردو تحقیق: سمت و رفتار' اور قومی یکجہتی پر ایک مشاعرہ کا انعقاد پگرابسنت پور، تمکوہی راج، کشی نگر میں ہوا، جس میں علاقائی و بیرونی مختلف ادبا و شعرا نے شرکت کی۔ اس موقعے پر کئی اہم مقالے پڑھے گئے۔ مہمان خصوصی شفیع الدین وفا نے اردو کو جوڑنے والی زبان بتایا وقومی یکجہتی پر اپنے کلام پیش کیے۔ اخیر میں سکریٹری عبدالعزیز انصاری نے رسم شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'سیاسی تقدیر' دہلی، 24 مارچ 2015

شبلی صدی

گورکھپور: شبلی نعمانی صد سالہ تقریبات کے سلسلے میں جاب انفارمیشن سینٹر گورکھپور کے زیر اہتمام اور فروغ اردو کونسل کے تعاون سے ہونے والے یک روزہ سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے ڈاکٹر عزیز احمد نے کہا کہ شبلی نعمانی نے جو تعلیمی نصاب ایک صدی قبل پیش کیا تھا آج اس پر بحث کی ضرورت ہے۔ انھوں نے کہا کہ مولانا شبلی کو سرسید کی صحبت نے دو آتشہ بنا دیا تھا۔ اس موقعے پر اظہار خیال کرتے ہوئے مہمان خصوصی اور لسانی اقلیتی کمیشن کے کمشنر پروفیسر اختر الواسع نے کہا کہ ہماری ضرورت مفتی، ائمہ اور موذن بھی ہیں اور ہماری ضرورت ڈاکٹر انجینئر اور آرکیٹیکٹ بھی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ شبلی نعمانی نے تعلیم کا ایک وسیع نصاب پیش کیا تھا جو جدید اور قدیم کا مرکب تھا۔ تعلیم کی تقسیم انگریزوں نے اپنے مفاد کے لیے کی تاکہ اپنا تعلیمی نصاب نافذ کر سکیں۔ انھوں نے کہا کہ شبلی کو خراج عقیدت صرف ان کے کارناموں کا شمار کرا کے نہیں پیش کی جا سکتی بلکہ انھوں نے تعلیم کے لیے جو کچھ کیا اس کارواں کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

اس موقعے پر شبلی اکادمی کے ڈائرکٹر پروفیسر اشتیاق احمد ظلی نے کہا کہ 1887 میں پہلی بار مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں شبلی نعمانی نے مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم کے عنوان سے مقالہ پیش کیا تھا اور آج بھی ایجوکیشنل کانفرنس میں شبلی نعمانی کی اس گراں قدر خدمات کو سراہا جا رہا ہے۔ دوسرے اجلاس میں پروفیسر علی احمد فاطمی نے کہا شبلی مورخ بھی ہیں مدبر بھی۔ انھوں نے ماضی کا آئینہ دکھا کر حال میں لوگوں کے اندر اعتماد پیدا کیا اور مستقبل کی تعمیر کے لیے آگے بڑھنے پر مجبور کیا۔ اس موقعے پر ڈاکٹر غلام حسین اور ڈاکٹر درخشاں تاجور نے شبلی نعمانی کے سیاسی افکار پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ اس اجلاس کی صدارت پروفیسر پربھاشنکر پانڈے نے کی۔ انھوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ شبلی اپنے زمانے سے زیادہ آنے والے زمانے کے آدمی تھے۔ پروگرام کی نظامت ڈاکٹر عمیر منظر نے کی۔ اس موقعے پر اردو کے شاعر عرفان صدیقی کے شعری مجموعہ کا اجرا عمل میں آیا۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 24 مارچ 2015

سیمانچل میں اردو تعلیم کی صورتِ حال

ارریا: تہذیب کو زندہ رکھنے کے لیے اردو کی ترقی ضروری ہے۔ اردو ایک قومی اور تہذیبی اثاثہ ہے جس کو بچانے کی ذمے داری ہر فرد کے کاندھوں پر ہے۔ یہ باتیں جمعیت علماء ہند کے ضلع صدر شمیم انور نے الشمس اکادمی، ملت نگر میں قومی اردو کونسل کے مالی تعاون سے منعقدہ ایک سیمینار سے خطاب کے دوران کہیں۔ اسلامک اسکالر عبدالمنان ندوی، چیئرمین کل ہند ائمہ مساجد کونسل نے اردو کی تعلیم میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے کئی تدابیر پیش کیں۔ جبکہ ماسٹر ارشد انور نے کہا کہ اردو سے عدم دلچسپی کی وجہ سے اپنی تہذیب وتمدن کو کھو دیں گے۔ عبدالصمد نے سکنڈری اسکول میں اردو کی صورتِ حال کا ذکر پیش کیا۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے سیمینار کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ الشمس اکادمی کے ذریعے سیمینار کا انعقاد کیا جانا ایک بہتر قدم ہے۔ الشمس اکادمی کے ڈائرکٹر سرور عالم ندوی نے کہا کہ ہمیں لوگوں میں اردو سے محبت پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 13 مارچ 2015

بہار کی دوسری سرکاری زبان اردو

پٹنہ: اردو سے ہماری سماجی، مذہبی اور ثقافتی وابستگی ہے جسے نہ نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے انکار کیا جا سکتا ہے۔ حقوق انسانی کمیشن بہار کے چیئرمین جسٹس بلال نزکی نے اس امر کا اظہار کیا۔ بیٹر ورلڈ مشن اور این سی پی یو ایل کے اشتراک سے 'بہار کی دوسری سرکاری زبان اردو ہم اور ہماری ذمے داریاں' کے موضوع پر منعقد جلسے سے اپنے خطاب میں انھوں نے کہا کہ اردو کے فروغ کے لیے صرف اردو میڈیم اسکولوں کا قیام ضروری نہیں بلکہ اس کے لیے ہمیں اپنے بچوں کو اردو پڑھانا ضروری ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو کے مسائل خود اردو پڑھنے والے حل نہیں کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں غیر اردو داں سے تعاون کی ضرورت ہے۔ چکبست اور فراق نے جس طرح اردو کی آبیاری کی ہے وہ اردو داں کے لیے سبق آموز ہے۔ انھوں نے کہا کہ جدید تقاضوں کے مدنظر ہمیں اپنے بچوں کو اردو میڈیم اسکولوں میں پڑھانے کی بجائے انگریزی اسکولوں میں بھیجنا زیادہ ضروری ہے مگر اس کے ساتھ ہی اپنے بچوں کو اردو سے نابلد نہ رکھیں بلکہ اس کا نظم اپنے گھروں میں کریں اور معلم سے اردو کی تعلیم ضرور دلائیں۔ اس موقعے پر اردو اکادمی کے سابق وائس چیئرمین عبدالواحد اور اکبر رضا جمشید نے بھی موضوع سے مناسبت خیالات پیش کیے۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 25 مارچ 2015

پنجابی یونیورسٹی میں بابا فرید صوفی لیکچر

پٹیالہ: ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کو بنانے اور سنوارنے میں صوفیائے کرام کی خدمات کو نظر انداز نہیں

کیا جا سکتا۔ صوفی اِزم کا دائرہ کبھی ایشیائی ملکوں تک محدود تھا لیکن اکیسویں صدی تک آتے آتے اس تصوف کی اہمیت کو یورپ کے ممالک نے بھی قبول کیا ہے۔ اس کی

مولانا محمد حسین آزاد کی ادبی خدمات پر منعقدہ سیمینار کا منظر

اردو تعلیم کے عصری رجحانات پر منعقدہ سیمینار کا منظر

بنیادی وجہ تصوف کا غیر جانبدارانہ کردار ہے۔ جو بلا تفریق سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق وائس چانسلر پروفیسر سید شاہد مہدی نے اپنے لیکچر میں یہ باتیں کہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ تصوف اور پنجاب کا رشتہ جسم و جان جیسا ہے۔ پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے بابا فرید سینٹر نے قومی اردو کونسل برائے فروغ اردو کے اشتراک سے مذکورہ یادگاری بابا فرید لیکچر یونیورسٹی کے گورمت سنگیت بھون میں منعقد کیا تھا۔ پنجابی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر جسپال سنگھ نے اپنے صدارتی خطبے میں بابا فرید کی روحانی شاعری پر سیر حاصل گفتگو کی۔ اس موقعے پر صوفی سینٹر کے ڈائریکٹر پروفیسر ناشر نقوی نے نظامت کرتے ہوئے صوفی سینٹر کی سرگرمیوں سے روشناس کرایا۔ آخر میں پروفیسر دھنونت کور نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور پروفیسر شاہد مہدی کو صوفی سینٹر کی مطبوعات بھی پیش کیں۔

پریس ریلیز: پروفیسر ناشر نقوی، ڈائریکٹر، صدر شعبۂ اردو، پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ پنجاب، 27 مارچ 2015

مولانا محمد حسین آزاد کی ادبی خدمات

جالندھر / امرتسر: محسن اردو مولانا محمد حسین آزاد کی یاد میں گرونانک دیو یونیورسٹی امرتسر کے شعبۂ اردو وفارسی کی جانب سے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے تعاون سے عظیم الشان سیمینار کا اہتمام گرونانک بھون میں کیا گیا۔ سیمینار کی صدارت سینئر وکیل سدرشن کپور اور یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر عزیز عباس نے کی جبکہ نظامت گورونانک دیو یونیورسٹی کے اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر ریحان حسن نے بخوبی انجام دی۔ اس موقعے پر 'ماہنامہ آجکل' کے چیف ایڈیٹر حسن ضیا نے کہا کہ محمد حسین آزاد کی علمی اور تصنیفی خدمات پر وہ توجہ نہیں دی گئی جو ان کا حق تھا۔ اس لیے آج کا یہ سیمینار بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ راشٹریہ سہارا چینل کے ڈپٹی ڈائریکٹر لئیق رضوی نے مولانا آزاد کو جدید اردو شاعری کا مجتہد اول قرار دیتے ہوئے ان کی نظموں کو حالی کی نظموں کی طرح کارآمد قرار دیا۔ سنبھل سے تشریف لائے ڈاکٹر عابد حسن حیدری نے محمد حسین آزاد کے قیام پنجاب پر روشنی ڈالی۔ راشٹریہ سہارا کے چیف ایڈیٹر سراج نقوی نے کہا کہ محمد حسین آزاد کا شمار ان شخصیات میں ہوتا ہے جنھوں نے اردو تنقید کی روایت ڈالی۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی سے وابستہ ڈاکٹر شاہد اختر نے کہا کہ پنجاب میں اردو کو اعلیٰ مقام دلانے میں مولانا محمد حسین آزاد کا بہت ہی اہم رول ہے۔ گرونانک دیو یونیورسٹی امرتسر کے اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر ریحان حسن نے کہا کہ آج ذوق کا علمی مرتبہ جو کچھ بھی ہے وہ محمد حسین آزاد کے مرہون منت ہے۔

ڈاکٹر محمد اقبال نے کہا کہ اردو شعر و ادب میں آزاد کی شخصیت کافی بھاری بھرکم قد آور اور بارعب ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر علی عباس نے محمد حسین آزاد کے سفرنامے پر گفتگو کی۔ سیمینار کے آخر میں شعبہ اردو کے صدر ڈاکٹر عزیز عباس نے سبھی مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اردو اکادمی کے سابقہ چیئرمین ڈاکٹر محمد اقبال نے بھی اپنے تاثرات پیش کیے۔

روزنامہ 'ہند سماچار' جالندھر، 1 اپریل 2015

اردو تعلیم کے عصری رجحانات

مالیرکوٹلہ: گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن مالیرکوٹلہ اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اشتراک سے پنجاب میں 'اردو تعلیم کے عصری رجحانات' پر منعقدہ دو روزہ قومی سیمینار کا انعقاد کالج کی آرٹ گیلری میں کیا گیا۔ سیمینار میں تشریف لائے حضرات کا کالج کے پرنسپل ڈاکٹر محمد اقبال نے استقبال کیا۔ کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے پروفیسر زبیدہ حبیب نے پنجاب میں تعلیمی مسائل اور فروغ اردو کے حوالے سے اظہارِ خیال کیا۔ اختتامی تقریب کی صدارت ڈاکٹر روبینہ شبنم نے کی۔ اس دو روزہ سیمینار میں کئی تکنیکی اجلاس کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت بالترتیب پروفیسر منکت سنگھ، پروفیسر عبدالرشید، پروفیسر ہربنس لال شرما، ڈاکٹر مینا کماری، ڈاکٹر ریکھا، پروفیسر ڈی ڈی بھٹی، اور پروفیسر عزیز عباسی نے انجام دی جبکہ نظامت کے فرائض بالترتیب محترمہ شلپا اگروال، کرم پریت کور، ہرپریت کور، اور ڈاکٹر نشاں زیدی نے انجام دیے۔ اس سیمینار میں دو درجن سے زائد مقالے پیش کیے گئے۔ سیمینار کے کوآرڈی نیٹر پروفیسر ہربنس لال متل نے تمام شرکا کا شکریہ ادا کیا۔

پریس ریلیز: ڈاکٹر محمد اقبال، پرنسپل مالیرکوٹلہ، پنجاب، 9 اپریل 2015

جمال محمد کالج ترچی میں یومِ اردو کا انعقاد

ترچی: 25 مارچ 2015 کو جمال محمد کالج، ترچی کے احاطے حسین الدین ہال میں یوم اردو کے موقعے پر عظیم الشان اردو مشاعرہ اور تمل کوی ارنگم کا انعقاد عمل میں آیا۔ یہ جلسہ شعبۂ اردو، جمال محمد کالم اور قومی کونسل کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سنٹر کے زیراہتمام منعقد ہوا۔ تامل ناڈو کی سرزمین میں پہلی مرتبہ مشاعرہ اور کوی ارنگم دونوں زبانوں کا کامیاب جلسہ رہا۔ جناب اصغر ویلوری ممبر گرانٹ ان ایڈ کمیٹی، قومی کونسل برائے فروغ اردزبان نے جلسے کا افتتاح کیا اور جناب اشفاق الرحمٰن مظہر، سابق رجسٹرار، تمل ناڈو اسٹیٹ اردو اکادمی، تمل ناڈو، اور جناب ڈاکٹر پی ایم منصور، تمل اسکالر اور ادیب، سابق وائس پرنسپل بحیثیت مہمانان خصوصی شریک ہوئے۔ اجلاس کی دوسری

جمال محمد کالج میں یوم اردو کے انعقاد کا منظر

اردو لغت نویسی-مسائل اور امکانات پر منعقدہ سیمینار کا منظر

ہندوستانی سنیما اور اردو یک روزہ پروگرام کا منظر

نشست میں عظیم الشان مشاعرہ منعقد کیا گیا جس کی نظامت ڈاکٹر پی احمد باشاہ نے کی۔ اس اجلاس میں سنٹر سے امتیازی حیثیت سے کامیاب طلبا اور طالبات کو سٹیفکیٹ آف میرٹ اور انعامات سے نوازا گیا۔ ڈاکٹر شیخ کریم اللہ صدرِ شعبۂ ہندی، جمال محمد کالج کے ہدیہ تشکر پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

پریس ریلیز، ڈاکٹر پی احمد باشا، کوآرڈی نیٹر این سی پی یو ایل سینٹر نمبر 2402، کمپیوٹرائز کیلی گرافی سینٹر شعبۂ اردو جمال محمد کالج، تمل ناڈو، 30 مارچ 2015

اردو لغت نویسی-مسائل اور امکانات

مدراس: شعبہ عربی، فارسی و اردو، مدراس یونی ورسٹی کے زیر اہتمام دو روزہ قومی سیمینار بعنوان 'اردو لغت نویسی-مسائل اور امکانات' پلاٹنم جوبلی آڈیٹوریم، مدراس یونی ورسٹی میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی اور قومی آزمائشی خدمات ہند (NTS-I) کے مالی تعاون سے منعقد ہوا۔ جس میں ہندوستان بھر سے ماہرین فن شریک ہوئے۔ ڈاکٹر قاضی حبیب احمد، ڈائرکٹر آف سیمینار نے خطبہ استقبالیہ دیا۔ ڈاکٹر سید سجاد حسین، صدر شعبہ نے مہمانوں کا تعارف پیش کیا۔ ڈاکٹر سید وصی اللہ بختیاری نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ پدم بھوشن جناب موسیٰ رضا، آئی اے ایس، چیرمین، ایس آئی ای ٹرسٹ چنئی نے صدارت فرمائی۔ مہامانان خصوصی جناب اے محمد اشرف صاحب، سکریٹری وکرسپانڈنٹ، نیو کالج چنئی اور جناب پٹیل محمد یوسف صاحب، مینیجنگ ڈائرکٹر وانی ٹیک نے حاضرین سے خطاب فرمایا۔ جناب شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے پرمغز کلیدی خطبے سے سیمینار کے موضوع پر شرح وبسط سے روشنی ڈالی۔ موسیٰ رضا نے صدارتی خطبہ دیا۔

افتتاحی اجلاس کے بعد پانچ اجلاس منعقد ہوئے جس میں مختلف یونی ورسٹیوں اور کالجوں سے تشریف لائے اساتذہ کرام نے لغت نویسی کے موضوع پر اپنے وقیع مقالے پیش کیے جن پر علمی مباحثے اور مذاکرے بھی ہوئے۔ جناب شمس الرحمٰن فاروقی نے دو Technical Sessions کی صدارت فرمائی اور اپنے صدارتی محاکموں میں نہایت اہم اور کار آمد باتیں بتائیں۔ واضح رہے کہ اس اجلاس میں ڈاکٹر قاضی حبیب احمد کی مرتب کردہ کتاب 'عکس در عکس'، ڈاکٹر سید سجاد حسین صاحب کی مرتب کردہ کتاب 'خواتین ہند کے تخلیقی جزیرے' کا اجرا جناب شمس الرحمٰن فاروقی کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ دوسرے دن شمس الرحمٰن فاروقی کی صدارت میں اختتامی اجلاس منعقد ہوا۔ اختتامی خطبہ جناب ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی نے دیا۔ جبکہ صدارتی خطاب میں جناب شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے مخصوص لب و لہجے میں سیمینار کے عنوان کے ایک اہم جز یعنی لغت نویسی کے امکانات، تقاضوں اور عصری معنویت پر نہایت اہم نکات اور اشارے پیش کیے۔ جناب محمد شکیل اختر آئی پی ایس، اڈیشنل ڈائرکٹر جنرل آف پولیس، گورنمنٹ آف تمل ناڈو نے اردو زبان میں خطاب فرمایا۔ ڈاکٹر زبیر شاداب خاں، کوآرڈینیٹر، NTS-I نے تمام مہمانان، شرکا، سامعین اجلاس اور انتظامیہ کا شکریہ ادا کیا۔ قومی ترانے پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

پریس ریلیز: امان اللہ، شعبہ عربک، پرشین اینڈ اردو، مدراس یونیورسٹی، چینئی 23 مارچ 2015

اردو کا مستقبل اور ہماری ذمے داریاں

نرمل: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے زیر تعاون اور الانصار ایجوکیشنل سوسائٹی نرمل کے زیر اہتمام ایک سیمینار بعنوان 'اردو کا مستقبل اور ہماری ذمے داریاں' جامعہ عائشہ صدیقہ اللبنات محلّہ قصبہ نشان منعقد کیا گیا جس کی صدارت جناب انور حسین منظور نے کی، انھوں اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ اردو حب الوطنی اور قومی یکجہتی کو فروغ دینے والی زبان ہے۔ مہمانِ خصوصی جناب مولانا عبدالعلیم قاسمی نے اپنے خطاب میں کہا کہ اردو زبان کے روشن مستقبل کے لیے اردو کو روزگار سے مربوط کرنا بے حد ضروری ہے۔ مولانا امتیاز احمد مفتاحی نے اردو زبان کا تعارف اور اس کے سفر پر تفصیلی خاکہ پیش کیا۔ انصار احمد ساحل نے اپنے خطاب میں کہا کہ اردو کے تابناک مستقبل کے لیے مسابقتی امتحانات کے پرچہ سوالات اردو زبان میں شائع کیے جائیں۔ جناب نذیر الدین نے اپنے خطاب میں کہا کہ اردو مدارس میں طلبا کے داخلوں کو یقینی بنایا جائے۔ جناب افتخار احمد معتمد الانصار سوسائٹی نے اظہار تشکر پیش کیا۔

روزنامہ 'رہنمائے دکن' حیدرآباد، 2 مارچ 2015

حیدرآباد میں فن خطاطی کی نمائش

قومی اردو کونسل کے تعاون سے چلائے جانے والے دو سالہ ڈپلوما کورس برائے خطاطی و گرافک ڈیزائن ادارۂ

ادبیاتِ اردو کے اساتذہ اپنے شاگردوں کے ہمراہ فنِ خطاطی کے فروغ کے لیے ہمہ تن مصروف ہیں۔ فنِ خطاطی کے لیے حیدرآباد لٹریٹری فورم جو ایک بڑی مشہور فورم ہے کی جانب سے ہر سال کی طرح اس سال بھی 4 روزہ لٹریری فیسٹول منعقد کیا گیا۔ اس فیسٹول کا افتتاح 5 ستارہ ہوٹل بنجارہ ہلز میں ہوا۔ افتتاحی تقریب میں فلمی صنعت کے مشہور و معروف ہستیاں جاوید اختر، ٹوم آلٹر، مہیش بھٹ وغیرہ نے شرکت کی۔ اس کے بعد 3 روز تک نظام حیدرآباد کا قائم کردہ اسکول برائے جاگیردارو ں کے بچوں کے لیے جواب حیدرآباد پبلک اسکول کے نام سے مشہور ہے کے احاطے میں منعقد ہوا۔ حیدرآباد لٹریری فیسٹول میں تقریباً 100 آرٹسٹوں کو مدعو کیا گیا تھا اس فیسٹول میں قومی بین الاقوامی 15000 لوگوں نے شرکت کی۔

بذریعہ ڈاک: محمد عبدالغفار، سنٹر انچارج واستاذ خطاط، حیدرآباد، 17 فروری 2015

ہندوستانی سنیما اور اردو

ہبلی: انجمنِ اسلام نہرو آرٹس، سائنس، کامرس، بی بی اے بی سی اے کالج، ہبلی کے زیرِ اہتمام ایک روزہ قومی

کانفرنس بہ عنوان 'ہندوستانی سنیما اور اردو' قومی کونسل برائے فروغ اردو۔ دہلی کی جانب سے منعقد کی گئی۔ پرنسپل میجر ڈاکٹر ایم ایف انصاری نے مہمانوں کا استقبال کیا۔ آرگنائیزنگ سکریٹری ڈاکٹر ایس نسیم بانو نے کانفرنس کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی۔ بحیثیت مہمانِ خصوصی مشہور صحافی اور شاعر شاہد لطیف۔ مدیر روزنامہ انقلاب، ممبئی نے شرکت کی اور شمع روشن کر اس کانفرنس کا افتتاح کیا۔ اپنے خطاب میں انھوں نے کہا کہ کس طرح اردو اس ہندی فلم انڈسٹری کی زبان قرار پائی جو اس دور کا سکہ رائج الوقت تھی۔ تقسیم ہند کے بعد اردو کا آزمائشی دور شروع ہوا۔ اس کے باوجود ہندی فلم انڈسٹری نے اپنی پسندیدہ زبان کو جاری وساری رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی فلموں کے نغموں اور مکالموں پر اردو غالب ہے۔ کانفرنس کی صدارت جناب اسماعیل کالے بڑے صاحب، نائب صدر انجمنِ اسلام، ہبلی نے کی۔ افتتاحیہ کے اختتام میں صدر شعبۂ اردو پروفیسر ریشما حسینی نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد تکنیکی سیشن کا آغاز ہوا۔ پہلے سیشن کی صدارت ڈاکٹر انیس الحق۔ یشونت کالج۔ نانڈیڑ نے کیا۔ دوسرے سیشن کی صدارت ڈاکٹر شکیلا گورے خان نے کی۔ تیسرے سیشن کی صدارت ڈاکٹر غلام دستگیر نے کی۔ اختتامیہ میں ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی۔ مہمان خصوصی نے نہرو کالج کے بہترین انتظام پر اور کانفرنس کے کامیاب ہونے پر مبارک باد دی۔ اس ایک روزہ کانفرنس میں کل پندرہ مقالے پڑھے گئے۔ آخر میں ڈاکٹر ایم ایف انصاری نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ اس کانفرنس کے انعقاد کا مقصد ہندوستانی سنیما میں ہندی اور اردو کو الگ کرنا نہیں بلکہ یہ بتانا مقصد ہے 90 فی صد اردو کا استعمال ہوتا ہے اور سند ہندی کی دی جاتی ہے۔ اردو کو اردو کا وہی مقام ملنا چاہیے۔ جس کی وہ حقدار ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر نسیم نے سبھی کا شکریہ ادا کیا۔

پریس ریلیز: ڈاکٹر نسیم، کرناٹک، 14 مارچ 2015

پروفیسر حنیف نقوی: شخصیت وخدمات پر منعقدہ سیمینار کا منظر

جمال محمد کالج میں عالمی یوم خواتین

ترو چی: 8، مارچ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے تعاون سے تملناڈو کے شہر ترچناپلی کے مشہور کالج، جمال محمد کالج میں چل رہے کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سنٹر میں عالمی یوم خواتین کے موقع پر 8، مارچ 2015 کو ایک پروگرام منعقد کیا گیا۔ اس پروگرام میں طلباء اور طالبات نے خواتین کے حقوق، خواتین پر عالمی سطح پر ہونے والے مظالم اور اس کی روک تھام پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس پروگرام کے مہمانِ خصوصی جناب پروفیسر ڈبلیو۔ محمد یونس نے طلبا میں خواتین کے تعلق سے پیدا ہونے والے مثبت جذبات کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ ہندوستانی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ یہاں کے سماج میں عورتوں کا کس قدر احترام کیا جاتا تھا اور آج بھی عام طور پر ہماری تہذیب میں عورتوں کو عزت واحترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن چند واقعات ایسے ہوجاتے ہیں جس پر ہر مہذب شہری کی آنکھیں شرم سے جھک جایا کرتی ہیں۔ آپ نے نوجوانوں سے اپیل کی کہ وہ خواتین پر ہو رہے ظلم کے خلاف آواز بلند کریں اور شر پسند عناصر کا مقابلہ کریں۔ عوام ان کے ساتھ ہیں۔ ڈاکٹر پی احمد بادشاہ، صدر شعبۂ اردو نے صدارتی کلمات ادا کیے اور سنٹر کے سینئر فیکلٹی پروفیسر احمد جلال الدین نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

پریس ریلیز: ڈاکٹر پی احمد بادشاہ، صدر شعبۂ اردو، جمال محمد کالج، ترچناپلی، 14 مارچ 2015

پروفیسر حنیف نقوی: شخصیت وخدمات

بھوپال: 'پروفیسر حنیف نقوی۔شخصیت وخدمات' کے زیر عنوان بھوپال میں ایسوسی ایشن آف انڈین مسلم بھوپال کے زیراہتمام اور این سی پی یو ایل کے تعاون سے منعقدہ قومی سیمینار میں کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے معروف دانشور اور ادیب شمیم طارق نے کہا کہ پروفیسر حنیف نقوی ایک ایسی شخصیت کا نام ہے جس نے تحقیق و تنقید اور زبان و ادب کو اعتبار بخشا ہے، ان کا وجود نہ صرف ہمارے لیے بلکہ اردو ادب کے لیے بھی ایک نعمت تھا۔ سیمینار کی صدارت مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے بھوپال میں قائم ریجنل سینٹر کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد احسن نے انجام دی اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے سابق سکریٹری حکومت ہند ارون بھٹناگر نے شرکت فرمائی۔

جناب ارون بھٹناگر نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے اپنی تقریر میں سیمینار کے انعقاد پر میز بانوں کو مبارکباد دی اور اردو کے نامور اسکالر حنیف نقوی کو یاد کرنے کو اہم قدم سے تعبیر کیا۔ ڈاکٹر محمد احسن نے اپنی صدارتی تقریر میں پروفیسر حنیف نقوی کی ہمہ جہت خدمات پر روشنی ڈالی اور جستہ جستہ ان کے ادبی کاموں کا احاطہ کرتے ہوئے کہا کہ اٹھارہ وقیع کتابوں اور سیکڑوں تنقیدی وتحقیقی مضامین کے خالق کو یاد کرنا اپنے آپ میں ایک اہم کام ہے۔ سیمینار کے افتتاحی سیشن کی نظامت صحافی و ادیب اقبال مسعود نے انجام دی۔

افتتاحی سیشن میں پروفیسر ابو محمد سحر پر کچھ عرصہ پہلے منعقد ہوئے سیمینار میں پڑھے گئے مضامین کے مجموعے 'یادگار سحر' کا اجرا بھی ہوا اس موقع پر بیگم مونس پروفیسر ابو محمد سحر، بیگم پروفیسر ابو حنیف نقوی اور ان کی صاحبزادی نغمہ حنیف نقوی بھی موجود تھیں۔ سیمینار کے پہلے نشست کی صدارت پروفیسر حیدر عباس رضوی، اور پروفیسر آفاق حسین صدیقی، مشترکہ طور پر انجام دیے جس میں کئی اہم مقالات پڑھے گئے۔ نشست کی نظامت کے فرائض

جمال محمد کالج میں عالمی یوم خواتین پروگرام کا منظر

ڈاکٹر ہری سنگھ گور یونیورسٹی میں اقبال لیکچر

شاد عارفی: حیات وخدمات پر منعقدہ سیمینار کا منظر

حمیدیہ کالج شعبہ اردو کی استاد ڈاکٹر ارجمند بانو افشاں نے خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیے۔ آخر میں شکریہ کی رسم پروفیسر طاہر عباسی عرب نے انجام دی۔

پریس ریلیز: محمد احسن، بھوپال، 20 مارچ 2015

ڈاکٹر ہری سنگھ گور یونیورسٹی میں اقبال لیکچر

ساگر/مدھیہ پردیش: اقبال سمندر نہیں مہا ساگر تھے۔ ایک اچھا شہری ہونے کے لیے جن خوبیوں اور صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے وہ ساری باتیں علامہ اقبال نے اپنی نظم 'سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا' میں کہہ دی ہیں۔ ان خیالات کا اظہار ڈاکٹر ہری سنگھ گور شودیالیہ، ساگر کے شعبہ اردو میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کے تعاون سے منعقد ہونے والے سالانہ خصوصی خطبہ 'اقبال لیکچر سیریز' میں یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر آر پی تیواری نے اپنے صدارتی خطبے میں کیا۔ اس موقعے پر اسکول آف لینگویجز کے ڈین پروفیسر اے پی ترپاٹھی اور ڈین فیکلٹی افیئرز پروفیسر ایس پی ویاس نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر ابوشہیم خان نے مہمانوں کا تعارف کرایا اور ڈاکٹر افضل مصباحی نے نظامت کی۔ ہدیۂ تشکر ڈاکٹر وسیم انور نے پیش کیا۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 27 مارچ 2015

شاد عارفی: حیات وخدمات

ناگپور: راشٹر سنت تکڑوجی مہاراج ناگپور یونیورسٹی کے زیر اہتمام اور قومی کونسل برائے فروغ اردو دہلی کے تعاون سے 'شاد عارفی: حیات و خدمات' کے موضوع پر 14 مارچ کو ایک قومی سیمینار کا انعقاد کیا گیا۔ اس کی صدارت معروف شاعر وادیب ڈاکٹر اقبال مسعود بھوپال نے کی۔ سیمینار کا افتتاح ناگپور یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر وینائیک دیش پانڈے نے کیا۔ اس موقعے پر ناگپور کے ڈیوژنل کمشنر جناب مجیب احمد خان، جناب ایس کیو زماں (ایم ایل سی) اور جناب امرالدین ملک بحیثیت مہمانِ خصوصی موجود تھے۔ ڈاکٹر شرف الدین ساحل نے کلیدی تقریر میں شاد کی شاعری کو زمین سے جڑی اور اظہارِ ذات کی شاعری بتایا۔ اس سے قبل شعبۂ اردو کی انچارج پروفیسر ڈاکٹر وینا داڑھے نے سیمینار کی غرض وغایت پر روشنی ڈالی۔ نظامت کے فرائض سیمینار کے کنوینر ڈاکٹر محمد اظہر حیات نے انجام دیے۔ اس موقعے پر فیروز مظفر دہلی کی مرتب کردہ کتاب 'شاد عارفی حیات و جہات' کا اجرا بھی عمل میں آیا۔ پہلے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر عبدالرحیم نشتر نے فرمائی اور دوسرے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر غازی امان کے حصے میں آئی۔ اخیر میں سیمینار کے کنوینر ڈاکٹر اظہر حیات نے اظہار تشکر پیش کیا۔

بذریعہ ڈاک: ڈاکٹر محمد اظہر حیات، امراوتی، ناگپور، 20 مارچ 2015

مجاز کی شاعری اور اس کی میراث

کولکاتا: مجاز اپنے عہد کا بڑا شاعر تھا جس نے اپنے

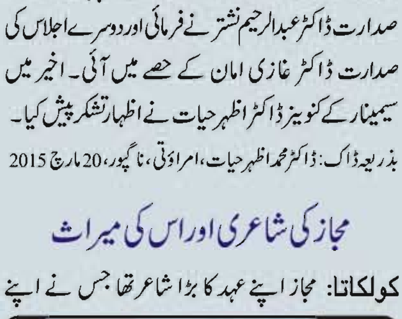

عہد کے برافروختہ نوجوان نسل کے غم وغصے کو فن کاری سے شاعری کے قالب میں ڈھالنے کا کام کیا۔ اس نے زندگی کے نغمے گنگنائے، ترقی پسندی کے سائے میں شام کی اور آزادی کی صبح کے خواب دیکھے۔'' ان خیالات کا اظہار پروفیسر زماں آزردہ نے سریندر ناتھ ایوننگ کالج، کولکاتا اور این سی پی یو ایل دہلی کے مشترکہ اہتمام سے منعقدہ دو روزہ کل ہند سیمینار بعنوان 'مجاز کی شاعری اور اس کی میراث: بازدید' میں کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے کیا۔ پروفیسر زماں آزردہ، پروفیسر شارب ردولوی، جناب قیصر شمیم اور کالج کے پرنسپل پروفیسر اقبال جاوید نے مشترکہ طور پر شمع روشن کرکے پروگرام کا آغاز کیا۔ بطور مہمانِ خصوصی جناب قیصر شمیم نے شرکت کی۔ نظامت کے فرائض دیبوپریا سانیال اور صدارت معروف محقق، ناقد اور مجاز کے ہمعصر پروفیسر شارب ردولوی نے کی۔ پروفیسر شارب ردولوی نے افتتاحی اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے کہا کہ ''مجاز کو میں نے نہ صرف دیکھا ہے، بلکہ وہ میرے قیام لکھنؤ کے زمانے میں اکثر میرے ہوسٹل کے کمرے میں آجاتے تھے۔ پھر مجاز میرے ہم وطن بھی تھے۔ سریندر ناتھ کالج کے پرنسپل پروفیسر اقبال جاوید نے اس موقعے پر شعبۂ اردو کے سیمینار کی کامیابی پیش کی۔ پروفیسر نصرت جہاں نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ دوسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر نصرت جہاں نے کی۔ اس اجلاس میں دو مقالے پڑھے گئے۔ بطور صدر پروفیسر شارب ردولوی نے دونوں مقالوں کا بھرپور جائزہ لیا اور کہا یہ سیمینار مجاز فہمی کے نئے باب وا کر رہا ہے۔ سیمینار کے دوسرے دن چار اجلاس منعقد ہوئے۔ دوسرے دن کے پہلے اجلاس کی صدارت پروفیسر زماں آزردہ نے کی، جبکہ نظامت کے فرائض ڈاکٹر محمد کاظم نے ادا کیے۔ اس اجلاس میں پروفیسر شارب ردولوی، ڈاکٹر اسلم جمشید پوری، ڈاکٹر دیبا ہاشمی نے مجاز کی شاعری پر اپنے مقالے پیش کیے۔ صدارتی خطبہ زماں آزردہ نے پیش کیا۔ دوسرے دن کے دوسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر نعمان خان اور پروفیسر اقبال جاوید نے اور نظامت ڈاکٹر اسلم جمشید پوری نے کی۔ دوسرے دن کے تیسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر شارب ردولوی نے کی نظامت ڈاکٹر اسلم جمشید پوری نے کی۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر فرحت آرا، ڈاکٹر شبانہ نسرین، ڈاکٹر نصرت جہاں، پروفیسر خالد اشرف نے مقالات پیش کیے۔ اختتامی اجلاس کی صدارت جناب قیصر شمیم نے اور نظامت پروفیسر نصرت جہاں نے کی۔

روزنامہ 'عزیز الہند' دہلی، 29 مارچ 2015

اردو سے متعلق دیگر قومی اور علاقائی خبریں

قومی :

ملک میں کل 28276 اردو میڈیم اسکول

نئی دہلی: کٹیہار لوک سبھا حلقہ سے رکن پارلیمنٹ مسٹر طارق انور نے پارلیمنٹ میں تحریری طور پر یہ سوال کیا

تھا کہ کیا سرکار نے پورے ملک میں بہ شمول تامل ناڈو اردو میڈیم اسکول کھولنے کے لیے کوئی قدم اٹھایا۔ کیا موجودہ صورت حال میں بہتری کے لیے سرکار کی جانب سے کوئی ٹھوس قدم اٹھایا گیا ہے؟ سرکار کی جانب سے دیے گئے مذکورہ تحریری جواب کے ساتھ ساتھ یہ بھی جانکاری دی گئی ہے کہ سروسکشا ابھیان کے تحت اردو میڈیم اسکول کھولنا ریاستوں کی ذمے داری ہے۔ تحریری جواب کے مطابق سرکار کو محکمہ یونیفائڈ ڈسٹرکٹ انفارمیشن سسٹم فار ایجوکیشنل (U-DISE) سے جو جانکاری ملی ہے وہ یہ ہے کہ ملک میں کل 28276 اردو میڈیم اسکول ہیں جس میں سے 16382 سرکار کے ماتحت چلائے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی سرکار نے اس بات کی بھی جانکاری دی ہے کہ سرکار کے پاس ریاستی سطح پر ایسی کوئی تفصیل موجود نہیں ہے جس کے ذریعے بتایا جاسکے کہ ریاستی سطح پر اردو میڈیم اساتذہ کی کیا صورت حال ہے۔ سرکار کے مطابق آندھرا پردیش میں کل 4067 اردو میڈیم اسکول ہیں، جن میں سے 3141 اسکول سرکاری ہیں۔ آسام میں 68 اردو میڈیم اسکول ہیں، جن میں سے 9 سرکاری ہیں۔ بہار میں 3624 اردو میڈیم اسکول ہیں جن میں سے 2597 اسکول سرکاری ہیں۔ چھتیس گڑھ میں 133 اردو میڈیم اسکول ہیں، جن میں سے 11 اسکول سرکاری ہیں۔ دہلی میں 113 اردو میڈیم اسکول ہیں، جن میں سے 101 اسکول سرکاری ہیں۔ گوا میں 33 اردو میڈیم اسکول ہیں جن میں سے 23 سرکاری اسکول ہیں۔ گجرات میں 144 اردو میڈیم اسکول ہیں، جن میں سے 130 اسکول سرکاری ہیں۔ ہریانہ میں 18 اردو میڈیم اسکول ہیں، جن میں سے سرکاری کوئی بھی نہیں ہے۔ ہماچل پردیش میں ایک اردو میڈیم اسکول ہے وہ بھی پرائیویٹ ہے۔ جموں وکشمیر میں 1367 اردو میڈیم اسکول ہیں، جن میں سے 1227 سرکاری ہیں۔ جھارکھنڈ میں 913 اردو میڈیم اسکول ہیں، جن میں سے 463 سرکاری ہیں۔ کرناٹک میں 5227 اردو میڈیم اسکول ہیں، جن میں سے 4125 سرکاری ہیں۔ کیرل میں دو اردو میڈیم اسکول ہیں جبکہ سرکاری کوئی نہیں ہے۔ مدھیہ پردیش میں کل 941 اردو میڈیم اسکول ہیں، جن میں سے 210 سرکاری اسکول ہیں۔ مہاراشٹر میں 5282 اردو میڈیم اسکول ہیں، جن میں سے 2832 سرکاری اسکول ہیں۔ منی پور میں چار اور میگھالیہ میں ایک اردو میڈیم اسکول ہیں، جن میں سے سرکاری کوئی نہیں ہے۔ اڑیسہ میں 283 اردو میڈیم اسکول ہیں، جن میں سے 148 سرکاری ہیں۔ پنجاب میں چار اردو میڈیم اسکول ہیں جو کہ پرائیویٹ ہیں۔ راجستھان میں 574 اردو میڈیم اسکول ہیں، جن میں سے 44 سرکاری ہیں۔ سکم میں ایک سرکاری اردو میڈیم اسکول ہے۔ تامل ناڈو میں 280 اردو میڈیم اسکول ہیں جن میں سے 214 پرائیویٹ ہیں۔ تری پورا میں تین پرائیویٹ اردو میڈیم اسکول ہیں۔ اترپردیش میں 3459 اردو میڈیم اسکول ہیں جن میں سے سرکاری صرف 175 ہیں۔ اتراکھنڈ میں 124 اردو میڈیم اسکول ہیں جن میں سے 20 سرکاری ہیں۔ مغربی بنگال میں 1610 اردو میڈیم اسکول ہیں جن میں سے 911 سرکاری ہیں۔ روزنامہ 'عزیز الہند' دہلی، 13 مارچ 2015

جشن ریختہ

نئی دہلی: ریختہ ڈاٹ کام اور انڈیا انٹرنیشنل سینٹر کے اشتراک سے آئی آئی سی کے لان میں 'جشن ریختہ' اردو فیسٹویل کا انعقاد کیا گیا۔ جشن ریختہ کا افتتاح ریختہ ڈاٹ کام کے روح رواں سنجیو صراف کے والد نارائن داس صراف کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس موقعے پر ریختہ ڈاٹ کام کے 'موبائل ایپ' کا اجرا بھی ہوا۔ ریختہ ڈاٹ کام کے روحِ رواں سنجیو صراف نے کہا کہ اس وقت ہمارے پاس 12 ہزار غزلیں، 3 ہزار نظمیں اور شاعری کی دیگر اصناف کا ذخیرہ موجود ہے۔ تقریباً 20 ہزار اردو کتابوں کو ڈیجیٹل کیا گیا۔ جشن ریختہ کی افتتاحی تقریب میں ہندو پاک اور بیرونِ ممالک سے تشریف لائے ادب، ثقافت، صحافت، سفارت، سماجی اور سیاسی شعبوں کی اہم شخصیات نے شرکت کی۔ ریختہ ڈاٹ کام کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان سے تشریف لائے معروف فکشن نگار انتظار حسین نے کہا کہ ہر ایک زبان کا اپنا رسم الخط ہوتا ہے، جس سے وہ آسانی سے پیچھا نہیں چھڑا سکتی۔ اردو اپنے رسم الخط کے ساتھ اس قدر پیوست ہے کہ اسے تبدیل کردینا ممکن ہی نہیں ہے، نئی دہلی میں پاکستان کے ہائی کمشنر عبدالباسط نے جشن ریختہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح کے ادبی اور ثقافتی پروگرام ہوتے رہنے چاہئیں۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے ادبا شعرا اور دانشور اگر آپس میں تبادلہ خیال کرتے رہیں تو یہ بہتر ماحول قائم کرنے میں مددگار ہوگا۔ معروف نقاد و دانشور شمس الرحمٰن فاروقی نے کہا کہ ریختہ ڈاٹ کام کے کام سے میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ امریکہ سے آئے معروف شاعر اور ادیب اشفاق حسین نے کہا کہ ریختہ بذات خود اپنی نوعیت کا ایک منفرد کام ہے۔ وہ لوگ جو اردو نہیں جانتے تھے ان کے لیے بھی اردو ادب تک رسائی کا یہ ایک وسیلہ ہے۔ معروف بزرگ صحافی کلدیپ نیر نے کہا کہ جشن ریختہ یوں تو دنیا بھر کے اردو داں لوگوں کو باندھنے میں اہم رول ادا کر رہا ہے لیکن اردو

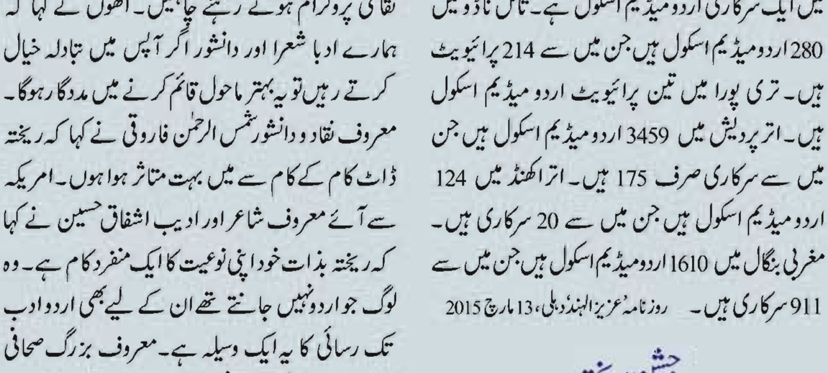

ایک ایسی زبان ہے جو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کی خلیج کو کم کرنے میں اہم رول ادا کرسکتی ہے۔

اردو کسی مذہب یا ذات کی زبان نہیں بلکہ یہ ہندوستان کی زبان ہے، جس کی اپنی ایک تہذیب ہے۔ ان خیالات کا اظہار آج ریختہ فاؤنڈیشن اور انڈیا انٹرنیشنل سینٹر کے اشتراک سے منعقد سہ روزہ جشن ریختہ کے دوسرے دن معروف شاعر جاوید اختر نے کیا۔ اس اجلاس میں جاوید اختر اور سکریتا پال کمار کے درمیان بات چیت اور سوالات کا دور چلا۔ ایک دوسرے اجلاس میں 'اردو اور ہندی قربتیں اور فاصلے' کے موضوع پر بحث ومباحثہ کیا گیا جس میں ہندی کے معروف شاعر کیدارناتھ، اشوک واجپئی اور اردو کے معروف نقاد پروفیسر شمیم حنفی نے حصہ لیا، اس بحث ومباحثہ کی میزبانی پرویز عالم نے کی۔ اس موقعے پر اشوک واجپئی نے کہا کہ ہندی کے سب سے قریب اردو زبان ہے اور اس کے بغیر ہم ہندی نہیں لکھ سکتے۔ معروف نقاد پروفیسر شمیم حنفی نے کہا کہ اردو اور ہندی ایک دوسرے سے انتہائی قریب ہیں اور دونوں زبانوں کے اثرات ایک دوسرے کے یہاں صاف محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

اردو ایک سچائی کا نام، ایسی لسانی سماجی اور تہذیبی سچائی جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے صدیوں کے رابطے اور میل ملاپ سے وجود میں آئی۔

معروف اردو نقاد، ادیب اور دانشور پروفیسر گوپی چند نارنگ نے 'اردو انسانی وحدت کی زبان' کے موضوع پر خصوصی گفتگو کے دوران ان خیالات کا اظہار کیا۔ اس گفتگو میں ان کے ساتھ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر شافع قدوائی نے حصہ لیا اور سوالات کیے جن کا پروفیسر نارنگ نے مدلل جواب دیا۔ پروفیسر نارنگ نے امیر خسروؒ سے لے کر میر، غالب، فیض اور ناصر کاظمی جیسے بے شمار شعرا کے اشعار کوٹ کرتے ہوئے اردو کی لسانی قوت و پیغام میں انسانیت کو اجاگر کیا۔

انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں ریختہ فاؤنڈیشن اور انڈیا انٹرنیشنل سینٹر کے اشتراک سے منعقد کیا گیا بین الاقوامی پروگرام جشن ریختہ کے آخری روز 8 نشستوں کا انعقاد عمل میں آیا۔ پہلی اور دوسری نشست میں ٹیٹوال کا کتا کے عنوان پر ایک ناٹک پلے ہوا جسے ونگس کلچر سوسائٹی نے پیش کیا اور غزل عہد بہ عہد عنوان سے تبادلہ خیال کا اہتمام کیا گیا جس میں شمس الرحمٰن فاروقی اور ضیاء الاسلام نے بات چیت کی۔ تیسری اور چوتھی نشست میں 'عصری ادبی منظر نامہ میں اردو' کے عنوان پر ادبی منظر نامہ کا اہتمام ہوا جس میں ابوالکلام قاسمی، آصف فاروقی، قاضی افضال حسین اور ستیہ پال آنند نے شرکت کی۔ اسی کے ساتھ منعقد کی گئی نشست میں 'فلموں کی زبان اردو' کے عنوان پر اور ہندی فلموں کی آواز اردو کے موضوع پر مباحثہ کا اہتمام کیا گیا جس میں ارشاد کامل، مظفر علی، ایم کے رینا اور نندیتا داس نے شرکت کی۔ پانچویں نشست میں 'پادھانت' کے عنوان سے کویتا پاٹھ کا اہتمام کیا گیا جس میں ضیا محی الدین کی کویتا پڑھی گئی جسے انیس اعظمی نے پیش کیا۔ چھٹی نشست میں 'ترجمہ حاصل اور لاحاصل' کے عنوان پر غور وفکر کیا گیا، اجمل کمال، علی مدیح ہاشمی، انیس الرحمٰن اور محمد ذاکر نے شرکت کی جسے عبدالنصیب خاں نے پیش کیا۔ ساتویں نشست میں لال قلعہ کا آخری مشاعرہ ہوا جس کو پائریٹ گروپ کے اداکاروں نے بڑی خوبصورتی سے پیش کیا جس کے رائٹر اور ڈائرکٹر ایم سعید عالم تھے۔ آٹھویں نشست میں انتظار حسین سے تبادلہ خیال کا اہتمام کیا گیا جس میں آصف فاروقی نے بات چیت کی۔ اس کے بعد قوالی کے پروگرام کا اہتمام ہوا جس میں گلو کار دھرو اور ان کی پارٹی نے قوالی پیش کی۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا'، دہلی، 14، 15 و 16 مارچ 2015

آل انڈیا پبلک لائبریری کانفرنس

نئی دہلی: مرکزی وزیر مملکت برائے وزیر اعظم دفتر جتیندر سنگھ نے ادب نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''ادب ہمیشہ زندہ رہتا ہے، ادبی تخلیق کاروں کا نام کبھی نہیں مرتا۔'' انھوں نے رابندرناتھ ٹیگور، منشی پریم چند اور سعادت حسن منٹو کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ ''ہماری نسل ہندوستان کے بڑے حکمرانوں اور بادشاہوں کا نام یاد رکھے یا نہیں مگر رابندرناتھ ٹیگور، منشی پریم چند اور سعادت حسن منٹو کو ہمیشہ یاد رکھے گی، ان کے ذریعے تخلیق کردہ ادب کو ہماری نسلیں یقیناً بھلا نہ پائیں گی۔'' وزیر مملکت جتیندر سنگھ آل انڈیا پبلک لائبریریز کانفرنس 2015 کے اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے خطاب کررہے تھے۔ جتیندر سنگھ نے پبلک لائبریری کو ضروری قرار دیتے ہوئے کہا کہ ''حکومت اس حوالے سے مدد کررہی ہے۔''

روزنامہ 'انقلاب'، دہلی، 18 مارچ 2015

اے ایم یو میں فارسی ادبیات تاریخ کے اہم ماخذ پر منعقدہ سیمینار کا منظر

فارسی ادبیات: تاریخ کے اہم ماخذ

علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ادارۂ فارسی مطالعات وتحقیق کے زیر اہتمام انڈین کونسل فار ہسٹو ریکل ریسرچ کے تعاون سے 'تاریخ کے اہم ماخذ کے طور پر فارسی ادبیات کا پس منظر اور امکانات' کے موضوع پر منعقدہ 3 روزہ بین الاقوامی سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے وائس چانسلر لیفٹیننٹ جنرل ضمیرالدین شاہ (ریٹائرڈ) نے کہا کہ عہد وسطیٰ کے ہندوستان کی تاریخ کے مطالعے کے لیے فارسی زبان کی معلومات لازمی ہے۔ اس موقعے پر ادارۂ فارسی مطالعات وتحقیق کی جانب سے 7 کتابوں کا اجرا بھی کیا گیا۔ افتتاحی تقریب میں کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے لندن کے اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز کے پروفیسر ضیاءالدین شکیب نے کہا کہ ہندوستان میں فارسی کو عام کرنے میں یہاں کے ہندوؤں نے سب سے اہم کردار ادا کیا۔ آنند راج نے فارسی کی لغت تیار کی، ساتھ ہی مغل عہد میں گیتا، رامائن، مہابھارت وغیرہ کے فارسی ترجمے کرائے گئے تاکہ مسلمان ہندوستانی تہذیب سے متعارف ہوسکیں۔

افتتاحی اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق وائس چانسلر شاہد مہدی نے کہا کہ فارسی نہ جاننے کی وجہ سے ہمارے ہندوستانی شاستریہ سنگیت کی تاریخ ہم سے دور ہوگئی ہے۔ ادارۂ فارسی مطالعات وتحقیق کی ڈائریکٹر پروفیسر آذرمی دخت صفوی نے مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ اس سیمینار میں ملک بھر کے فارسی اسکالرس کے ساتھ ساتھ ایران کی اہم یونیورسٹیوں کے اسکالرس بھی حصہ لے رہے ہیں۔ اس موقعے پر ہندوستان میں واقع ایران کے سفارت خانے کے ڈاکٹر علی فولادی، تہران یونیورسٹی کے پرفیسر علی محمد میزنی، آرٹس فیکلٹی کے ڈین پروفیسر کفیل احمد قاسمی اور ایڈیشنل سٹی مجسٹریٹ ڈاکٹر سی ایل سونکر نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 12 مارچ 2015

'مسلمان، جمہوریت، ذرائع ابلاغ، چیلنجز وامکانات' کے موضوع پر منعقدہ سیمینار کا منظر

مسلمان، جمہوریت، ذرائع ابلاغ، چیلنجز وامکانات

حیدرآباد: بقول مشہور صحافی شیکھر گپتا کے اردو شیریں زبان ہے۔ رومانیت اور نزاکت کے کلچر کا اردو کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ برصغیر میں محبت کا اظہار بھی اردو زبان میں کیا جاتا ہے اور اردو کا چلن عام ہوتا جارہا ہے۔ انھوں نے شعبہ ماس کمیونیکیشن اینڈ جرنلزم مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، مسلمان جمہوریت اور ذرائع چیلنجز وامکانات کے موضوع پر بین الاقوامی کانفرنس کے افتتاحی سیشن میں کلیدی خطبہ دیتے ہوئے یہ باتیں کہیں، پاکستان کے مشہور صحافی و ایڈیٹر ان چیف فرائی ڈے ٹائمز نجم سیٹھی نے کہا کہ پاکستان میں اردو کی طرف توجہ دی گئی تو انگریزی کی حوصلہ شکنی کا فلسفہ پروان چڑھا۔ انھوں نے کہا کہ اگرچہ پنجاب، بلوچستان، خیبر پختونخواہ اور دیگر خطوں میں علاقائی زبانیں ہیں لیکن ان تمام خطوں میں اردو کا چلن زیادہ ہے۔ پاکستان کے مشہور صحافی امتیاز احمد نے کہا کہ اگرچہ ہندوستان کی تقسیم 1947 میں ہوگئی ہے لیکن تقسیم ہند کے بعد کئی مسائل آج تک برقرار ہیں۔

ہندوستان میں جمہوریت کا ڈھانچہ اتنا مضبوط ہے کہ یہ ملک بکھر نہیں سکتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوستانی ہر موضوع پر بحث کے لیے تیار رہیں اور اختلافات سے نہ گھبرائیں۔ پھر چاہے یہ اختلافات تاریخ کے حوالے سے ہی کیوں نہ ہوں۔ ان خیالات کا اظہار ممتاز ماہر معاشیات اور دانشور لارڈ میگناتھ دیسائی نے کیا۔ وہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے شعبۂ ترسیل عامہ وصحافت کے زیراہتمام منعقدہ دوروزہ بین الاقوامی کانفرنس بعنوان 'مسلمان جمہوریت اور ذرائع ابلاغ: چیلنجز اور امکانات' کے اختتامی اجلاس میں بطور مہمان خصوصی خطاب کررہے تھے۔ چانسلر اردو یونیورسٹی جناب ظفر سریش والا نے کانفرنس کے اختتامی سیشن کی صدارت کی۔ چانسلر اردو یونیورسٹی نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اپنے حسن اخلاق سے دیگر برادران وطن کو اسلام کی صحیح تصویر سے واقف کروائیں۔ ان سے قبل وائس چانسلر اردو یونیورسٹی محمد میاں، نے بھی اظہار خیال کیا۔ ان کے مطابق لارڈ میگھ ناتھ دیسائی نے اختلافات کو تسلیم کرکے ان کے حل کے لیے جو مشورہ دیا ہے وہ قابل غور ہے۔

قبل ازیں مسلمان، جمہوریت اور ذرائع ابلاغ: چیلنجز و امکانات کے آغاز میں پرو وائس چانسلر ڈاکٹر خواجہ محمد شاہد نے خطبہ استقبالیہ دیا۔ کانفرنس کے میزبان و ڈین شعبہ ترسیل عامہ وکنوینز کانفرنس پروفیسر احتشام احمد خان نے دو روزہ کانفرنس کی تفصیلی روداد بیان کی اور بتایا کہ اس کانفرنس کے سبھی شرکا نے میڈیا پر زور دیا کہ وہ جمہوری روح کے ساتھ کام کرتے ہوئے میڈیا میں مسلمانوں کو ان کی جائز نمائندگی دیں۔ اختتامی اجلاس کی کارروائی ڈاکٹر محمد فریاد، ایسوسی ایٹ پروفیسر، ایم سی جے وکوآرڈی نیٹر کانفرنس نے چلائی۔ آخر میں شکریے کے فرائض ڈاکٹر محمد مشاہد، ایسوسی ایٹ پروفیسر تعلیم و تربیت و رکن آرگنائزنگ کمیٹی نے ادا کیے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 18 مارچ و روزنامہ 'صحافت' دہلی، 20 مارچ 2015

غالب اور رامپور

رام پور: رضا لائبریری کے خیابان رضا میں 'غالب اور رامپور' کے عنوان پر معروف اسکالر ڈاکٹر سید تقی علی عابدی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ نواب یوسف علی خاں کو شعروشاعری سے کافی شغف اور ادب سے گہری دلچسپی تھی۔ غالب نے بھی انھیں پڑھایا تھا اور فارسی کی تعلیم دی تھی۔ یوسف علی خاں کی رامپور واپسی پر یہ تعلق منقطع ہوگیا لیکن جب 1855 میں یوسف علی خاں تخت نشین ہوئے تو غالب نے ان کے نام ایک نظم لکھ کر بھیجی اور اپنے قدیمی مراسم کو پھر سے تازہ کرنے کی کوشش کی بعد ازاں ایک قصیدہ لکھ کر نواب کے ساتھ اپنی پرانی روایت کو جلا بخشنے کی کوشش کی۔ نواب یوسف علی خاں قصیدہ پا کر خوش ہی نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے غالب کی شاگردی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ نواب یوسف علی خاں نے رامپور کے خزانہ سے مرزا غالب کو 100 روپیہ ماہانہ کا وظیفہ بھیجنے کا حکم صادر کردیا تھا۔ غالب جب رامپور قیام کرتے تو انھیں 200 روپیہ ماہانہ ملتے تھے اور جب دہلی چلے جاتے تو 100 روپیہ ماہانہ کے حساب سے وظیفہ ملتا تھا۔ اس موقعے پر رضا لائبریری کے ڈائرکٹر پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین ہمدانی نے کہا کہ سرسید کو سرسید بنانے میں غالب کا بہت اہم کردار ہے۔ انھوں نے ہی سرسید کو تعلیمی میدان میں کام کرنے کے لیے راغب کیا جس کا نتیجہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان حکومت ہند نے کہا کہ رامپور علمی اعتبار سے بہت اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ اس شہر میں بہت جید عالم، فاضل وشعرا نے جنم لیا۔ اس موقعے پر ایران سے تشریف لائیں پروفیسر وفا یزدان منش نے بھی خطاب کیا۔ تقریب کو لائبریرین ڈاکٹر ابوسعد اصلاحی نے بھی خطاب کیا۔ تقریب کی نظامت سید نوید قیصر شاہ نے انجام دی جبکہ ارون کمار سکسینہ نے سبھی کا شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'سیاسی تقدیر' دہلی، 8 مارچ 2015

حالی اور عملی تنقید

علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے زیراہتمام 'حالی اور عملی تنقید' پر دو روزہ قومی سیمینار کے افتتاحی اجلاس میں کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے دلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے سابق سربراہ اور ممتاز نقاد پروفیسر

عتیق اللہ نے کہا کہ خواجہ الطاف حسین حالی کی زبان اردو کے مستقبل کی تنقید کی زبان تھی۔ حالی واحد ایسے شاعر اور ادیب تھے جنھوں نے چنگاریوں کو شعلوں میں تبدیل کردیا۔ سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے سرسید اکادمی کے سابق ڈائرکٹر پروفیسر اصغر عباس نے کہا کہ سرسید کے بعد حالی اردو کے سب سے بڑے محسن تھے۔ پروفیسر قاضی جمال حسین نے موضوع کا تعارف پیش کرتے ہوئے کہا کہ حالی ایک عظیم سوانح نگار، شاعر، سماجی مصلح، ادیب اور ناقد تھے اور انھوں نے عملی تنقید کی داغ بیل ڈالی۔ شعبۂ اردو کے صدر پروفیسر سید محمد ہاشم نے مہمانوں کا خیرمقدم کرتے ہوئے کہا کہ خواجہ الطاف حسین حالی سرسید کے قریب ترین ساتھیوں میں تھے۔ افتتاحی اجلاس کی صدارت پروفیسر مسعود الحسن نے کی۔ اس موقعے پر ڈاکٹر محمد علی جوہر کے

اردو شاعری کی کلاسیکی اصناف پر منعقدہ سیمینار کا منظر

اردو میں غیر افسانوی نثر کی روایت پر منعقدہ سیمینار کا منظر

مرتب کردہ شعبۂ اردو کے خبر نامہ 'رفتار' کا بھی اجرا عمل میں آیا۔ پروفیسر قمر الہدیٰ فریدی نے نظامت کی اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 9 مارچ 2015

اردو اور علامہ اقبال

علی گڑھ: جامعہ اردو علی گڑھ کے زیر اہتمام 'اردو اور علامہ اقبال' موضوع پر منعقدہ قومی سیمینار کی صدارت کرتے ہوئے ممتاز فکشن نگار پدم شری پروفیسر قاضی عبدالستار نے کہا کہ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے ذکر کے بغیر اردو زبان و ادب کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔ پروگرام کے مہمان خصوصی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں سینئر استاد پروفیسر طارق چھتاری نے کہا کہ علامہ اقبال بیک وقت شاعر، ادیب، دانشور اور فلسفی تھے۔ پروگرام کے اعزازی مہمان پروفیسر صغیر افراہیم نے کہا کہ موجودہ عہد میں علامہ اقبال برصغیر ہند و پاک کا اردو فارسی کا عظیم ترین شاعر ہے، وہ ہماری مشترکہ میراث ہے۔ پروگرام کے اعزازی مہمان علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے افسر رابطہ عامہ ڈاکٹر راحت ابرار نے کہا کہ اقبال سرسید کے کارناموں سے بے حد متاثر تھے۔ مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے جامعہ اردو علی گڑھ کے او ایس ڈی فرحت علی خاں نے کہا کہ علامہ اقبال ہماری تہذیب و ثقافت کے امین ہیں اور وہ دنیا کے پہلے شاعر ہیں جن کا کلام زمین ہی نہیں چاند پر بھی پڑھا گیا۔ نظامت کے فرائض مصاعد قدوائی نے انجام دی۔ اس موقعے پر پروفیسر قاضی عبدالستار نے مصاعد قدوائی کے افسانوی و شعری مجموعہ 'تمازت' کا اجرا بھی کیا۔ پروگرام میں جامعہ اردو علی گڑھ کی جانب سے ڈائنامک فٹنیس جم کے ڈائرکٹر اور جامعہ اردو علی گڑھ کے سابق طالب علم معین الدین کو 'ٹائگر آف نارتھ انڈیا' کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ مسٹر معین الدین کو مذکورہ خطاب کے علاوہ ایک لاکھ روپے کا چیک، ایک یادگاری نشان، شال اور توصیفی سند پیش کی گئی۔

روزنامہ 'صحافت' دہلی، 16 مارچ 2015

اردو شاعری کی کلاسیکی اصناف

نئی دھلی: وہی شاعر صدیوں تک زندہ رہتا ہے جو اپنے ماضی و حال سے وابستہ رہتے ہوئے اپنے مشاہدے کی آنکھ سے مستقبل پر بھی نظر رکھتا ہے۔ ہمارے کلاسیکی شعرا نے اپنے ذاتی تجربے کو اجتماعی تجربے میں تبدیل کرنے کا مشکل ترین کام انجام دیا ہے۔ ان خیالات کا اظہار پروفیسر ابوالکلام قاسمی نے اردو اکادمی دہلی کے زیر اہتمام 'اردو شاعری کی کلاسیکی اصناف' کے عنوان سے منعقدہ سہ روزہ سیمینار کے افتتاحی اجلاس میں کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے کیا۔ اس اجلاس کی صدارت سید شاہد مہدی نے کی جبکہ نظامت کے فرائض انجم عثمانی نے انجام دیے۔ پروفیسر ابوالکلام قاسمی نے اپنے خطبے میں کلاسیکی اور غیر کلاسیکی ادب کے فرق کو مشرقی و مغربی فلسفۂ ادب کی روشنی میں نہایت وضاحت سے پیش کی۔ سید شاہد مہدی نے صدارتی تقریر میں پروفیسر ابوالکلام قاسمی کے خطبے کو نہایت وقیع خطبہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں اپنی پوئٹکس پھر لکھنی ہوگی اور یہ کام پروفیسر قاسمی جیسے اصناف کے پارکھ ہی انجام دے سکتے ہیں۔ اس موقعے پر سکریٹری اکادمی انیس اعظمی نے تفصیل سے اکادمی کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی۔ وائس چیئرمین پروفیسر خالد محمود نے استقبالیہ کلمات پیش کیا۔ سیمینار کمیٹی کے کنوینر پروفیسر شہپر رسول نے بھی اپنے خیالات پیش کیے۔

اردو اکادمی، دہلی کے قمر رئیس سلور جوبلی آڈیٹوریم میں 'اردو شاعری کی کلاسیکی اصناف' کے موضوع پر جاری سہ روزہ سیمینار کے دوسرے دن کے پہلے اجلاس کی صدارت خداداد خاں مونس اور ڈاکٹر محمد فیروز دہلوی نے کی جبکہ نظامت شاہنواز فیاض نے کی۔ اس اجلاس میں کئی پرمغز مقالے پڑھے گئے۔ صدارتی خطبہ دیتے ہوئے ڈاکٹر محمد فیروز دہلوی نے کہا کہ اجلاس میں پڑھے گئے تمام مقالے نہایت وقیع تھے۔ دوسرے اجلاس کی کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے انیس اعظمی نے مجلس صدارت کے 2 ارکان پروفیسر وہاج الدین علوی اور شمیم طارق کا علمی حوالوں سے تعارف کرایا۔ اس اجلاس کی نظامت ڈاکٹر ندیم احمد نے کی۔ اس اجلاس میں بھی کئی اہم مقالے پڑھے گئے۔ شمیم طارق نے صدارتی خطبہ میں میر کو اپنے عہد کا نمائندہ شاعر قرار دیا۔ انھوں نے تمام مقالات پر قیمتی آرا پیش کیں۔ بعد ازاں دوسرے صدر پروفیسر وہاج الدین علوی نے مثنوی کو اپنی گفتگو کا موضوع بنا کر مولانا روم تا جائسی یہاں تک کہ رام چرتر مانس تک کو مثنوی کہہ کر مثنوی کی تاریخ پر نہایت اہم اور پرمغز گفتگو کی۔

اردو اکادمی، دہلی کے قمر رئیس سلور جوبلی آڈیٹوریم میں منعقد ہونے والے کل ہند سہ روزہ سیمینار 'اردو شاعری کی کلاسیکی اصناف' کے آخری دن کے پہلے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر جی آر کنول اور پروفیسر خالد محمود نے کی جبکہ نظامت کے فرائض ڈاکٹر دانش حسین خاں نے انجام دیے۔ اس اجلاس میں کل چھ مقالے پڑھے گئے۔ صدارتی خطبے کے دوران ڈاکٹر جی آر کنول نے تفہیم ادب کے حوالے سے لہجے کی معنویت پر نہایت تفصیل سے گفتگو کی۔ دوسرے رکن صدارت پروفیسر خالد محمود نے اپنا وضاحتی صدارتی خطبے پیش کیا۔ ظہرانے کے بعد اردو اکادمی کے زیر اہتمام شائع دو مونوگراف مرزا جان جاناں مظہر از شمیم طارق اور یاس یگانہ چنگیزی از وسیم فرحت کارنجوی کا پروفیسر محمد ذاکر کے ہاتھوں اجرا عمل میں آیا۔ بعد ازاں پروفیسر محمد ذاکر کی صدارت میں سیمینار کے آخری اجلاس کی کارروائی ڈاکٹر شبیر عالم نے بطور ناظم نہایت خوش اسلوبی سے انجام دی۔ اس اجلاس میں بھی کئی اہم مقالے پڑھے گئے۔ صدارتی خطبے کے دوران پروفیسر محمد ذاکر نے اپنے اکیڈمک تجربے کو ادبی پیرائے میں بڑی خوش اسلوبی سے پیش کیا۔ آخر میں پروفیسر خالد محمود، وائس چیئرمین اردو اکادمی نے ایک اور کامیاب سیمینار کے اختتام پر تمام مقالہ نگار، سامعین، اخبارات کے رپوٹر اور اردو اکادمی کے ارکان کا شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا'، دہلی، 28، 29، 30 مارچ 2015

اردو میں غیر افسانوی نثر کی روایت

نئی دھلی: ادب کی بنیاد تجربے اور احساسات پر ہوتی ہے، ادیب یا شاعر زندگی کے کسی ایک ٹکڑے کا انتخاب کرکے اسے اپنے تجربات و احساسات کی بھٹی میں تپاتا ہے اور پھر اسے بطور تخلیق پیش کر دیتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار اردو اکادمی کے زیر اہتمام قمر رئیس سلور جوبلی آڈیٹوریم میں 'اردو میں غیر افسانوی نثر کی روایت' کے موضوع پر منعقد کل ہند سہ روزہ سیمینار کے افتتاحی اجلاس میں کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے کیا۔ افتتاحی اجلاس کی صدارت پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی اور نظامت انجم عثمانی نے کی۔ پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے اپنے خطبے میں ادب کی اہمیت و افادیت سمیت تمام اصنافِ نثر کا

غلام ربانی تاباں: شخصیت اور فن پر منعقدہ سیمینار کا منظر

گوپی چند نارنگ: فن اور شخصیت پر منعقدہ سیمینار کا منظر

اجمالی خاکہ پیش کیا۔ پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی نے صدارتی تقریر میں پروفیسر ظفر احمد صدیقی کے کلیدی خطبے کو ایک نادرالوجود خطبہ قرار دیا۔ انھوں نے اکادمی کو نہایت ضروری موضوعات پر سیمینار منعقد کرنے کے لیے مبارکباد بھی پیش کی۔ وائس چیئرمین پروفیسر خالد محمود نے خیر مقدمی کلمات ادا کرتے ہوئے غیر افسانوی ادب کی اہمیت وافادیت پر سیر حاصل بحث کی۔ پروفیسر شہپر رسول نے تعارفی کلمات پیش کرتے ہوئے موجودہ سیمینار کے موضوع کا تفصیلی ذکر کیا اور ساتھ ہی گزشتہ سیمیناروں میں پڑھے گئے مقالات کی افادیت پر بھی روشنی ڈالی نیز تمام شرکا کا خیر مقدم کیا۔ آخر میں اردو اکادمی کے سکریٹری انیس اعظمی نے شکریہ ادا کیا۔

اردو اکادمی، دہلی کے قمر رئیس سلور جوبلی آڈیٹوریم میں تیسرے اور آخری دن کے پہلے اجلاس کی صدارت پروفیسر محمد ذاکر اور پروفیسر خواجہ اکرام الدین نے کی جبکہ نظامت سلمان فیصل نے کی۔ ظہرانے کے بعد آخری اجلاس کی صدارت پروفیسر معین الدین جینابڑے، پروفیسر شہپر رسول اور حیدرآباد سے آئے معروف سائنس داں اور طنز ومزاح نگار ڈاکٹر عابد معز نے کی جبکہ نظامت ڈاکٹر شفیع ایوب نے کی۔ اس نشست میں چار مقالے پڑھے گئے۔ پروفیسر معین الدین جینابڑے نے صدارتی کلمات ادا کیے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 21 و 23 مارچ 2015

غلام ربانی تاباں: شخصیت اور فن

نئی دھلی: غلام ربانی تاباں دنیا کی دولت کے پیچھے نہیں بھاگتے تھے تاکہ ان کا ضمیر انھیں ملامت نہ کرے، ایسی صورت میں وہ کافی مطمئن بھی رہا کرتے تھے۔ ترقی پسند تحریک سے وہ زندگی بھر وابستہ رہے۔ ان خیالات کا اظہار غالب انسٹی ٹیوٹ میں 'غلام ربانی تاباں: شخصیت اور فن' کے موضوع پر منعقد سیمینار کے دوران پاکستان کی معروف ادیبہ فہمیدہ ریاض نے بطور مہمان خصوصی اپنے خطاب میں کیا۔ اس سیمینار کا انعقاد کل ہند انجمن ترقی پسند مصنفین، غالب انسٹی ٹیوٹ اور دہلی اردو اکادمی کے اشتراک سے کیا گیا تھا۔ افتتاحی اجلاس کی صدارت پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے اور نظامت ڈاکٹر سید رضا حیدر نے کی۔ کلیدی خطبہ معروف ناقد پروفیسر شمیم حنفی نے پیش کیا۔ پروفیسر شمیم حنفی نے کہا کہ غلام ربانی تاباں جو باہر تھے وہی اندر بھی تھے۔ وہ غیر معمولی سماجی سروکار کے شاعر تھے اور انگریزی میں بھی لکھا کرتے تھے تاکہ ان کی آواز دوسروں تک بھی پہنچ سکے۔ کل ہند انجمن ترقی پسند مصنفین کے سکریٹری ڈاکٹر علی جاوید نے کہا کہ غلام ربانی تاباں نے شاعری کو پیشے کے طور پر اختیار نہیں کیا بلکہ ان کے اندر کے تخلیق کار نے ان سے شاعری کرائی۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر سید رضا حیدر نے کہا کہ غلام ربانی تاباں پوری زندگی مارکسزم کے نقش قدم پر چلتے رہے اور اپنے عقیدے پر سختی سے قائم رہے۔ پاکستانی شاعر پروفیسر سحر انصاری نے کہا کہ ہم لوگوں نے ترقی پسندی سے جو روشنی حاصل کی ہے اس میں غلام ربانی تاباں کا بھی اہم رول تھا۔ پاکستان میں مکتبہ دانیال نے ان کا انتخاب شائع کیا ہے۔ پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے تاباں کی شاعری کے حوالے سے سیر حاصل گفتگو کی اور کہا کہ میرا ادبی رابطہ ان سے کافی گہرا تھا۔ پروگرام کے اختتام پر ڈاکٹر ابوبکر عباد نے اظہار تشکر ادا کیا۔ افتتاحی اجلاس کے بعد مقالوں کے پہلے اجلاس کی صدارت پاکستان سے آئے شاعر انور شعور اور شاہد ماہلی نے جبکہ نظامت سفینہ نے کی۔ اختتامی اجلاس کی صدارت پروفیسر علی احمد فاطمی اور پروفیسر ابن کنول نے کی جبکہ نظامت ڈاکٹر دانش حسین خان نے کی۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 21 مارچ 2015

ہندی اردو ساہتیہ ایوارڈ کمیٹی کا ادبی فیسٹول

ہندی اردو ساہتیہ ایوارڈ کمیٹی کے زیراہتمام جے شنکر آڈیٹوریم میں تین روزہ بین الاقوامی ادبی فیسٹول کے آخری دن ہندی کے نامور ادیب اور طنز ومزاح کے شاعر پروفیسر اشوک چکر دھر فن اور شخصیت پر ایک بین الاقوامی

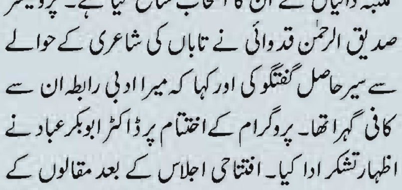

سیمینار کا انعقاد ہندی سنستھان اتر پردیش کے صدر اودے پرتاپ سنگھ کی صدارت میں ہوا، جس میں ملک و بیرون ملک کے ادبا شعرا اور کوی شریک ہوئے۔ سیمینار کی نظامت سرویش استھانا نے کی اور ہندی کے مشہور ادیب پر بین الاقوامی سیمینار منعقد کرانے کے لیے اطہر نبی ایڈوکیٹ کا تہہ دل سے شکریہ بھی ادا کیا۔ اطہر نبی ایڈوکیٹ، ضیاء اللہ صدیقی، رفیع احمد، وتسلا پانڈے اور ڈاکٹر مسیح الدین خان نے مہمانوں کی خدمت میں گلدستہ پیش کرکے ان کا استقبال کیا۔ اودے پرتاپ سنگھ، صدر ہندی سنستھان اتر پردیش نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ اشوک چکر دھر پر جتنی گفتگو کی جائے کم ہے۔ مہمان خصوصی ڈاکٹر گنگا پرساد ول نے کہا کہ ہندی اردو دو ایسی زبانیں ہیں جو آپس میں بہت قریب ہیں اور اشوک چکر دھر ہندی اور اردو دونوں ادب کے شہسوار ہیں۔ مہمان اعزازی ڈاکٹر گوپال چترویدی نے کہا کہ ادب میں وراثت نہیں چلتی۔ وراثت صرف سیاست میں چلتی ہے۔ پروفیسر اشوک چکر دھر نے اپنے خطاب میں کہا کہ ہندی اردو کو جو تقسیم کرتا ہے وہ ملک کو تقسیم کرتا ہے۔ جس طرح اردو ادب کے پاس عربی اور فارسی کا کثیر خزانہ موجود ہے اسی طرح ہندی ادب کے پاس سنسکرت کے ساتھ ساتھ قدیم تاریخی زبانوں کا خزانہ موجود ہے۔

سیمینار میں نوجوان مقالہ نگاروں کو بھی موقع دیا گیا جنھوں نے اپنے مختصر اور جامع مقالات سے سامعین کو فیضیاب کیا۔ مقالہ نگاروں نے اشوک چکر دھر کی ادبی خدمات کو سراہا اور سبھی نے مشترکہ طور پر یہ مانا کہ اشوک چکر دھر کی طنزیہ شاعری صرف لوگوں کو ہنسانے کے لیے نہیں ہے بلکہ وہ لوگوں کو رلاتی بھی ہے۔ سیمینار میں شہر کی ممتاز ادبی شخصیتوں نے شرکت کی، جن میں اردو ہندی دونوں ادب کے لوگ موجود تھے۔ سیمینار کے اختتام پر ہندی اردو ساہتیہ ایوارڈ کمیٹی کے جنرل سکریٹری اور پروگرام کے کنوینر اطہر نبی ایڈوکیٹ نے سبھی کا شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 24 مارچ 2015

گوپی چند نارنگ: فن اور شخصیت

لکھنؤ: ہندی اردو ساہتیہ ایوارڈ کمیٹی کی 26 ویں سہ روزہ ادبی تقریبات کے تحت مقامی شنکر پرساد ہال میں نامور نقاد اور دانشور 'پروفیسر گوپی چند نارنگ فن اور شخصیت' کے

عنوان سے ایک بین الاقوامی سیمینار کا انعقاد کیا گیا۔ جس کی صدارت پاکستان کی معروف شاعرہ وادیبہ کشور ناہید نے کی۔ مہمان خصوصی کے طور پر ممتاز پاکستانی شاعر اور نقاد اصغر ندیم سید نے شرکت کی مہمان اعزازی کے طور پر کینیڈا سے تشریف لائے اشفاق حسین شریک ہوئے۔ پروفیسر انیس اشفاق نے افتتاحیہ کلمات میں مہمانوں کا تعارف کراتے ہوئے سیمینار کی نوعیت اور اور اس کی اہمیت پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ پروفیسر گوپی چند نارنگ کے افکار ونظریات سے آپ اختلاف کر سکتے ہیں لیکن ان کے قلم سے جو رشحات سپرد قرطاس ہوئے ہیں ان کی علمی وادبی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ انھوں نے کہا کہ پروفیسر نارنگ کی 70 سے زیادہ کتابیں منصۂ شہود پر آکر اپنی اہمیت وافادیت کو تسلیم کرا چکی ہیں۔ اس موقعے پر چندر بھان خیال نے پروفیسر نارنگ کو منظوم خراج تحسین پیش کیا۔ ماہنامہ 'تحریر نو' (ممبئی) کے مدیر ظہیر انصاری نے اپنے مقالے میں کہا کہ پروفیسر گوپی چند نارنگ نے اردو تنقید میں ایک نئے دبستان کی بنیاد ڈالی جسے مابعد جدیدیت کہتے ہیں۔ ڈاکٹر مشتاق صدف نے اپنے خطاب میں کہا کہ پروفیسر نارنگ کے پاس اگر کچھ ہے تو اردو ہے۔ ڈاکٹر وسیم بیگم نے اپنے مختصر مقالہ میں پروفیسر نارنگ کی مثنویوں پر تحقیق کو موضوع گفتگو بنایا۔ شاہ نواز قریشی نے نارنگ کے علمی وادبی سفر کا اجمالی خاکہ پیش کیا۔ 'اصناف ادب' کے مدیر ڈاکٹر حسن رضا نے 'گوپی چند نارنگ کی تحقیقی عینک ایک تلاش' کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا۔ پروفیسر مولا بخش نے اپنی تقریر میں کہا کہ پروفیسر نارنگ نے پہلی بار احساس دلایا کہ تنقید بھی ایک تخلیقی عمل ہے۔ نارنگ نے غالب کو گوتم بدھ کے فلسفہ 'شونیتا' کے تناظر میں دیکھا ہے اور اس طرح سے غالب کی ایک نئی قرأت دریافت کی ہے۔ عنبر بہرائچی نے بھی ایک اہم مقالہ پیش کیا۔ انیس انصاری نے کہا کہ پروفیسر نارنگ کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے تخلیق کو نظریات کی پابندی سے آزاد کیا۔ پروفیسر شارب ردولوی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ نارنگ کی تازہ ترین کتاب غالب فہمی میں ایک نیا باب تو ہے ہی بلکہ شعر فہمی کی نئی جہات کو بھی روشن کرتی ہے۔ اصغر ندیم سید نے کہا کہ گوپی چند نارنگ بنجر زمین سے پانی نکالنے کا ہنر جانتے ہیں۔ وہ ایک ادیب محقق اور نقاد ہونے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی قدیم مشترکہ تہذیب کے بھی محافظ ہیں۔ کشور ناہید نے پروفیسر نارنگ کے بارے میں کہا کہ لوگ پبلشر کو ڈھونڈھتے ہیں لیکن پروفیسر نارنگ کو پبلشر ڈھونڈھتے ہیں۔ پروفیسر نارنگ جیسی شخصیت صدیوں میں پیدا ہوتی ہے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 23 مارچ 2015

ذاکر حسین دہلی کالج میں 'قومی اردو سائنس کانگریس' کے موضوع پر منعقدہ سیمینار کا منظر

انیسویں صدی کے ہندوستان میں فارسی ادب

علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی کے زیر اہتمام 'انیسویں صدی کے ہندوستان میں فارسی ادب' کے موضوع پر یک روزہ سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے پرووائس چانسلر بریگیڈیئر سید احمد علی نے کہا کہ فارسی زبان کے علم کے بغیر عہد وسطی کی تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے کہا کہ سترہویں صدی فارسی زبان و ادب کے مطالعے کے لیے سنہری صدی تھی۔ افتتاحی تقریب کے مہمان خصوصی انٹرنیشنل یونیورسٹی آف المصطفیٰ، ایران کے ڈاکٹر غلام رضا مہدوی نے ہندوستان میں فارسی زبان کے حصہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ایران اور ہندوستان کے ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں نے فارسی زبان کے فروغ میں زبردست کردار ادا کیا۔ فارسی زبان وادب کے مطالعہ کے مرکز کی ڈائرکٹر پروفیسر آذر میدخت صفوی نے کہا کہ انیسویں صدی اصلاحی تحریکوں کی صدی تھی۔ اس موقعے پر آرٹس فیکلٹی کے ڈین پروفیسر کفیل احمد قاسمی اور ممتاز تاریخ داں پروفیسر اقتدار حسین صدیقی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ پروفیسر احمد خورشید نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 31 مارچ 2015

قومی اردو سائنس کانگریس

نئی دہلی: اردو ایک تہذیبی زبان ہے جس میں تمام علوم کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اردو آج بھی اپنی تہذیب وثقافت کی بدولت پوری دنیا میں دوسرے مقام پر ہے۔ یہ بات ذاکر حسین دہلی کالج میں انجمن فروغ سائنس (انفروس) کے زیر اہتمام دو روزہ 'قومی اردو سائنس کانگریس' کے دوران صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے کہی۔ دہلی یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کے سابق صدر پروفیسر شریف حسین قاسمی نے کہا کہ 21ویں صدی سائنس، فن اور ٹکنالوجی کی صدی ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ اردو میں سائنسی ادب کے فروغ میں 'انجمن فروغ سائنس' کا کردار انتہائی اہم ہے۔ اس ضمن میں اردو ماہنامہ 'سائنس' اس کی زندہ مثال ہے۔ صدر شعبہ فارسی، دہلی یونیورسٹی پروفیسر چندر شیکھر نے کہا کہ اردو میں متعدد علوم کے مآخذ دستیاب ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کا صحیح استعمال کیا جائے۔ سابق صدر شعبۂ طبیہ کالج و بانی صدر ابن سینا اکادمی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سید ظل الرحمٰن نے کہا کہ اگر اردو کا دائرہ وسیع کرنا ہے تو طبی، سائنسی اور سماجی علوم کو اردو میں شامل کرنا ضروری ہے۔ پروفیسر ابن کنول نے کہا کہ اردو میں تمام علوم کی کتابیں موجود تھیں لیکن آج صورت حال ناگفتہ بہ ہے۔ انجمن فروغ سائنس کے سکریٹری ڈاکٹر ایم اسلم پرویز نے 'اردو سائنس کانگریس' کے اغراض ومقاصد سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ بچے کی بنیادی تعلیم اس کی مادری زبان میں ہونی چاہیے اور مدارس میں معلوماتی ادب کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔ اس موقعے پر انجمن فروغ سائنس کی جانب سے اردو میں سائنسی خدمات کے لیے ڈاکٹر شمس الاسلام فاروقی، ڈاکٹر عبدالمعز شمس (علی گڑھ)، سید سکندر علی (مہاراشٹر)، ڈاکٹر عابد معز (حیدرآباد) اور ڈاکٹر جاوید کامٹوی (ناگپور) کو نشان امتیاز سے نوازا گیا۔ افتتاحی اجلاس کی نظامت ڈاکٹر شاہ عالم نے کی اور ڈاکٹر شمس الاسلام فاروقی نے اظہار تشکر کیا۔ پہلے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر عبدالمعز شمس نے کی۔ دوسرے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر شمس الاسلام فاروقی نے کی۔ تیسرے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر شبانہ نذیر نے کی۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 21 مارچ 2015

غالب اکادمی کے 46ویں یوم تاسیس کے موقعے پر سہ روزہ پروگرام کا انعقاد

نئی دہلی: مرزا غالب کا انتقال 15 فروری 1869 کو اور غالب اکادمی کا افتتاح 22 فروری 1969 کو ہوا تھا اسی مناسبت سے غالب اکادمی ہر سال سہ روزہ پروگرام کا انعقاد کرتی ہے۔ بروز جمعہ 20 فروری 2015 کو ایک شاندار محفل کلام غالب کا انعقاد کیا گیا۔ اس موقعے پر دہلی

سید حامد کی خدمات پر سیمینار کا منظر

دہلی میں اردو طنز و مزاح کی روایت پر منعقدہ سیمینار کا منظر

کی اہم علمی و ادبی شخصیات موجود تھیں۔ اس پروگرام کی نظامت کے فرائض صبیحہ نے ادا کیے۔ 21 فروری 2015 کو غالب اور نیا زمانہ کے عنوان سے کل ہند سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس میں اندور سے ڈاکٹر ظفر محمود، علی گڑھ سے پروفیسر قاضی افضل حسین، پروفیسر قاضی جمال حسین، لدھیانہ سے وشال کھلر اور دہلی کے پروفیسر نصیر احمد خاں، پروفیسر گنگا پرساد بمل، ڈاکٹر نریش ندیم، انجم عثمانی، خالد علوی، ابوبکر عباد، حنا آفرین، واحد نظیر، عبدالسمیع، معاذ احمد، شاہ نواز ہاشمی نے مقالے پڑھے۔ سیمینار کے پہلے اجلاس کی صدارت پروفیسر قاضی افضال حسین اور ڈاکٹر جی آر کنول نے کی۔

پہلے اجلاس کی نظامت ابوظہیر ربانی نے کی۔ دوسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر نصیر احمد خاں اور عارف نقوی نے کی۔ اس موقعے پر جرمنی سے آئے عارف نقوی نے اپنی تقریر میں کہا کہ یوروپ میں ہو رہی اردو سرگرمیوں اور ہندوستان میں ہونے والی ادبی و ثقافتی سرگرمیوں میں آپسی تال میل ہونے سے اردو کے فروغ میں بڑا کام ہوسکتا ہے۔

روزنامہ 'عزیز الہند' دہلی، 3 مارچ 2015

سید حامد کی خدمات پر سیمینار

نئی دہلی: معروف ماہر تعلیم و دانشور سید حامد میں کام کرنے کا جو جذبہ اور وژن تھا ہم اس کے وارث ہیں، ہمیں اپنے ذہنوں سے مایوسی نکال کر پورے عزم اور حوصلے کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے، مذکورہ خیالات کا اظہار قومی اقلیتی کمیشن کے چیئرمین و صدر یوپی رابطہ کمیٹی نسیم احمد نے کیا۔ وہ یوپی رابطہ کمیٹی کے زیر اہتمام سید حامد (مرحوم) کی یاد میں ہمدرد پبلک اسکول میں منعقد سیمینار سے مخاطب تھے۔ مہمان خصوصی ڈاکٹر سید فاروق، سربراہ ہمالین ڈرگس نے کہا کہ سید حامد حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ جامعہ ہمدرد کے سابق وائس چانسلر سراج حسین نے سید حامد کے ساتھ وابستہ یادوں کو بیان کرتے ہوئے ان کی قومی ہمدردی اور ملی اخلاص کے ساتھ ساتھ ان کی تقریر تحریر کی خوبصورتی و دل کشی کو بیان کیا۔ یوپی رابطہ کمیٹی کے سکریٹری برائے قانونی امور اور مسلم یونیورسٹی میں استاد پروفیسر شکیل صمدانی نے کہا کہ انھوں نے دوران طالب علمی سید حامد کی کارکردگی کا خود مشاہدہ کیا۔ خطبہ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے رابطہ کمیٹی کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر محمد جمیل نے شرکا کا استقبال کیا۔ رابطہ کمیٹی کے کوآرڈی نیٹر امان اللہ خاں نے سید حامد کو خراج عقیدت پیش کیا۔ رابطہ کمیٹی کے سکریٹری ڈاکٹر عبید اقبال عاصم نے بھی اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 17 مارچ 2015

دھلی :

علامہ اقبال کی فارسی شاعری

نئی دھلی: دنیائے شعر و ادب میں کچھ ایسی جداگانہ شخصیات ہیں چاہے وہ مشرق ہو یا مغرب ہر دور میں چند ایسے شاعر گزرے ہیں، جنھوں نے ادب کو بلند ترین مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے۔ ایران میں سعدی و رومی، جرمنی میں گوئٹے اور ہندوستان میں بالمیک، بابا نانک، ٹیگور اور اقبال وہ بلند پایہ مصلحین تھے جنھوں نے اپنا پیغام شعر کے ذریعے دیا یہ لوگ ایک خاص دل و دماغ کے مالک تھے۔ ان کا تخیل درجۂ کمال تک پہنچا ہوا تھا اور ان کے نغموں میں شعر و روحانیت کا عنصر ایک خاص تناسب کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ مذکورہ خیالات کا اظہار سابق صدر شعبۂ اردو فارسی پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ پروفیسر زینت اللہ جاوید نے کیا۔ وہ شعبۂ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ کی جانب سے 14ویں ہادی حسن یادگاری خطبے کے موقعے پر شعبۂ تاریخ و ثقافت کے سیمینار ہال میں خطاب کررہے تھے۔ صدارتی کلمات پیش کرتے ہوئے اردو اکادمی دہلی کے وائس چیئرمین پروفیسر خالد محمود نے کہا کہ اقبال خداوند کریم سے ہمیشہ شکوہ کناں رہے اسی لیے آپ نے اکثر مقام پر خدا سے اسی انداز میں گفتگو کی ہے۔ یادگاری خطبات کو آرڈی نیٹر اور پروگرام کے ناظم پروفیسر عبدالحلیم نے پروفیسر ہادی حسن کی زندگی کا مختصر خاکہ بیان کیا۔ صدر شعبۂ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ پروفیسر عراق رضا زیدی نے اپنے بیان میں کہا کہ اقبال یہ بتانے میں کامیاب رہے کہ اسلام ایک آفاقی اور کائناتی فکر کا نتیجہ ہے۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 18 مارچ 2015

دہلی میں اردو طنز و مزاح کی روایت

نئی دھلی: اردو اکادمی کے زیر اہتمام 'دلی میں اردو طنز و مزاح کی روایت' کے موضوع پر قومی سیمینار کا انعقاد کیا گیا، جس کے افتتاحی اجلاس کی صدارت اکادمی کے وائس چیئرمین پروفیسر خالد محمود نے کی جبکہ مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے پروفیسر عبدالحق، پروفیسر ایمرٹس، دہلی یونیورسٹی نے افتتاح کیا۔ پروفیسر انیس اشفاق، شعبۂ اردو، لکھنؤ یونیورسٹی نے کلیدی خطبہ بعنوان 'طنز و مزاح ایک تشنۂ تعبیر صنفِ ادب' پیش کیا۔ پروفیسر عبدالحق نے کہا کہ اردو اکادمی کے موجودہ سربراہوں نے اکادمی کے ذریعے منعقد ہونے والے سیمیناروں کی نہج بدل دی ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ کلاسیکی ادب کی طرف اکادمی کی مراجعت ہوئی ہے۔ پروفیسر انیس اشفاق نے اپنے کلیدی خطبے میں کہا کہ طنز و مزاح لکھنا نہایت مشکل کام ہے اور ہمارے یہاں سہل پسندی کی روایت عام ہوچکی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعد از مشتاق احمد یوسفی یا پھر مجتبیٰ حسین ایک سناٹے کا عالم ہے۔ صدر مجلس پروفیسر خالد محمود نے کہا کہ پروفیسر انیس اشفاق کا اعتراف ہر اردو کا قاری کرتا ہے۔ اس افتتاحی اجلاس کی نظامت شعیب رضا فاطمی نے کی۔ سیمینار کے پہلے اجلاس کی صدارت پروفیسر شاہد حسین اور انجم عثمانی نے کی جبکہ نظامت ثاقب عمران نے کی۔ ڈاکٹر شمع افروز زیدی، ڈاکٹر نگار عظیم، ڈاکٹر مظہر احمد، حقانی القاسمی نے نے پہلے اجلاس جبکہ اسد رضا، ڈاکٹر علی جاوید، ڈاکٹر احمد محفوظ اور ڈاکٹر سہیل انور نے دوسرے اجلاس میں مقالے پیش کیے۔ صدارت مرغوب حیدر عابدی اور پروفیسر وہاج الدین علوی صدر شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے کی۔ جبکہ نظامت کے فرائض انس فیضی نے انجام دیے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 15 مارچ 2015

جامعہ ملیہ اسلامیہ میں دبستان عظیم آباد کے موضوع پر توسیعی خطبہ

نئی دھلی: اردو ادب کی ترویج و ترقی میں دبستان عظیم آباد نے بھی پورا پورا حصہ لیا ہے۔ اردو کے شروعاتی ادوار سے ہی عظیم آباد (پٹنہ) کے شعرا و ادبا و صوفیا اردو ادب کی

خدمات میں اہم کردار نبھاتے رہے ہیں۔ جس زمانے میں امیر خسرو دہلی میں شاعری کررہے تھے، اسی عہد میں پٹنہ کے اندر بھی شرف الدین یحییٰ منیری نے بھی شاعری کی شروعات کردی تھی۔ ان خیالات کا اظہار جامعہ ملیہ اسلامیہ، شعبۂ اردو میں توسیعی خطبہ کے تحت 'دبستان عظیم آباد' کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے معروف صحافی اور تذکرہ نگار فاروقی ارگلی نے کیا۔ فاروقی ارگلی ان دنوں دبستان عظیم آباد پر کام کررہے ہیں۔

روزنامہ 'ہندوستان ایکسپریس' دہلی، 14 مارچ 2015

جامعہ ملیہ اسلامیہ میں منشی نول کشور یادگاری خطبہ

نئی دهلی: اقبال ایک زمانے میں تصوف کی شدید مخالفت کرتے ہوئے اس کو موت سے تعبیر کرتے تھے، لیکن بعد میں اقبال مولانا روم سے متاثر ہوکر پھر اسی تصوف میں پناہ گزیں ہوگئے۔ ان خیالات کا اظہار شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ کی جانب سے منعقدہ منشی نول کشور یادگاری خطبہ میں معروف اسلامی اسکالر پروفیسر الطاف احمد اعظمی نے کیا۔ اس موقعے پر صدارتی کلمات میں مشہور ماہر اقبالیات پروفیسر قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی نے کہا کہ اگرچہ اقبال اعلیٰ درجے کے فلسفی نہیں تھے لیکن اعلیٰ پایہ کے شاعر ضرور تھے۔ صدر شعبۂ اردو پروفیسر وہاج الدین علوی نے مہمانوں کا استقبال اور تعارف پیش کیا۔ پروگرام کی نظامت ڈاکٹر خالد جاوید نے کی۔ منشی نول کشور کا تعارف ڈاکٹر خالد مبشر نے پیش کیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 13 مارچ 2015

ذاکر حسین دہلی کالج میں عربی زبان میں جلسہ کا انعقاد

نئی دهلی: ذاکر حسین دہلی کالج میں شعبہ عربی کے النادی العربی کی جانب سے عربی زبان میں تقریری جلسہ کا انعقاد کیا گیا جس میں شعبہ عربی کے طلبہ کی بڑی تعداد نے حصہ لیا اور عربی زبان میں تقریریں کیں۔ جلسے کی ابتدا تلاوت کلام پاک سے ہوئی، پھر بارگاہ رسالت میں نعتیہ کلام پیش کیا گیا۔ اس کے بعد النادی العربی کے جنرل سکریٹری اور بی اے فائنل ایر کے طالب علم ثاقب فردوسی نے عربی زبان وادب کے حصول میں عربی کی ادبی نشستوں کے کردار پر ایک پرمغز مقالہ پڑھا۔ بعد ازاں تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا اس میں شعبہ عربی کے پندرہ طلبہ نے عربی زبان وادب میں اپنی صلاحیتوں کا اظہار کیا۔ پھر اس شعبہ کے گیسٹ لکچرر غیاث الاسلام صدیقی ندوی نے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے ان کی ہمت افزائی کی اور کہا کہ عربی زبان میں تحریر وتقریر کی حد تک مہارت پیدا کرلینا روشن مستقبل کا ضامن ہے۔ آخر میں صدر جلسہ اور شعبہ عربی کے لکچرر سید محمد طارق ندوی نے طلبہ کو آئندہ کے لیے پرعزم رہنے کی تاکید کی۔ النادی العربی کے جنرل سکریٹری کے اظہار تشکر پر جلسے کا اختتام ہوا۔

روزنامہ 'خبریں' دہلی، 10 مارچ 2015

اتر پردیش:

مولانا آزاد: حیات وخدمات

چاندپور / بجنور: ضلع کی معروف تعلیمی، ثقافتی، تمدنی تنظیم منڈلیہ وکاس سنستھان، چاند پور (بجنور) کے

زیر انتظام 'اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ کے اشتراک سے بعنوان 'مولانا ابوالکلام آزاد حیات اور خدمات' کے موضوع پر یک روزہ قومی سیمینار، اسکائی لائن انسٹی ٹیوٹ آف کمپیوٹر کیمپس، چاند پور (بجنور) میں انعقاد کیا گیا۔ 'قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان' نئی دہلی کے ذریعے چلائے جارہے اسکائی لائن انسٹی ٹیوٹ آف کمپیوٹر کے طلبہ نے گل پوشی کرکے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ سیمینار کا افتتاح انجینئر سمیع احمد (علیگ) فاؤنڈر، ہیومن ویلفیئر مشن، تحریک فلاح انسانیت انٹرنیشنل نے کیا۔ صدارت ڈاکٹر ریما ایرانی نے اور نظامت ضلع بجنور کے معروف سماجی، سیاسی، ادبی شخصیت سیمینار کے کنوینر الیاس انجم نے کی۔ سیمینار کے کنوینر الیاس انجم نے اپنے استقبالیہ کلمات میں کہا کہ ہماری قوم جس اخلاقی اور روحانی بحران میں مبتلا ہے اور ملک کو جو حالات درپیش ہیں، ان سے ہمارا احساس اور دیدہ ور طبقہ واقف ہے، ایسے میں صورت حال پر قابو پانے اور ملک کو حقیقی ترقی، سچی آزادی اور روشن مستقبل کی راہ پر ڈالنے کے لیے، ہم مولانا آزاد کی شخصیت وزندگی اور ان کے افکار وخیالات سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 30 مارچ 2015

کلام اقبال کی عصری معنویت

علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سینٹر فار ایڈوانسڈ اسٹڈیز شعبۂ اردو کے زیر اہتمام ایک جلسے کا انعقاد کیا گیا جس میں دو خصوصی لیکچر پیش کیے گئے جلسے کی صدارت معروف نقاد پروفیسر ابوالکلام قاسمی نے کی، معروف ادیب و ماہر اقبالیات پروفیسر توقیر احمد خاں نے اپنا لیکچر

بعنوان 'کلام اقبال کی عصری معنویت' پیش کرتے ہوئے کہا کہ اقبال کثیر الجہات شخصیت تھے، غالب کے سوائے اردو شاعری میں کوئی دوسری مثال ایسی نہیں ہے جسے اقبال کے روبرو رکھا جاسکے۔ دہلی یونیورسٹی کے سابق استاد ومعروف ادیب پروفیسر عبدالحق نے 'اقبال اور شبلی نعمانی کی معنویت' پر لیکچر پیش کرتے ہوئے کہا کہ علامہ شبلی اور علامہ اقبال ہماری علمی وادبی دانشوری کی عبقری شخصیات ہیں، انھوں نے کہا کہ اگر ہم نے اقبال اور شبلی کی بات مانی ہوتی تو برصغیر کی فکری تاریخ منفرد ہوتی۔ صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے پروفیسر ابوالکلام قاسمی نے کہا کہ اقبال منظم فلسفہ کے شاعر تھے، برگساں سے اقبال نے جب روبرو ملاقات کی تو وقت کے تعلق سے تبادلہ خیال جس میں اقبال نے بعض حدیثوں سے بھی واقف کرایا جس سے برگساں حیران ہوئے، انھوں نے کہا کہ اقبال نے کافی بڑا موقف اختیار کیا تھا۔ صدر شعبہ اردو پروفیسر سید محمد ہاشم نے کہا کہ دونوں خطبہ طلبا کے لیے بہت مفید ثابت ہوں گے اور ان میں مطالعہ کا نیا ذوق پیدا کریں گے۔ اس موقعے پر طلبا کے ذریعے سوال جواب کا سیشن بھی کیا گیا جس میں پروفیسر عبدالحق نے جوابات دیے۔ اظہار تشکر پیش کرتے ہوئے پروفیسر محمد زاہد نے موجودہ وقت میں اقبال اور شبلی کو مزید پڑھے جانے کی ضرورت پر زور دیا اور دونوں مہمان اسکالرس کا تعارف بھی پیش کیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 18 مارچ 2015

علی گڑھ تحریک پر سیمینار کا انعقاد

علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی اسٹوڈنٹس یونین کے زیر اہتمام 'علی گڑھ تحریک' پر منعقدہ سیمینار کے مہمان خصوصی

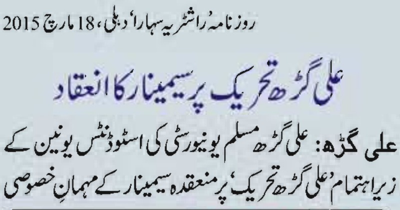

ممتاز اولڈ بوائے اور اتر پردیش کے ایڈیشنل ایڈوکیٹ جنرل ظفریاب جیلانی نے کہا کہ سرسید احمد خاں نے نئی نسل کی تعلیم وتربیت کے لیے یہ ادارہ قائم کیا تھا اور ان کے عقیدے کے مطابق علی گڑھ مسلم یونیورسٹی طلبہ کے لیے ہے۔

سیمینار کی صدارت کرتے ہوئے پرووائس چانسلر بریگیڈیئر ایس احمد علی (ریٹائرڈ) نے کہا کہ علی گڑھ تحریک کی معنویت آج بھی برقرار ہے۔ انھوں نے کہا کہ گزشتہ تین برسوں سے یہ ادارہ سبھی لوگوں کے مشترکہ تعاون سے کام کر رہا ہے جس کا سہرا طلبہ اور طالبات کو جاتا ہے۔ اس ادارے کے طلبہ ہی یونیورسٹی انتظامیہ کی پہلی ترجیح ہیں۔ مرادآباد کے سابق میئر ڈاکٹر ایس ٹی حسن نے کہا کہ علی گڑھ تحریک وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا سرمایہ ہے اور اس کی حفاظت کرنا اور آگے بڑھانا ہم سب کا فرض ہے۔ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ سیاسیات کے استاد ڈاکٹر محبّ الحق، اے ایم یو اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے نائب صدر اعظم میر، طلبہ یونین کے سابق صدر خالد مسعود، اے ایم یو اسٹوڈنٹس یونین کے سابق سکریٹری اور دلی ہائی کورٹ کے وکیل سلیمان محمد خاں نے بھی اظہار خیال کیا۔ طلبہ یونین کے نائب صدر سید مسعود الحسن نے مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ علی گڑھ تحریک کے احیا کے لیے ہی یہ سیمینار منعقد کیا گیا ہے تاکہ اس ادارے کے طلبہ اپنے بانی اور ان کے رفقا کے کارناموں سے متعارف ہوسکیں۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 17 مارچ 2015

اردو کے تیلگو پر اثرات

علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے ایڈوانسڈ اسٹڈیز کے زیراہتمام دو اہم توسیعی خطبات کا

انعقاد اردو اکادمی ہال میں کیا گیا جس میں 'اردو کے تیلگو پر اثرات' کے موضوع پر پروفیسر شیخ مستان نے اور 'متن کی قرأت' کے موضوع پر پروفیسر قاضی افضال نے خصوصی خطبات پیش کیے۔ پروفیسر شیخ مستان نے کہا کہ اردو زبان ہندوستان کی زبانوں پر اثرانداز ہوئی اور تیلگو زبان پر بھی اردو کے اثرات مرتب ہوئے۔ اردو کی تحریک سے تیلگو زبان میں غزل کہی جانے لگی۔ انھوں نے گیان پیٹھ ایوارڈ یافتہ وشاعر (تیلگو) سی نارائن ریڈی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ان کی تعلیم اردو میڈیم سے ہونے کی وجہ سے انھوں نے اردو روایات کو تیلگو میں روشناس کرایا۔ انھوں نے کہا کہ قسط، قانون، نظر بند، تحصیل وغیرہ الفاظ اردو ہی کی طرح تیلگو میں استعمال ہوتے ہیں جبکہ کچھ الفاظ تھوڑی تحریف کے ساتھ اردو سے تیلگو میں رائج ہو گئے ہیں۔

دوسرے توسیعی خطبہ میں پروفیسر قاضی افضال حسین نے کہا کہ متن کی قرأت سے پہلے یہ نتیجہ اخذ کیا جانا چاہیے کہ اس کی صنف کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ متن قرأت میں مطالعہ صنف کی روایت کو ملحوظ رکھا جانا چاہیے۔

پروفیسر ابوالکلام قاسمی نے صدارتی خطبہ میں کہا کہ تقابلی ادب کی طرف رجحان میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ عہد عباسی میں بہت سی کتابیں موازنہ پر لکھی جا چکی تھیں۔ مشرق میں تقریباً ایک ہزار سال کی موازنہ کی تاریخ ہے۔ صدر شعبۂ اردو پروفیسر سید محمد ہاشم نے حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اردو کے لیے عملی کام کرنا ہوگا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 24 مارچ 2015

نازش پرتاپ گڑھی: فکروفن

پرتاپ گڑھ: پرتاپ گڑھ گرام اتھان سمیتی، پورے ودوا، افیم کی کوٹھی ضلع پرتاپ گڑھ کے زیراہتمام ایک سیمینار نازش پرتاپ گڑھی کے فکروفن پر منعقد ہوا جس کی صدارت سٹی پرتاپ گڑھ کے سابق چیئرمین جناب عبدالماجد نے کی جبکہ نظامت عارف حسین جونپوری نے کی۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹر احسان حسن الہ آبادی نے نازش کی قومی شاعری کے بارے میں تفصیلی روشنی ڈالی۔ انھوں نے نازش کی طویل نظموں کا اقتباس اور ان کے حب الوطنی سے متعلق اشعار پیش کیے۔ مدرسہ کافیۃ العلوم کے منیجر اور نازش کے خاندان سے تعلق رکھنے والے جناب طلعت عمر نے نازش کے بارے میں اپنی یادداشتوں کے سہارے بہت سی کارآمد باتیں بتائیں۔ مدرسہ کے پرنسپل جناب مولانا شبیر احمد نے ان کو سچا محب وطن اور ملک سے محبت کرنے والا بتایا۔ آخر میں ناظم سیمینار عارف حسین جونپوری نے نازش کی غزل گوئی پر ایک مقالہ پڑھا جس میں ان کی غزلیہ شاعری پر بحث کی گئی۔ آخر میں رامیشور پرساد پانڈے سکریٹری پرتاپ گڑھ گرام اتھان سمیتی نے سبھی لوگوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔

بذریعہ ڈاک: عارف جونپوری، ابوالکلام انٹر کالج، پرتاپ گڑھ، 17 مارچ 2015

ادبی تنظیم شاہکار اردو کے تحت اردو کانفرنس

بھرائچ: اردو زبان صرف ایک فرقے کی نہیں بلکہ گنگا جمنی تہذیب کی علامت ہے۔ اس شیریں زبان کے فروغ کے لیے نئی نسلوں کو اردو پڑھنے وسیکھنے کے لیے بیدار کریں۔ مذکورہ خیالات کا اظہار نانپارہ میں ادبی تنظیم شاہکار اردو کی جانب سے مزدور مانٹیسری اسکول میں منعقد اردو کانفرنس ومشاعرے کے دوران مقررین نے کیا۔ کانفرنس کے مہمان خصوصی انعام المسعود (لندن) صدر سید اشفاق رسول ہاشمی نیپالی، ڈاکٹر معراج الدین خاں، پروفیسر سعید احمد، شہنواز خاں اور صحافی ونے سریواستو نے خطاب کرتے ہوئے مزید کہا کہ اردو اور ہندی زبان کا رشتہ آپس میں دو سگی بہنوں کی طرح ہے اور دونوں ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں۔ مذکورہ مقررین نے کہا کہ ملک کی آزادی کے لیے ہونے والی جدوجہد میں اردو زبان نے اہم کردار ادا کیا ہے اور آج افسوس اس وقت ہوتا ہے جب اردو سے وابستہ سمجھے جانے والے لوگوں کے یہاں نئی نسلیں انگریزی کا پیرا تو کافی دلچسپی کے ساتھ پڑھتی ہیں لیکن اردو زبان کی شیرینی سے اپنے آپ کو الگ کیے ہوئے نظر آتی ہیں۔ اس موقعے پر شاعر شارق ربانی کی تصنیف 'گردش ایام' کا اجرا معزز مہمانوں کے ہاتھوں ہوا۔

روزنامہ 'انقلاب' لکھنؤ، 9 مارچ 2015

اردو صحافت کے وسائل و مستقبل

کانپور: کسی بھی قوم یا زبان کی زندگی وشناخت اس کی قربانی پر منحصر ہوتی ہے۔ بیساکھی کے سہارے اردو زبان کی ترقی تو درکنار شناخت بچانا بھی ممکن نہیں۔ دور حاضر میں وسائل کو دیکھتے ہوئے اردو زبان کا مستقبل روشن ہے۔ اس کی بقا وفروغ کے لیے سماج کے ہر طبقے کو مل کر کام کرنا ہوگا کیونکہ اردو زبان کسی خاص طبقے کی نہیں بلکہ ہندوستان کی زبان اور ہماری گنگا جمنی تہذیب کا اہم حصہ ہے۔ ان خیالات کا اظہار ہندی اردو کے کہنہ مشق صحافیوں نے 'یومِ اردو صحافت' کے موقعے پر 'کانپور پریس کلب' کی طرف سے 'اردو صحافت کے وسائل و مستقبل' کے عنوان سے سجائی گئی شاندار محفل سے خطاب کے دوران کیا۔ سینئر صحافی وسماجی خدمت گار ڈاکٹر عشرت صدیقی کی صدارت میں منعقدہ پروگرام میں ہندی کے سینئر صحافی رمیش ورما نے اردو صحافت کی تاریخی حیثیت پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اردو صحافت نے جنگ آزادی میں اہم رول ادا کیا۔ پروگرام کی صدارت کر رہے سینئر صحافی ڈاکٹر عشرت صدیقی نے یوم اردو صحافت کی محفل سجانے پر پریس کلب کے عہدے داران کا شکریہ ادا کا۔ مہمانِ خصوصی پروفیسر مظہر عباس نقوی ڈائرکٹر ڈاکٹر ویریندر سروپ انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ نے کہا کہ ملک کی آزادی میں اردو صحافت کا اہم رول رہا ہے۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 28 مارچ 2015

اودھ کی تہذیب وثقافت پر دوروزہ سیمینار کا منظر

آکاش وانی رامپور کی گولڈن جبلی تقریبات کا منظر

اودھ کی تہذیب وثقافت پر دوروزہ سیمینار کا انعقاد

لکھنؤ: ادب زندہ ہے تو قوم زندہ ہے۔ زبان وادب کی زندگی قوموں کی زندگی کی علامت ہے۔ اس حوالے سے دوسری زبانوں میں کام بہت زیادہ ہوا لیکن اردو میں بہت کم ہوا ہے۔ ان خیالات کا اظہار پاکستان سے آئے ہوئے مہمان ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی نے شعبہ اردو لکھنؤ یونیورسٹی میں دوروزہ سیمینار اودھ کے اردو ناولوں میں مسلم معاشرت کی عکاسی کے آخری سیشن کی صدارت کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے ہندوستان اور پاکستان دونوں ممالک کے ادب کا موازنہ کرتے ہوئے دونوں جگہ لکھے گئے ناولوں کا تذکرہ کیا۔ اس سے قبل ڈاکٹر وضاحت رضوی نے استقبالیہ خطبہ پیش کیا، جبکہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے سراج مہدی شریک ہوئے۔ پہلے اجلاس کے دوسرے سیشن کی صدارت پروفیسر خان محمد عاطف نے کی۔ انھوں نے صدارتی کلمات میں اودھ کی تہذیب و ثقافت اور افغانیوں کی تہذیب وثقافت کا موازنہ کرتے ہوئے سیر حاصل گفتگو کی۔ اس سیشن میں کئی اہم مقالات پڑھے گئے۔ تیسرے تکنیکی سیشن کی صدارت بزرگ صحافی اور ادیب احمد ابراہیم علوی اور ڈاکٹر عارف ایوبی نے کی۔ احمد ابراہیم علوی نے صدارت کرتے ہوئے کہا کہ اودھ کی تہذیب قصبات کی مرہونِ منت ہے۔ یہ وہ گلدستہ ہے جو کہیں دوسری جگہ نظر نہیں آئے گا۔ انھوں نے مٹتی ہوئی قدروں پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پرانی تہذیب کی عکاسی ہمارے ناول نگاروں نے بہت اچھے ڈھنگ سے کی۔ اس سیشن میں ڈاکٹر معراج الدین خاں، اختر سعید، ڈاکٹر منتظر مہدی اور محمد حنیف خاں نے مقالے پڑھے۔ تیسرے تکنیکی سیشن کی صدارت ڈاکٹر احمد عباس ردولوی، ڈاکٹر عصمت ملیح آبادی اور پروفیسر احسن الظفر نے کی۔ اس سیشن میں کئی مقالے پیش کیے گئے۔ پروفیسر احمد عباس ردولوی اور پروفیسر احسن الظفر نے اپنے صدارتی کلمات میں اس بات پر زور دیا کہ حقائق تک رسائی حاصل کی جائے اور فکشن کے توسط سے معاشرے کو سمجھنے کی کوشش اچھی بات ہے۔ تینوں سیشن کی نظامت بالترتیب ڈاکٹر منتظر مہدی، ڈاکٹر عبیدالرحمٰن اور محمد حنیف خاں نے کی۔ سیمینار کے آخر میں ڈاکٹر منتظر مہدی نے شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'خبریں' دہلی، 5 مارچ 2015

سماجی تنظیم پرچم کے زیر اہتمام سیمینار کا انعقاد

سہارنپور: ضلع مجسٹریٹ ڈاکٹر اندرویر سنگھ یادو نے کہا کہ اردو ہندوستانی زبان ہے، اسے ہندو اور مسلمان دونوں نے اپنے لہو سے سینچا ہے۔ یہ صرف ہندوستان کی پیداوار ہے۔ ان خیالات کا اظہار مسٹر یادو نے ایک ہوٹل

میں سماجی تنظیم 'پرچم' کے ذریعے منعقد سیمینار میں کیا۔ دہلی یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ارتضیٰ کریم نے کہا کہ اردو ہندوستان کی ایک سیکولر زبان ہے۔ سیمینار کی صدارت کرتے ہوئے اے ایل ایم کے ڈائرکٹر فضل الرحمٰن نے کہا کہ اس سیکولر زبان نے ہر دور میں محبت اور مساوات کی بات کی ہے۔ پروگرام کی کنوینر قدسیہ انجم نے کہا کہ اردو نے ہندوستانیوں کے دلوں پر نہ صرف راج کیا بلکہ درباروں سے لے کر خانقاہوں تک، حضرت امیر خسروؒ سے لے کر اب تک اردو ہندوستان میں ترقی کی منزلیں طے کرتی گئی۔ علاوہ ازیں سیمینار میں علی گڑھ سے آئے پروفیسر صغیر افراہیم، پروفیسر سیما بیگ، ڈاکٹر شاہد زبیری، ڈاکٹر سعید محمد، ڈاکٹر اسلم جمشید پوری، پروفیسر ریحانہ سلطانہ، ڈاکٹر شیخ نگینوی، ایم ایس کالج کے پرنسپل ڈاکٹر کے کے شرما نے بھی خطاب کیا۔ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 16 مارچ 2015

میرٹھ یونیورسٹی میں سید اطہر الدین قومی اعزاز کی تقریب

میرٹھ: سید اطہر الدین اطہر معروف شاعر اور مخلص استاد ہونے کے ساتھ ساتھ، ہمدرد، ملنسار، مہذب، آئیڈیل اور علم دوست انسان تھے۔ ان کی دوسری برسی کے موقعے پر سید اطہر الدین میموریل سوسائٹی اور شعبۂ اردو، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی، میرٹھ نے مشترکہ طور پر ایک شاندار تقریب، شعبۂ اردو کے پریم چند سیمینار ہال میں منعقد کی جس کی سرپرستی محترم سید محمد اشرف (کویت) نے، صدارت پروفیسر ارتضیٰ کریم (دہلی یونیورسٹی دہلی) اور نظامت ڈاکٹر آصف علی نے کی۔ مہمان خصوصی کے طور پر پروفیسر منظور احمد (شیخ الجامعہ، سبھارتی یونیورسٹی، میرٹھ) اور مہمان مکرم کے بطور پروفیسر قاضی زین الساجدین (شہر قاضی، میرٹھ) شریک ہوئے۔ جبکہ استقبالیہ کی رسم صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر اسلم جمشید پوری اور اظہار تشکر کی رسم سید معراج الدین نے ادا کی۔ پروگرام دو حصوں پر مشتمل تھا۔ پروگرام کے پہلے حصے میں مرحوم اطہر الدین اطہر کی شخصیت اور خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی۔ اس موقعے پر فیض عام ڈگری کالج کی شعبۂ اردو کی صدر ڈاکٹر فرحت خاتون، ریسرچ اسکالر ارشاد علی، ڈاکٹر شاداب علیم اور محترم آفاق احمد خاں نے پرمغز مقالے پیش کیے۔ پروگرام کا دوسرا حصہ ایوارڈ یافتگان کے تعارف، اعزاز اور شرکا کے اظہار خیال پر مبنی تھا۔ بعد ازاں سید اطہر الدین قومی ایوارڈ 2015 پروفیسر حسن احمد نظامی، ڈاکٹر نواز دیوبندی، سماجی اور ادبی خدمات کے لیے نوازے گئے فلاح عام چیری ٹیبل ہاسپٹل نشانہ بازی میں سید ذکی الدین قومی ایوارڈ 2015 سے نوازے گئے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 14 مارچ 2015

آکاش وانی رامپور کی گولڈن جبلی تقریبات

رامپور: آکاش وانی رامپور کی گولڈن جبلی تقریبات کے سلسلہ میں 1857 کی جنگ آزادی پر نفیس صدیقی کا لکھا ڈراما 'اور شمع جلتی رہے' آکاش وانی کے سبزہ زار میں پیش کیا گیا جسے بے حد سراہا گیا۔ ڈراما میں دکھایا گیا ہے کہ 1857 کی جنگ آزادی کی تاریخ آج بھی نامکمل ہے اور اس وقت تک نامکمل رہے گی جب تک ہزاروں گمنام شہیدوں کے بارے میں نہیں لکھا جائے گا۔ ان ہی شہیدوں میں کانپور کی طوائف عزیزن اور رڑکی انجینئرنگ کالج کا سند یافتہ انجینئر مرزا محمد علی بھی تھا۔

جشن اردو پروگرام کا منظر

عزیزن کا تعلق نانا صاحب کے صلاح کار عظیم اللہ خاں سے تھا جو اندرونی طور پر انگریزوں کے مخالف تھے۔ جب میرٹھ سے بغاوت شروع ہو جاتی ہے تو عزیزن اپنے زنانہ فوجی دستے کے ساتھ جنگ میں شامل ہو جاتی ہے۔ گرفتار ہوتی ہے۔ عدالت میں اسے موت کی سزا دی جاتی ہے۔ اس پر الزام ہے کہ اس نے ستر انگریز عورتوں کو قتل کیا ہے اور عزیزن اس قتل کا اعتراف کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اس نے ہندوستانی معصوم عورتوں کے قتل کا بدلہ لیا ہے۔ ناٹک کے تمام کردار عزیزن، مرزا محمد علی انجینئر، عظیم اللہ خاں، نانا صاحب، جوالا پرشاد، سب تاریخی ہیں۔ تاریخ ہندوستان کے تذکروں میں عزیزن اور محمد علی انجینئر کا ذکر ملتا ہے لیکن تاریخ ہندوستان میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ یہ ڈراما احساس دلاتا ہے کہ جب تک گمنام قربانیوں کا ذکر تاریخ میں نہیں آئے گا اس وقت تاریخ آزادی ہند (1857) ادھوری رہے گی۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 29 مارچ 2013

بہار:

جشنِ اردو

پٹنہ: اردو ہماری دوسری سرکاری زبان ہے، یہ صرف ان کنبوں تک محدود نہیں رہنی چاہیے جن میں عام طور پر بولی جاتی ہے بلکہ یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہر شخص اسے سیکھے۔ ہم نے اردو نہیں سیکھی اس کا بے حد ملال ہے؛ جہاں تک حکومت کا سوال ہے تو اردو کو اس کا جائز حق دلانا ہمارا فرض منصبی ہے۔ ان خیالات کا اظہار محکمہ کابینہ سکریٹریٹ، اردو ڈائرکٹوریٹ حکومت بہار کے زیر اہتمام منعقد جشن اردو میں وزیر اعلیٰ نتیش کمار نے کیا۔ انھوں نے اردو ٹیچروں کی بحالی کے حوالے سے کہا کہ جہاں تک حالیہ اردو اساتذہ کی تقرری کا معاملہ ہے تو وہ ہر حال میں ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ وہ بھی چاہتے ہیں کہ سبھی سرکاری محکموں میں عملی طور پر اردو کا نفاذ ہو، درخواستیں لی جائیں، اس سلسلے میں 380 خالی مترجمین کے عہدوں کو بھرنے کے لیے کارروائی چل رہی ہے۔ امیر شریعت مولانا سید نظام الدین نے کہا کہ اردو کے زندہ رہنے کے لیے ضروری ہے کہ تعلیمی اداروں، پرائمری سے یونیورسٹی تک اسے مناسب جگہ ملے۔ پروفیسر اختر الواسع کمشنر برائے اقلیتی لسانیات حکومت ہند نے اردو کو بہار کی سرکاری زبان بنانے میں نمایاں کارکردگی انجام دینے والوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ اردو کو وہی مقام ملنا چاہیے جو اس کا حق ہے۔ اس کا عملی نفاذ ہو، بورڈ اردو رسم الخط میں نظر آئے، مترجمین کی بحالی کا انتظام ہر سطح پر کیا جائے۔ انھوں نے 27 ہزار اردو ٹیچروں کی تقرری کے لیے وزیر اعلیٰ سے اپیل کی۔ پروگرام سے اردو ڈائرکٹوریٹ کے ڈائرکٹر امتیاز کریمی نے خطاب کیا اور اردو کے عملی فروغ سے متعلق حکومت کا موقف رکھا۔ تخلیق کاروں کو وزیر اعلیٰ کے ہاتھوں اردو اکادمی کی جانب سے مسودے کی اشاعت کے لے مالی تعاون کے چیک دیے گئے۔ پروگرام میں راج بھاشا اردو ڈائرکٹوریٹ کے ترجمان بھاشا سنگم کے خصوصی نمبر کا اجرا کیا گیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 27 مارچ 2015

'محمد ابوبشر اور ابوحمزہ کے حیرت انگیز کارنامے'

سہرسہ: ہنر اور صلاحیت کسی وسائل کی محتاج نہیں ہوتی ہے۔ اچھی محنت و لگن سے لوگ زندگی میں کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ اس بات کو سہرسہ کے سلکھوا بلاک میں واقع ایک

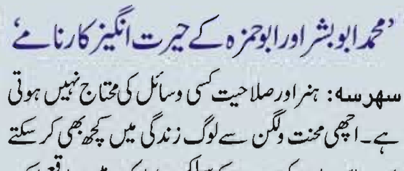

گاؤں کے دو ننھے دوستوں نے صحیح ثابت کیا ہے۔ کسان کے بیٹوں نے ناکارہ ہو چکے الیکٹرانک ڈیوائس سے ہیلی کاپٹر، ریموٹ والے کھلونے، پانی کا جہاز سمیت سبھی قسم کے الیکٹرانک کھلونے بنا کر لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ ان ننھے سائنس دانوں کا دعویٰ ہے کہ اگر انھیں مناسب تربیت اور سامان فراہم ہو جائے تو وہ میزائل بھی بنا سکتے ہیں۔ سلکھوا بلاک کی مبارک پور پنچایت کے پورونی گاؤں کے باشندہ اور غریب کسان محمد نظیر الدین کے بیٹے محمد ابوبشر اور عبدالغفار کے بیٹے ابوحمزہ نے یہ کمال دکھایا ہے۔ دونوں دوست نے مل کر چھوٹے چھوٹے پانچ چھ آلات ایجاد کر کے گاؤں کے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ دونوں ننھے سائنس دانوں کے یہ کارنامے اطراف میں پھیلنے لگے ہیں۔ دونوں بچے اردو مڈل اسکول میں ساتویں کلاس میں پڑھتے ہیں۔ ابوبشر اور ابوحمزہ چھوٹی سی عمر میں ریموٹ کار، پانی والا جہاز، بوٹ، لفٹ، پتوار والی کشتی، آرسی پلین، ہیٹر وغیرہ بناتے ہیں۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 3 مارچ 2015

مہاراشٹر:

زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت کے ارتقا میں احادیث نبوی کا حصہ

ممبئی: شعبۂ عربی، ممبئی یونیورسٹی کے زیر اہتمام 'زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت کے ارتقا میں حدیث کا کردار' کے موضوع پر منعقدہ دو روزہ قومی سیمینار میں کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے ممتاز عالم مولانا عبدالمعید مدنی نے زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت پر حدیث کے اثرات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔ مہمان خصوصی پروفیسر صلاح الدین عمری نے سیمینار کے موضوع کی انفرادیت کی پذیرائی کرتے ہوئے کہا کہ دنیا کی تمام زبانوں اور تہذیبوں پر حدیث نے اپنے اثرات ثبت کیے ہیں۔ افتتاحی اجلاس کے صدر پروفیسر نعمان خان نے اپنے صدارتی کلمات میں کہا کہ زبان، ادب، لسانیات، سماجیات اور تہذیب و ثقافت غرض کہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جن پر حدیث کے اثرات نہ مرتب ہوئے ہوں۔ افتتاحی اجلاس کے بعد پہلے تکنیکی اجلاس میں کل چار مقالے پیش کیے گئے۔ تیسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر نعمان خان نے کی۔ اس اجلاس میں بھی چار مقالے پیش کیے گئے۔ پہلے دن کے آخری اجلاس کی صدارت معروف اسلامی اور عربی اسکالر پروفیسر غلام یحییٰ انجم نے کی۔ پہلے دن افتتاحی اجلاس کے علاوہ کل تین اجلاس ہوئے جن میں بارہ مقالے پڑھے گئے۔

روزنامہ 'اردو ایکشن' بھوپال، 12 مارچ 2015

اردو کا دیگر ہندوستانی زبانوں سے رشتہ

ممبئی: 'اردو کا دیگر ہندوستانی زبانوں سے لسانی و ادبی رشتہ' کے موضوع پر شعبۂ اردو ممبئی یونیورسٹی کی جانب سے گزشتہ دنوں قومی سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس میں افتتاحی اجلاس کے صدر لندن یونیورسٹی میں تاریخ کے سابق پروفیسر اور معروف اسکالر ضیاء الدین شکیب نے کہا کہ ہندوستان دنیا کا واحد ملک ہے جہاں لسانی اعتبار سے بے مثال تنوع اور رنگا رنگی نظر آتی ہے اور اس تنوع و رنگارنگی کو جس زبان نے سلیقہ مندی کے ساتھ اپنایا وہ اردو ہے۔ اس اجلاس میں اردو کے معروف ادیب و ماہر لسانیات پروفیسر عبدالستار دلوی نے کلیدی خطبہ پیش کیا۔ انھوں نے اپنے پرمغز مقالے میں اردو زبان کی تشکیل اور ہندوستان کی دیگر زبانوں سے اس کے باہمی ربط پر سیر حاصل گفتگو کی۔

افتتاحی اجلاس کے مہمان خصوصی یونیورسٹی کے کارگزار وائس چانسلر ڈاکٹر نریش چندرا نے کہا کہ شعبۂ اردو کا تدریسی وغیر تدریسی عملہ مبارک باد کا مستحق ہے کہ زبان و ادب کے حوالے سے ایسے پروگراموں کے انعقاد میں سرگرم ہے۔ پروگرام کے مہمان اعزازی سنسکرت کے معروف اسکالر پنڈت غلام غوث براجدار نے اپنے مختصر مگر جامع خطاب میں اردو کے اس ہندوستانی مزاج پر روشنی ڈالی جس کی وجہ سے یہ زبان اس ملک میں رابطے کی ایک اہم زبان بن گئی ہے۔ شعبہ کی سربراہ ڈاکٹر معزہ قاضی نے کہا کہ اس سیمینار کے انعقاد کا اہم مقصد مختلف لسانی وتہذیبی پس منظر سے تعلق رکھنے والوں کے مابین مکالمہ قائم کرنے کا موقع فراہم کرنا ہے۔ سیمینار کے پہلے دن مقالہ خوانی کے دو اجلاس ہوئے جن کی صدارت بالترتیب پروفیسر یونس اگاسکر اور پروفیسر صاحب علی نے کی۔ سیمینار کے دوسرے دن مقالہ خوانی کے تین اجلاس ہوئے جن کی صدارت پروفیسر مظفر شہ میری (حیدرآباد)، محمد نورالدین سعید (بنگلور) اور پروفیسر عبدالستار دلوی (ممبئی) نے کی۔ ان اجلاس میں کنڑ، ملیالم، تمل، پنجابی، آسامی، گجراتی اور کشمیری زبانوں سے اردو کے لسانی وادبی روابط کی نوعیت اور باہمی اثر پذیری پر معلوماتی مقالات پیش کیے گئے۔

روزنامہ 'اردو ایکشن' بھوپال، یکم مارچ 2015

ہریانہ:

اردو بچاؤ، اردو پڑھاؤ

نگینہ/میوات: اردو زبان و ادب ہندوستان کے باشندگان کی قدیمی زبان ہے۔ اردو زبان سے منسلک معروف شخصیت، مرزا غالب کا سسرالی تعلق خطۂ میوات

سے رہا ہے، فیروز پور جھرکہ ریاست کے نواب شمس الدین کے مرزا غالب رشتے میں داماد ہوتے ہیں تاہم عظیم اردو شخصیت کا میوات سے تعلق ہونے کے باوجود اردو زبان و ادب اس خطے میں بدحالی کا شکار ہے۔ ان خیالات کا اظہار رائٹ ٹو انفارمیشن کے سرگرم کارکن نے آر ٹی آئی منچ کے ذریعے منعقد 'اردو بچاؤ و اردو پڑھاؤ' پروگرام کے تحت کیا۔ میوات کے وسطی علاقہ بڑکلی چوک پر میوات کی معروف شخصیت راجہ حسن خاں میواتی کے 489 ویں یوم شہادت کے تعلق سے پروگرام منعقد کیا گیا جس کا نام 'اردو پڑھاؤ اردو بچاؤ' رکھا گیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ اردو زبان و ادب کے لیے اب تنظیم ضلع نوح کے 419 دیہی علاقوں میں بیداری لانے کے لیے تحریک چلائے گی۔ اس موقع پر الحاج علی محمد نے کہا کہ راجہ حسن خاں میواتی ریاست کے ساتویں راجہ تھے ان کی شہادت ناقابل فراموش ہے۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 16 مارچ 2015

تہذیب و ثقافت:

جے این یو میں عربی ڈرامے کی پیش کش کا منظر

جے این یو میں عربی ڈرامے کی پیش کش

نئی دہلی: جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے کنونشن سنٹر کے مین ہال میں شعبہ عربی کی طلبہ تنظیم 'النادی العربی' کی طرف سے ایک ثقافتی پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ پروگرام کی شروعات صدر شعبہ پروفیسر مجیب الرحمٰن نے مہمان خصوصی مصر کے مشہور فلم ڈائرکٹر محمد عبدالعزیز محمود فتوح کے تعارف سے کی۔ اس عربی ڈرامے کے اداکاروں میں سے ایک اداکارہ مس انجلی شرما نے ڈرامے کے مرکزی موضوع پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد عربی ڈرامہ 'سفینۃ الازدہار (ترقی کی کشتی)' کے نام سے پیش کیا گیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس عربی ڈرامے کے اداکاروں میں عربی کے طلبہ کے علاوہ غیر عربی داں طلبہ وطالبات بھی شامل تھے۔ جنھوں نے عربی زبان نہ جانتے ہوئے بھی عربی مکالمہ کی ادائیگی بحسن و خوبی انجام دیا اور اپنی فنکارانہ خوابیدہ صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اس ڈرامے کی اسکرپٹ اور ڈائریکشن سے متعلق تمام پہلو کو اداکاروں کی اسی جماعت نے تیار کیا ہے۔ شعبۂ عربی کے استاد ڈاکٹر محمد قطب الدین بتایا کہ شاید یہ پہلا موقع ہے کہ جب ہندوستان میں کسی عربی شعبے کے پلیٹ فارم سے کسی ڈرامے کو عربی زبان میں اسی اسکرپٹ کے ساتھ پیش کیا گیا ہو۔ یہ ڈرامہ تقریباً 40 منٹ کا تھا۔ ڈرامے کے اختتام پر مصر کے مشہور فلم ڈائریکٹر محمد عبدالعزیز محمود فتوح نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اس پیش کش کو خوب سراہا اور اداکاروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ دوران پیش کش مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میں عربی ممالک کے کسی خطے میں بیٹھ کر عربی ڈرامے سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 12 مارچ 2015

اسلامی ساہتیہ سنگم کے زیر اہتمام کوی سمیلن

نئی دہلی: سماج میں بھلائیوں کے فروغ اور برائیوں کے ازالے کے لیے شعرا پر بڑی ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ اگر یہ چاہے تو اپنی شاعری کے ذریعے برائی کو ختم اور بھلائی کو فروغ دے سکتا ہے۔ یہی شاعری ہندوستان کی آزادی کے ان اسباب و ذرائع میں سے بھی تھی، جس نے تحریک آزادی میں فعال کردار نبھائی تھی۔ شاعری اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ ہر کسی کے حصے میں نہیں آتی۔ اسے سماج و معاشرہ کے اصلاحی کام میں لگانا چاہیے۔ ان خیالات کا اظہار ڈاکٹر تابش مہدی نے ایک کوی سمیلن میں کیا۔ ادارہ وادب اسلامی ہند کی ہندی شاخ اسلامی ساہتیہ سنگم کے زیر اہتمام مرکز جماعت اسلامی ہند کے کانفرنس ہال واقع ابوالفضل انکلیو میں ایک کوی سمیلن کا انعقاد کیا گیا۔ سمیلن سے خطاب کرتے ہوئے اردو کے ممتاز شاعر ڈاکٹر تابش مہدی نے اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اردو و ہندی شاعری کا معیار روز بروز گر رہا ہے۔ آج نثر و نظم کا امتیاز ختم ہوتا جا رہا ہے اور ہمارے بعض شعرا نظم کے نام پر نثر پیش کر رہے ہیں۔ واضح رہے کہ اس کوی سمیلن کی صدارت ڈاکٹر تابش مہدی ہی نے کی، نظامت کے فرائض ہندی شاعر اور جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ہندی کے استاد ڈاکٹر رحمان مصور نے انجام دیے۔ جبکہ جامعہ ملیہ اسلامیہ ہندی ڈیپارٹمنٹ کے سینئر پروفیسر ڈاکٹر مہیندر پال شرما مہمان خصوصی تھے۔ کوی سمیلن کے شروعات میں مولانا محمد فاروق خاں کی تین کتابوں کا اجرا بھی عمل میں آیا۔ آخر میں کنوینر الیاس حسین نے شعرا اور سامعین کا شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'ہمارا سماج' دہلی، 11 مارچ 2015

فرید آباد میں کل ہند مشاعرہ

فرید آباد: این سی آر کے اولڈ فرید آباد براہی تالاب پارک میں کل ہند عوامی مشاعرہ کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت معروف استاد شاعر شہباز ندیم ضیائی نے اور نظامت شمیم فرحت کارنجوی (مہاراشٹر) نے کی۔ اس موقع

پر نئی نسل کے ابھرتے ہوئے غیر مترنم شاعر عارف سیفی فرید آبادی کے شعری مجموعہ 'مہکتے زخم' کی رسم اجرا بھی عمل میں آئی۔ مشاعرہ کی شمع صدر مشاعرہ، ظہیر راہی اور شمیم فرحت ساجد تلہری نے روشن کی۔ رسم رونمائی شہباز ندیم ضیائی، اقبال اشہر، عبدالرحمٰن منصور سیاسی نمائندے وپل گوئل اور سابق آئی اے ایس افسر ایچ ایس رانا نے فرمائی اور عارف سیفی کو مبارکباد پیش کی۔ اس موقعے پر تمام مہمانان و شعرا نے قومی یکجہتی کی خاطر مشاعرہ کے انعقاد پر خوشی کا اظہار کیا۔ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 16 مارچ 2015

کوٹہ میں شعری نشست کا انعقاد

کوٹہ: راجستھان کا واحد اردو کالج مفتی اختر حسین اردو کالج وگیان نگر کوٹہ میں اردو کالج و انجمن شعر و ادب کے اشتراک سے 25 فروری 2015 کو پروگرام منعقد کیا گیا جس میں کوٹہ شہر و قرب و جوار کے معروف شعرا نے شرکت کی جس میں سبھی شعرا و سامعین کا خیر مقدم کرتے ہوئے اردو کالج کے ڈائریکٹر مفتی محمد شمیم اشرف نے کہا کہ کوٹہ جہاں کوچنگ کے اعتبار سے ہندوستان میں مشہور ہے وہیں شعر و ادب و ثقافت میں بھی لاجواب ہے۔ اسی طرح کی شعر و سخن کی مجلسیں اردو زبان کے فروغ و ارتقا میں اہم رول ادا کرتی ہیں۔

بذریعہ ڈاک: سلیم آفریدی، کوٹہ، راجستھان، 25 فروری 2015

سیتاپوری میں کل ہند نعتیہ مشاعرہ

نئی دہلی: مغربی دہلی میں واقع سیتاپوری میں غریب نواز فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام ایک کل ہند نعتیہ مشاعرہ کا انعقاد کیا گیا۔ اس موقعے پر غریب نواز فاؤنڈیشن کے چیئرمین مولانا انصار رضا کا نعتیہ مجموعہ 'تمھاری نعت پڑھوں' کا اجرا سید گلزار میاں، مفتی مکرم احمد، مولانا صغیر مصباحی، مولانا عزیز الدین جعفری اور شکیل اثر نورانی کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس تقریب کی سرپرستی خانقاہ مسولی کے سجادہ نشین علامہ گلزار اسمٰعیل واسطی نے کی جبکہ صدارت شاہی مسجد فتح پوری کے امام ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد نے اور نظامت آصف رضا سیفی پرتاپ گڑھی نے کی۔ اس موقعے پر سید گلزار میاں، شاہی امام مسجد فتح پور، مفتی محمد مکرم احمد، مولانا ظفر الدین برکاتی نے 'تمھاری نعت پڑھوں' پر مقالے پیش کیے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 17 مارچ 2015

اردو ڈرامہ فیسٹول

نئی دہلی: آل انڈیا ریڈیو کی 'اردو سروس' کو ریڈیو کے سامعین میں جو مقبولیت حاصل ہے وہ بے مثال ہے۔ یہاں تک کہ اس کے بعض پروگرام تو غیر ممالک میں بھی روزانہ سنے جاتے ہیں۔ ان میں اردو سروس کا 'تعمیل ارشاد' پروگرام اس دور میں بھی کہ جب ڈش ٹی وی گھر گھر پہنچ چکا ہے۔ بے حد مقبول ہوا۔ اردو سروس نے اپنی تاسیس کے 50 سال مکمل کر لیے ہیں۔ اس واقعہ کو یادگار بنانے کے لیے 'ایکسٹرنل سروس' نے تین روزہ اردو ڈرامہ فیسٹول کا اہتمام کیا۔ اس ڈرامہ فیسٹول کا خاکہ اردو سروس کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر مسٹر دانش اقبال کی سربراہی میں تیار ہوا اس کے لیے تین بہترین ڈرامہ کا انتخاب ہوا۔ پہلے دن اردو کے ممتاز ادیب سعادت حسن منٹو کی کہانی پر مشتمل ڈرامہ 'ایک کتے کی کہانی' اسٹیج کیا گیا جسے ناظرین نے بے حد سراہا، دوسرے دن عظیم شاعر مرزا غالب سے متعلق ڈرامہ 'غالب ان نیو دہلی' اسٹیج کیا گیا۔ اس ڈرامے کے ہدایت کار ڈاکٹر ایم سعید عالم تھے۔ اس کے خالق بھی وہی تھے اور ڈرامہ میں غالب کا کردار بھی انھوں نے ادا کیا۔ تیسرے اور آخری دن 18 مارچ کو 'سارہ کا سارا آسمان' نامی ڈرامہ پیش ہوا جو پاکستانی شاعرہ سارہ شگفتہ کی زندگی اور اس کی پاکستانی خواتین کے حقوق کے لیے کی گئی جدوجہد پر مشتمل تھا۔ تینوں ڈرامے بے حد کامیاب رہے۔

روزنامہ 'سیاسی تقدیر' دہلی، 20 مارچ 2015

اعزاز و اکرام:

ساہتیہ اکادمی کے سالانہ ایوارڈ کی تقسیم

نئی دہلی: ساہتیہ اکادمی کی سالانہ تقریب ساہتیہ آتسو 2015 کا افتتاح عمل میں آیا جس میں بھارت کی 24 مختلف

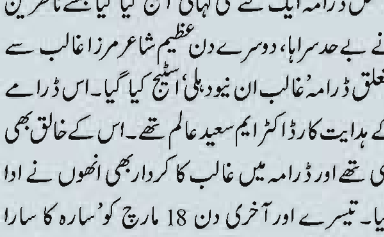

زبانوں کی متعدد شخصیات کو ساہتیہ اکادمی کے پروقار سالانہ ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ اس موقعے پر کمانی آڈیٹوریم میں منعقد کی گئی تقریب میں صدارت کر رہے کیدار ناتھ سنگھ نے کہا کہ ہندوستانی ادب بیسویں صدی کے ہینگ اوور سے نکل کر نئے راستے تلاش کر رہا ہے اور اس نئے راستے کا طلوع شمال مشرق سے ہو رہا ہے۔ قابل ذکر ہے کہ ساہتیہ اکادمی چوبیس زبانوں میں ہر سال دیے جانے والے ایوارڈ میں ایک لاکھ روپے کا چیک اور ایک شیلڈ اور شال دیتی ہے۔ ایوارڈ یافتہ مصنفین کو ساہتیہ اکادمی کے چیئرمین پروفیسر وشوناتھ پرساد تیواری نے ایوارڈ شال اور چیک دیے اور ایوارڈ یافتگان مصنفین کو مبارکباد دی۔

ساہتیہ اکادمی کے وائس چیئرمین چندر شیکھر نے تمام مہمانوں اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ آخر میں ساہتیہ اکادمی کے سکریٹری ڈاکٹر کے سری نواس راؤ نے اکادمی کی کارکردگی پر روشنی ڈالتے ہوئے تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اس سے پہلے ساہتیہ اکادمی کی فوٹو نمائش کا افتتاح معروف ادیب ڈاکٹر رام درشن مشرا نے کیا۔ جن مصنفین کو ایوارڈ سے نوازا گیا ان میں اردو زبان میں منور رانا کو ایوارڈ دیا گیا۔ ہندی زبان کے لیے رمیش چندرا کو ایوارڈ دیا گیا، جبکہ اسمیا زبان کے لیے اروپا پتنگیا کالیتا، باڈلا میں اتپل کمار باسو، بوڈو میں ارکھو گورابرہ، ڈوگری میں شیلندر سنگھ، انگریزی زبان میں عادل جساوالا، گجراتی میں آنجہانی اشونی مہتا، کنڑ زبان میں جی ایس نائک، کشمیری زبان میں شاد رمضان، کونکڑی زبان میں آنجہانی مادھوی سردیشائی، میتھلی میں آشا مشرا، ملیالم میں سبھاش چندرا، منی پوری میں ناؤریم دھیا ساگرسنگھ، مراٹھی میں جینت وشنو نارلیکر، نیپالی میں نندا ہاڈکھم، اڑیا میں گوپال کرشنا رتھ، پنجابی میں جسوندر، راجستھانی میں رام پال سنگھ راج پروہت، سنسکرت میں پربھوناتھ دیویدی، سنتھالی میں جمادار کسکو، سندھی میں گوپال کمل، تامل میں پی منک واسگم، تیلگو میں راچپالن چندر شیکھر ریڈی شامل ہیں جبکہ ترجمہ کے لیے بھی 23 زبانوں میں ایوارڈ دیا گیا ہے۔ جس میں اردو کے لیے ویدراہی کو ایوارڈ دیا گیا۔ اتپل کمار باسو اور عادل جساوالا کی جگہ ان کے اہل خانہ نے یہ ایوارڈ حاصل کیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 10 مارچ 2015

اردو اکادمی دہلی کے زیر اہتمام تقسیم انعامات

نئی دہلی: اردو اکادمی دہلی کے زیر اہتمام جلسے تقسیم برائے انعامات تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں یونیورسٹیز، بورڈز، اردو کتابت کورس، اردو سرٹیفکیٹ کورس اور اردو کمپیوٹر کورس میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طلبا کو انعامات سے نوازا گیا۔ اردو اکادمی دہلی کے چیئرمین پروفیسر خالد محمود اور سکریٹری انیس اعظمی، مہمان خصوصی

ڈاکٹر اسلم پرویز اور پروفیسر خواجہ اکرام الدین اور ڈاکٹر جی آر کنول نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر شبانہ نذیر

نے بھی اپنے خیالات ظاہر کیے۔ قابل ذکر ہے کہ اس موقعے پر اردو ادب کی مقبول ترین صنف فن داستان گوئی کا بھی انعقاد کیا گیا۔ فوزیہ اور اشہر نے 'داستانِ مہتاب جادو کی' کے عنوان سے داستان پیش کی۔ پروگرام کی نظامت ریشما فاروقی نے کی۔

روزنامہ 'انقلاب'، دہلی، 12 مارچ 2015

اسلوب احمد انصاری کو مغربی بنگال اردو اکادمی ایوارڈ

علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ انگریزی کے ریٹائرڈ پروفیسر اسلوب احمد انصاری کو اردو میں ان کی گراں قدر خدمات کے لیے مغربی بنگال کی اردو اکادمی نے کل ہند سطح پر 'مغربی بنگال اردو اکادمی ایوارڈ' سے سرفراز کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ایوارڈ کے طور پر ان کو 51 ہزار روپے، ایک شال، توصیفی سند اور یادگاری نشان پیش کیا جائے گا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا'، دہلی، 15 مارچ 2015

کرناٹک اردو اکادمی کے تحت اردو کتابوں پر انعامات

بنگلور: الامین کیمپس، بنگلور کے سیمینار ہال میں ایک اجلاس منعقد ہوا جس کی صدارت ریاستی وزیر برائے اوقاف و اقلیتی امور بلدیات قمرالاسلام نے فرمائی۔ مہمانِ خصوصی مسعود فوجدار چیئرمین کرناٹک مینارٹی ڈیولپمنٹ کارپوریشن تھے۔ اس موقعے پر قمرالاسلام نے 2010 تا 2013 کے انعام یافتہ گان اردو کتابوں کے قلم کاروں کو شال، مومنٹو اور چیک پیش کیے۔ اس تقریب میں اپنا بیان دیتے ہوئے ڈاکٹر فوزیہ چودھری نے بتایا کہ کوئی بھی مصنف اپنے خونِ جگر سے لکھی کوئی کاوش کو کسی انعام یا اعزاز کی توقع پر نہیں لکھتا۔ مگر یہ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہمیں ان کی محنت کو نہ صرف ضائع ہونے سے بچائے رکھیں بلکہ انھیں منظر عام پر لانے کی بھی سعی کریں۔ انھوں نے اگلے سال کی کتابوں پر انعامات کی رقم پانچ ہزار سے بڑھا کر پچیس ہزار کرنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا۔ اپنے صدارتی خطبے میں ریاستی وزیر برائے اوقاف و اقلیتی امور بلدیات قمرالاسلام نے خواہش ظاہر کی کہ کرناٹک اردو اکادمی نہ صرف اردو میں لکھی اچھی کتابوں کا دیگر زبانوں میں ترجمہ کرائے بلکہ دوسری زبانوں میں لکھی اچھی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کر کے انھیں منظر عام پر لانے کی سعی کرے۔ مسعود فوجدار چیئرمین کرناٹک مینارٹی ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے اپنے بیان میں بتایا کہ ان کے محکمہ سے وہ غربا اور نادار احباب مالی تعاون حاصل کر سکتے ہیں جو مالی مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔ ان کا محکمہ اقلیت سے تعلق رکھنے والے احباب کو تعاون دینے ہی کے لیے وجود میں آیا ہے۔ کرناٹک اردو اکادمی کے سہ ماہی 'اذکار' کے تازہ شمارہ کی رسم رونمائی ریاستی وزیر برائے اوقاف و اقلیتی امور بلدیات قمرالاسلام کے بدست ہوئی جس میں ریٹائرڈ آئی اے ایس افسر عزیز اللہ بیگ شامل رہے۔ اکادمی کے رکن وصحافی یوسف رحیم بیدری نے اکادمی کی رپورٹ پیش کی اور آئندہ کے منصوبوں سے سامعین کو روشناس کرایا۔ انعامات کی تقسیم کے دوران اردو اکادمی کے رکن نعمت اللہ خان نے انعام یافتہ گان احباب کا تعارف بہترین انداز میں پیش کیا۔ اجلاس کے ناظم ناطق علی پوری نے اکادمی سے انعام یافتگان کو مبارکباد پیش کی۔

روزنامہ 'اردو ایکشن'، بھوپال، 10 مارچ 2015

ڈاکٹر انجم جمالی ایوارڈ کی تقسیم

میرٹھ: گزشتہ روز چیمبر آف کامرس دہلی روڈ پر آٹھواں ڈاکٹر انجم جمالی ایوارڈ پروگرام کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت اردو اکادمی اترپردیش کے چیئرمین ڈاکٹر نواز دیوبندی نے کی، جبکہ نظامت کے فرائض محترمہ فرحت نے بحسن خوبی انجام دیے۔ اس موقعے پر ڈاکٹر انجم جمالی فاؤنڈیشن کی

جانب سے تاریخی خدمت گزاروں کو اعزاز سے نوازا گیا۔ دہلی سے آئے معصوم مرادآبادی کو پرنٹ میڈیا کے لیے، ملک زادہ جاوید، تشا شرما کو شاعری، فرقان سنبھلی کو نوجوان صحافت اور مہمان خصوصی وزیر حکومت یوپی شاہد منظور کو بھی اعزاز سے نوازا گیا۔ اس موقعے پر ڈاکٹر معراج الدین سابق وزیر، ڈاکٹر اسلم جمشید پوری، سماجی خدمت گار نگین چند جین، نائب شہر قاضی زین الراشدین، وشال جین، حاجی عمران صدیقی، نازش، دانش، تقدیس، ظہیر، فاروق خان، محمد شان، اعزاز، مکل متل، سلیم سیفی، اجے، ڈاکٹر رچنا شرما وغیرہ موجود تھے۔

روزنامہ 'خبریں' دہلی، 16 مارچ 2015

'آم نامہ' لمکا بک آف ورلڈ ریکارڈ میں شامل

لکھنؤ: ممتاز و معروف شاعر سہیل کاکوروی کی منفرد کتاب 'آم نامہ' لمکا بک آف ورلڈ ریکارڈ 2015 میں شامل کی گئی ہے۔ ہندی اردو ساہتیہ ایوارڈ کمیٹی کی جانب سے امیر الدولہ اسلامیہ کالج میں ہونے والی ایک پریس کانفرنس میں سہیل کاکوروی نے سرٹیفکیٹ پیش کرتے ہوئے یہ اطلاع دی۔ انھوں نے بتایا کہ 'آم نامہ' دنیا کی ایسی پہلی منظوم کتاب ہے جو پھل پر لکھی گئی ہے۔ 'آم نامہ' کے ذریعے سہیل کاکوروی نے نہ صرف آم کی اقسام، ان کے ذائقوں اور خصوصیات کو منظوم کیا ہے بلکہ آم کے حوالے سے اپنے دور کی مختلف شعبۂ حیات سے وابستہ اہم شخصیات کو بھی یاد کیا ہے۔ کتاب 'آم نامہ' آم کے حوالے سے اپنے عہد کی بھی عکاسی کرتی ہے۔ پریس کانفرنس کے کنوینر انور حبیب علوی نے کہا کہ سہیل کاکوروی کو اردو کے ساتھ ہی ہندی، انگریزی اور فارسی زبانوں پر عبور حاصل ہے اور انھوں نے ان زبانوں میں کتابیں لکھنے کے ساتھ ہی شاعری بھی کی ہے۔ 'آم نامہ' کا لمکا بک آف ریکارڈ میں شامل ہونا نہ صرف سہیل کاکوروی کے لیے بلکہ پورے لکھنؤ کے لیے فخر کی بات ہے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا'، دہلی، 16 مارچ 2015

بزم نظیر آگرہ کے تحت ایوارڈ کی تقسیم

آگرہ: یوتھ ہاسٹل ہال، سنجے پیلس آگرہ میں بزمِ نظیر نے یوم غالب بڑے جوش و خروش سے منایا۔ تقسیم ایوارڈ کے فرائض کی نظامت بزم نظیر کے صدر و مشہور و معروف صحافی عالی جناب پیر زادہ عمر تیموری نے کیے۔ پروگرام کی صدارت، سابق مرکزی وزیر جناب رام جی لال سمن نے کی۔ جبکہ افسانہ نگار حنیف سید مہمان خصوصی کی حیثیت سے شامل ہوئے۔ جناب نریندر سنگھ کھوجا کو مسند اعزاز سے سرخرو کیا گیا۔ اس کے بعد صدر محترم عالی جناب رام جی لال سمن نے شمع روشن کی۔ اس کے بعد بزمِ نظیر کی جانب سے جن حضرات کو غالب ایوارڈ دیا گیا ان میں سابق وزیر جناب رام جی لال سمن، افسانہ نگار حنیف سید، جناب ارون کمار ڈنگ، گلوکار سدھیر نارائن، جناب دلجیت سنگھ ڈگل کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس کے بعد بزمِ نظیر کے صدر جناب پیرزادہ عمر تیموری کی لکھی چار کتابوں کا اجرا عمل میں آیا۔

روزنامہ 'انکشاف'، جھانسی، 11 مارچ 2015

عقیل سنبھلی ادبی اکادمی کی اعزازی تقریب

سنبھل: محلّہ کوٹ غربی واقع گرین ہاؤس میں عقیل سنبھلی

ادبی اکادمی کے زیر اہتمام ایک اعزازیہ تقریب کا انعقاد کیا گیا، جس میں لکھنؤ اردو اکادمی کے ذریعے بدست وزیر اعلیٰ سنبھل کے ادبا و شعرا کو خصوصی اعزاز ملنے پر عقیل سنبھلی اکادمی کی جانب سے منعقدہ پروگرام میں یامین برکاتی، ڈاکٹر منور تابش، ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف اور سید نفیس سنبھلی کو شال اوڑھا کر عزت افزائی کی گئی، ساتھ ہی اکادمی نے اپنی توصیفی سند بھی پیش کیں جو مہمان خصوصی وقار رومانی، الحاج شکیل احمد شکیل اور شہزاد احمد کے ذریعے پیش کی گئیں۔ اس موقعے پر وقار رومانی نے اپنے خطاب میں کہا کہ اس طرح کے پروگرام سے ہر شعبہ کے فن کاروں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ شہزاد احمد نے امید ظاہر کی کہ حکومت اردو کو روزی روٹی سے جوڑنے کے لیے مزید اقدامات کرے گی، خصوصاً اردو معلمین جو ایک سال سے زائد وقت گزرنے کے باوجود اپنی تقرری سے محروم ہیں اور اس حکومت کی جانب امید بھری نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ شکیل احمد شکیل سنبھلی نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا کہ ہماری تنظیم کافی عرصے سے ادبی خدمات انجام دے رہی ہے، میں سبھی اعزاز یافتگان کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

روزنامہ 'انقلاب'، دہلی، 17 مارچ 2015

نصرت مہدی کو بھارت رتن مدر ٹریسا گولڈ میڈل ایوارڈ

بھوپال: عالمی یوم خواتین کے موقعے پر گلوبل اکنامک پروگریس اینڈ ریسرچ ایسوسی ایشن نے بنگلور میں محترمہ نصرت مہدی ڈپٹی ڈائرکٹر علامہ اقبال مرکز ساہتیہ اکادمی مدھیہ پردیش محکمہ ثقافت بھوپال کو ان کی ایڈمنسٹریٹو اور ادبی خدمات کے لیے بھارت رتن مدر ٹریسا گولڈ میڈل ایوارڈ سے نوازا۔ غور طلب ہے کہ نصرت مہدی نے مختلف محکموں میں عہدوں پر رہتے ہوئے غیر معمولی اور بہت اہم کام انجام دیے ہیں وہ وقف بورڈ کی تاریخ میں پہلی خاتون چیف ایگزیکٹو افسر رہیں اور حج کمیٹی کی تاریخ میں پہلی خاتون ایگزیکٹو افسر رہیں۔ اس کے علاوہ مدھیہ پردیش اردو اکادمی میں بھی ایک طویل عرصہ تک سکریٹری کے عہدے پر رہ کر بہترین کام انجام دیے۔ محکمہ تعلیم میں رہتے ہوئے بھی نصرت مہدی نے ماحولیات، اقلیتی، ثقافتی شعبوں اپنی ذمے داریاں نبھاتے ہوئے بہت انعامات اور اعزازات حاصل کیے۔ فی الوقت قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی ممبر بھی ہیں۔ ان کے چار شعری مجموعے اور دو نثری ترتیب منظر پر آچکے ہیں۔

روزنامہ 'ندیم' بھوپال، 11 مارچ 2015

اردو گلڈ جموں کشمیر کا فخر اردو ایوارڈ

نئی دہلی: جموں و کشمیر کی معروف و باوقار ادبی تنظیم اردو گلڈ نے ریاست کی سرگرم عمل ٹریڈ یونین ٹیچرس گلڈ جموں و کشمیر کے لٹریری سیل کے اشتراک سے تقریب

ایوارڈ کا انعقاد کیا۔ اس تقریب کی صدارت معروف و ممتاز افسانہ نگار، ادیب، محقق، ناقد اور اردو گلڈ کے صدر امین بنجارا نے کی۔ اردو گلڈ کے قانونی صلاح کار ایڈوکیٹ محمد فاروق فراز قریشی، ٹیچرس گلڈ کے جنرل سکریٹری وجے کمار شرما، معروف افسانہ نگار جسونت منہاس، مشہور معالج ڈاکٹر عمر مختار، نامور افسانہ نگار، ناقد، تحقیق نگار، تانیثی ادب کے ماہر اور لٹریری سیل ٹیچرس گلڈ کے چیف آرگنائزر ڈاکٹر مشتاق احمد وانی اور کئی اردو شناس و اردو نواز تقریب ہذا میں موجود تھے۔ اس موقعے پر اردو شعر و ادب سے وابستہ جن ملکی و عالمی شہرت یافتہ شخصیات کو اردو گلڈ جموں و کشمیر کی جانب سے سال 2014 کے 'فخر اردو ایوارڈ' سے نوازا گیا ان میں دہلی سے تعلق رکھنے والے قد آور اردو و فارسی شاعر احمد علی برقی اعظمی، علی گڑھ سے تعلق رکھنے والے عظیم المرتبت بزرگ شاعر رئیس الدین رئیس، بہار کے مشہور و معروف شاعر اور آل انڈیا ریڈیو کے شعبۂ فارسی کے پروگرام انچارج ڈاکٹر ولی اللہ ولی اور علی گڑھ کے ممتاز و معتبر شاعر اور ماہر تعلیم ڈاکٹر مجیب شہزر شامل تھے جنھیں اردو گلڈ کے صدر امین بنجارا نے فخر اردو ایوارڈ اور توصیف نامے پیش کیے۔

روزنامہ 'خبریں'، دہلی، 22 فروری 2015

میورانڈی اردو دوست ایوارڈ سے سرفراز

سولاپور: سولاپور کے ادبی افق پر کل ہند اردو ادبی کانفرنس سولاپور یہ ادارہ اردو کے فروغ کے ساتھ ساتھ اردو والوں کی ہمت افزائی کے لیے بھی کوشاں ہیں۔ یہ ادارہ ہر سال اردو لکھنے اور پڑھنے والے غیر مسلم برادرِ وطن کو اردو دوست ایوارڈ سے نوازتا ہے۔ امسال سولاپور کے نوجوان میورر یونسدھ انڈی کو اردو دوست ایوارڈ سے نوازا گیا۔ منعقدہ تقریب میں گل، شال، مومنٹو دے کر حوصلہ افزائی کی گئی۔ تقریب کی صدارت سولاپور میونسپل کارپوریشن کی میئر سوشیلا آبوٹے نے کی۔ اس موقعے پر انقلاب ممبئی کے مدیر شاہد لطیف، ندیم صدیقی (مدیر اردو ٹائمز)، سراج سولاپوری، وقار شیخ، ادارے کے صدر ایڈوکیٹ یو این بیریا و دیگر معزز مہمانان شریک تھے۔ جلسے کی نظامت اشفاق زید نے کی۔ واضح رہے کہ صاحب اعزاز میورانڈی کی مادری زبان مراٹھی اور کنڑ ہے۔ تعلیم انگریزی میڈیم سے ہوئی ہے۔ لیکن میورانڈی نے اظہارِ تشکر میں اردو زبان کا جادو دکھاتے ہوئے سامعین کو حیرت زدہ کیا اور کہا کہ اردو ہم سب ہندوستانیوں کی زبان ہے۔ اس کی بقا و فروغ کے لیے ہمیں اپنے مکان سے شروعات کرنی ہوگی۔ بچوں کو اردو سکھانی ہوگی۔

پریس ریلیز: سلطان اختر، سولاپور، مہاراشٹرا، 27 مارچ 2015

اردو تعلیمی بورڈ کے امتحانات

سہارنپور: اردو تعلیمی بورڈ لکھنؤ کی مقامی شاخ کی طرف سے شعری خدمات کے اعتراف میں قمر بنارسی کو واصف عابدی ایوارڈ، ریناشرما براڑوی ہریانہ کو سادھورام آرزو ایوارڈ اور عدیل تابش روڑکوی کو ساحل فریدی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ یہ ایوارڈ مسلم گرلز انٹر کالج میں منعقد محفل مشاعرہ کے موقعے پر بورڈ کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر عثمان صدیقی کے ہاتھوں دیے گئے۔ اس موقعے پر عثمان صدیقی نے کہا کہ آج دنیا کی 165 یونیورسٹیوں میں اردو کے شعبے ہیں جہاں اردو کی خدمات انجام دی جارہی ہیں۔ انھوں نے اردو طلبا کو اردو کمپیوٹر سیکھنے کی بھی صلاح دی۔ اس موقعے پر منعقد مشاعرہ میں قمر بنارسی، ریناشرما براڑوی، تابش روڑکوی، زکریا گوہر روڑکوی، نوازش خان، قیوم بسمل، ناصر فریدی، وسیم راجپوری، منصور رانا، سلیم احمد سلیم اور استاد شاعر اکمل امام نے اپنے کلام سے نوازا۔ صدارت عثمان الحق صدیقی اور نظامت سرور اجمل نے کی۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 5 مارچ 2015

اتر پردیش اردو اکادمی کے انعامات کا اعلان

لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی کے اس سال پیش کیے جانے والے انعامات کے لیے اردو شعرا ادبا کے ناموں کا اعلان کردیا گیا ہے جس کے مطابق اکادمی کا سب سے اہم اور بڑا ایوارڈ مولانا ابوالکلام آزاد جو مبلغ پانچ لاکھ روپے کا ہے کے لیے مشہور ناول نگار اور موجودہ دور کے مشہور افسانہ نگار اقبال مجید، بھوپال کے نام کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ روپے کی مجموعی خدمات انعام کے لیے پانچ اہم شخصیات پروفیسر ملک زادہ منظور احمد (شاعری)، پروفیسر قاضی عبدالستار (فکشن)، ڈاکٹر

نسیم احمد نسیم کی کتاب 'تنقیدی جہات' کا اجرا

رامپور رضا لائبریری میں دو کتابوں کا اجرا

عارف حسن خان (تحقیق و تنقید)، مرتضٰی ساحل تسلیمی (بچوں کا ادب) اور پروفیسر جمال نصرت (سائنسی علوم) کو منتخب کیا گیا ہے۔ قومی یکجہتی ایوارڈ (ایک لاکھ روپے)، پروفیسر وسیم بریلوی اور انور جلال پوری کو، امیر خسرو ایوارڈ (ڈیڑھ لاکھ روپے) پنڈت آنند موہن گلزار زتشی کو پریم چند ایوارڈ (ایک لاکھ روپے) مہدی جعفر کو، پچاس پچاس ہزار روپے کا صحافت ایوارڈ شکیل شمسی (پرنٹ میڈیا)، معین شاداب (الیکٹرانک میڈیا) اور ریختہ ڈاٹ کام (میڈیا ہاؤس) کو، گیارہ گیارہ ہزار روپے کا کتابت ایوارڈ (برائے خطاطی) ڈاکٹر شعیب ندیم اور طارق ابن ثاقب کو دیا گیا ہے۔ اکادمی کے چیئرمین ڈاکٹر نواز دیوبندی اردو اکادمی کی جانب سے تمام انعام یافتگان کو دلی مبارکباد پیش کی۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 31 مارچ 2015

رسم اجرا:

'تنقیدی جہات'

بتیا: ''ہندوستان میں نئی تنقید کے حوالے سے کئی اہم نام آتے ہیں۔ ان میں ڈاکٹر نسیم کی تازہ تصنیف 'تنقیدی جہات' بھی ان کی دوسری کتابوں کی طرح ادب کے خالص حلقے میں اس کتاب کی پذیرائی ہوئی ہے۔'' ان خیالات کا اظہار تقویٰ ایجوکیشنل گروپ کے ڈائرکٹر اور ماہنامہ رہنما کے ایڈیٹر جناب رضوان ریاضی نے کیا۔ اس موقعے پر ڈاکٹر نسیم احمد نسیم کی تازہ ترین تصنیف 'تنقیدی جہات' کا اجرا عمل میں آیا۔ اس موقعے پر شہر اور بیرون شہر کے ادبا، شعرا اور علمائے کرام کے علاوہ بڑی تعداد میں اہل علم اور اہل ذوق حضرات کی شرکت نے جشن اجراء کو پررونق بنایا۔

پریس ریلیز، نصیب عمری، بتیا، بہار، 1 اپریل 2015

گلبدن بیگم کا ہمایوں نامہ اور جوہر آفتابچی کی تذکرۃ الواقعات کے ہندی تراجم

28 فروری 2015 کو دہلی میں واقع ہمایوں کے مقبرے میں رام پور رضا لائبریری رامپور کے ڈائرکٹر پروفیسر عزیز الدین حسین ہمدانی نے ہمایوں سے متعلق تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا جبکہ ہمایوں کے سلسلے کی دو کتابوں جوہر آفتابچی کی 'تذکرۃ الواقعات' اور گلبدن بیگم کا 'ہمایوں نامہ' جو آج تک فارسی مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں کے ہندی تراجم مطبوعہ رامپور رضا لائبریری کا اجرا اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی نئی دہلی کے شعبۂ تاریخ کے پروفیسر رویندر شریواستو کے ذریعہ عمل میں آیا۔

اس موقعے پر مہمان خصوصی پروفیسر رویندر شریواستو نے کہا کہ سبھی لوگ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا ایک انتہائی مشکل امر ہے اور خاص طور پر کسی ایسی کتاب کا جو تاریخ سے متعلق ہو۔ یہ کام ان کتابوں کے مترجمین کے ساتھ ساتھ رضا لائبریری کے انتہائی قابل تعریف کارناموں میں سے ہے۔ لائبریری کے ڈائریکٹر پروفیسر عزیز الدین نے کہا کہ مجھے یہ بتاتے ہوئے انتہائی مسرت ہو رہی ہے کہ ہمایوں نامہ کے مترجم فضل شاہ فضل اور تذکرۃ الواقعات کی ترجمہ نگار محترمہ ساجدہ شیروانی نے انتہائی محنت لگن اور وقت کی پابندی کے ساتھ ترجمہ کیا اور اس کام کو اختتام تک پہنچایا۔ اس موقعے پر ڈائس پر موجود پروفیسر عراق رضا زیدی اور ڈاکٹر میناکشی کھنہ نے تراجم کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالی۔ اس کے لیے انھوں نے ڈائرکٹر موصوف کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ اس علمی مجلس کو ڈاکٹر فیضان نے اپنی نظامت سے رونق بخشی۔ آخر میں اس پروگرام کے کوآرڈینیٹر ہمانشو سنگھ نے سبھی کا شکریہ ادا کیا۔

پریس ریلیز: ساجدہ شیروانی، رامپور، یوپی، 3 مارچ 2015

ٹیگور پروجیکٹ کی کتابوں کا اجرا

نئی دھلی: ادب وثقافت کی پاسداری جامعہ ملیہ اسلامیہ کی روایت کا روشن باب ہے۔ ٹیگور ریسرچ اینڈ ٹرانسلیشن اسکیم اسی روایت کی ایک کڑی ہے۔ شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے زیر اہتمام رابندر ناتھ ٹیگور کی تحقیق اور ترجمے کا جو اہم ترین اور یادگار کام ہوا ہے، وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے اور دیگر شعبہ جات کے لیے قابل رشک ہے۔ ان خیالات کا اظہار پروفیسر طلعت احمد وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ نے ٹیگور ریسرچ اینڈ ٹرانسلیشن اسکیم کے زیر اہتمام مطبوعہ کتابوں کے اجرا کے موقعے پر کیا۔ پروفیسر طلعت احمد نے کہا کہ ترجمہ بے حد مشکل کام ہے، اس پروجیکٹ میں اردو اور بنگلہ زبان کے ماہرین کو شامل کیا گیا اور بنگلہ سے اردو میں براہ راست ترجمے کے بعد کتابیں منظر عام پر آئی ہیں۔ یہ کارنامہ قابل داد ہے۔ اس موقعے پر ٹیگور پروجیکٹ کی مطبوعات ٹیگور شناسی، گیتانجلی، گورا (ناول)، باغبان، میری یادیں، کلام ٹیگور، ٹیگور کی کہانیاں، ٹیگور کے مضامین، ٹیگور کے ڈرامے، ٹیگور اور اقبال، ٹیگور کی بازیافت، رابندر ناتھ ٹیگور: فکر و فن کے ہزار رنگ، رابندر ناتھ ٹیگور: شاعر اور دانشور اور ٹیگور ریسرچ اینڈ ٹرانسلیشن اسکیم کی اشاعت پر انھوں نے خوشی کا اظہار کیا اور ان کتابوں کا اجرا کیا۔ اس موقعے پر بطور مہمان خصوصی پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی نے شرکت کی اور کہا کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ اردو کو جب یہ پروجیکٹ تفویض کیا گیا تو ہندوستان کے سبھی شعبوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ اردو کو رشک کی نگاہ سے دیکھا۔ معروف صحافی، ادیب و شاعر شمیم طارق (ممبئی) نے بطور مہمان اعزازی شرکت کرتے ہوئے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ ٹیگور ریسرچ اینڈ ٹرانسلیشن اسکیم کے کوآرڈینیٹر پروفیسر شہزاد انجم نے پروجیکٹ کی رپورٹ پیش کی اور گزشتہ ڈھائی برسوں میں اس پروجیکٹ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے پروگرام کا تفصیلی ذکر پیش کیا۔ رسم اجرا کی تقریب کے سبھی شرکا کا استقبال صدر شعبہ اردو پروفیسر وہاج الدین علوی نے کیا۔ رسم اجرا کی نظامت پروفیسر شہپر رسول نے ادا کی۔ پروفیسر خالد محمود سابق صدر شعبۂ اردو نے اظہار تشکر پیش کرتے ہوئے کہا کہ ڈھائی برس

وقار مانوی کی مرتب کردہ 'وہاب نامہ' کا اجرا

ہفت روزہ 'قومی بصیرت' کا اجرا

قبل جس پروجیکٹ کی شعبے میں شروعات ہوئی تھی اب اس کے مکمل کارناموں کو دیکھ کر بے حد خوشی ہو رہی ہے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 27 مارچ 2015

وہاب نامہ

نئی دھلی: کسی بھی کتاب کی اہمیت اس وقت ہوتی ہے جب اس کتاب کی اہمیت کو لوگ سمجھیں اور اس کے قدرشناس اور اچھی پرکھ کرنے والے موجود ہوں۔ ان خیالات کا اظہار غالب اکادمی میں معروف شاعر اور ادیب وقار مانوی کی مرتب کردہ کتاب 'وہاب نامہ' کا اجرا کرتے ہوئے صدر شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی پروفیسر ابن کنول نے کیا۔ تقریب کی صدارت پروفیسر عبدالحق نے کی جبکہ مہمانان خصوصی کے طور پر اے رحمٰن، ڈاکٹر جی آر کنول، حاجی میاں فیاض الدین، شیخ علیم الدین اسعدی اور محمد سلیم دہلوی نے شرکت کی۔ اس موقعے پر پروفیسر توقیر احمد خاں، عظیم اختر، ڈاکٹر تابش مہدی، ڈاکٹر ظفر مرادآبادی، ڈاکٹر مشیر احمد، سہیل انجم، مودود صدیقی، متین امروہوی، ابرار کرت پوری، شمس رمزی، احمد علی برقی اور ماسٹر نثار وغیرہ نے بھی کتاب پر گفتگو کی۔ نظامت کے فرائض غالب اکادمی کے سکریٹری عقیل احمد نے انجام دیے جبکہ سینئر صحافی سہیل انجم نے ایک مضمون پڑھ کر کتاب کی اہمیت پر روشنی ڈالی جبکہ متین امروہوی نے منظومِ خراج عقیدت پیش کیا۔

روزنامہ 'سیاسی تقدیر' دہلی، 14 مارچ 2015

قومی بصیرت

نئی دھلی: سائبر میڈیا قومی بصیرت آن لائن ہفتہ وار پرنٹ میڈیا کا رسم اجرا غالب اکادمی میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر خواجہ اکرام الدین وایس ایم خان ودیگر معزز مہمانوں کی موجودگی میں عمل میں آیا۔ اس موقعے پر پروگرام کی صدارت ایس ایم خان ڈائرکٹر جنرل وزارت اطلاعات ونشریات نے کی اور مہمان اعزازی کے طور پر روزنامہ خبریں کے چیف ایڈیٹر قاسم سید، حاجی میاں فیاض الدین اور مولانا صہیب سید ظفر قاسمی نے شرکت کی۔ پروگرام کے کنوینر غفران ساجد قاسمی نے استقبالیہ کلمات پیش کرتے ہوئے کہا کہ سائبر میڈیا کی کامیابی کے بعد ہی پرنٹ میڈیا کی صورت میں یہ ہفتہ واری اخبار نکالنے کی توفیق ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ اس اخبار کا مقصد تجارت نہیں بلکہ عوام کے سامنے سچائی کو پیش کرتا ہے۔ اس موقعے پر روزنامہ خبریں کے چیف ایڈیٹر قاسم سید نے کہا کہ اگر پروڈکشن اچھا ہو تو کنزیومر مل جاتے ہیں اردو کا قاری کم ہوتا جا رہا ہے لیکن جو بھی ہے غنیمت ہے۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر خواجہ اکرام الدین نے اپنے خطاب میں کہا کہ کچھ لوگوں نے تو صحافت کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے کہ اخبار کا ایک حصہ سچ پر دوسرا حصہ نیم سچ پر اور تیسرا حصہ جھوٹ پر مبنی ہوتا ہے اور خاص طور سے آج کے دور میں ایک سچے اور ایماندار صحافی کا اپنے اصولوں پر قائم رہنا بہت بڑی بات ہے۔ اس موقعے پر مولانا صہیب ظفر قاسمی، گریش جویال کے علاوہ دیگر شرکا نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

روزنامہ 'خبریں' دہلی، 21 مارچ 2015

ہزاری باغ میں دو کتابوں کا اجرا

ھزاری باغ: ہزاری باغ میں گزشتہ 16 نومبر کو ایک مہتم بالشان تقریبِ رسمِ اجرا کا انعقاد عمل میں آیا جس میں دو کتابوں 'اردو تنقید کے فروغ میں طاہر تونسوی کی خدمات' (مصنف: ڈاکٹر محمد عاشق خان) اور 'جھارکھنڈ میں اردو شعروادب کا ارتقا' (مصنف: ڈاکٹر عبدالمنان) کا اجرا ہوا۔ تقریب کی صدارت اردو کے معتبر شاعر و ناقد ڈاکٹر علیم اللہ حالی (پٹنہ) نے فرمائی جبکہ مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے ونوبا بھاوے یونیورسٹی ہزاری باغ کے سابق رجسٹرار پروفیسر انعام نبی صدیقی شریکِ تقریب ہوئے۔ اس موقعے پر مہمانِ اعزازی کی حیثیت سے ونوبا بھاوے یونیورسٹی شعبۂ اردو کے استاد اور شاعر و ناقد ڈاکٹر زین رامش اور گوتم بدھ ٹیچرس ٹرینگ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر اظہر اللہ نے شرکت فرمائی۔

پریس ریلیز: محمد عرفان کوثر، ہزاری باغ، 6 مارچ 2015

ہندوستان میری نظر میں

نئی دھلی: انڈیا عرب کلچر سینٹر جامعہ ملیہ اسلامیہ اور رضا لائبریری رامپور کے اشتراک سے انڈیا عرب کلچر سینٹر کے کانفرنس ہال میں فتح اللہ انطاکی کے سفرنامے 'الہند مارأیتہا' کے ڈاکٹر زرنگار کے ذریعہ اردو ترجمہ 'ہندوستان میری نظر میں' کی رسم اجرا کلچرل کاؤنسلر سفارت مصر (ہند) ڈاکٹر اے ایم عبدالرحمٰن کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ پروگرام کی صدارت رضا لائبریری کے ڈائرکٹر پروفیسر سید عزیز الدین حسین ہمدانی نے کی اور انھوں نے کہا کہ مدارس میں تاریخِ ہند نہیں پڑھائی جاتی، جبکہ اس کی موجودہ دور میں بہت اہمیت ہے۔ انھوں نے کہا کہ اورنگ زیب کی بیٹی نے ایک عیسائی لڑکی کی پرورش اس کے مذہب کے مطابق کی تھی۔ اگر تاریخ ہند مدارس میں پڑھائی جائے تو ہماری نئی نسل ان حقائق سے روشناس ہوگی۔ نظامت ڈاکٹر جاوید عالم خان، ڈائرکٹر انڈیا عرب کلچر سینٹر نے کی۔ اس موقعے پر مہمان خصوصی ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے کہا کہ یہ بہت اچھا کام ہے جو رضا لائبریری کے ذریعے انجام دیا گیا ہے کیونکہ جو افراد عربی زبان سے واقفیت نہیں رکھتے ان کے لیے یہ ایک نایاب تحفہ ہے۔ اس سفرنامے کی مترجم ڈاکٹر زرنگار نے ڈائرکٹر رضا لائبریری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا میری خوش نصیبی ہے کہ عربی کے اس اہم سفرنامہ کے ترجمہ کا موقع ملا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 27 مارچ 2015

عظیم امروہوی کی کتابوں کا اجرا

امروھه: اترپردیش اردو ادب سوسائٹی کے زیراہتمام شہر کے محلّہ دربار میرانخاں میں ڈاکٹر عظیم امروہی کی دو اہم کتابوں کی رونمائی معززین شہر کی موجودگی میں عمل میں لائی گئی جہاں مقررین نے ڈاکٹر عظیم امروہی کی ادبی و رثائی خدمات پر روشنی ڈالی جبکہ شعرا کرام نے نعتیہ کلام پیش کر کے ماحول کو نورانی کر دیا۔ پاکستانی مہمان شمیم ہادی نے ڈاکٹر عظیم امروہی کی زندگی پر روشنی ڈالی، انجمن ترقی اردو کے صدر و ہاشمی گروپ کے چیئرمین ڈاکٹر سراج الدین ہاشمی نے اپنی تقریر میں اس سلسلہ کو جاری رکھنے کی بات کی، ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی نے نوجوان امروہہ کو ڈاکٹر عظیم سے درس لینے کی تاکید کی۔ ڈاکٹر جمشید کمال نے دونوں کتابوں کے سلسلہ میں اظہار خیال پیش کیا۔ کوثر علی عباسی نے کہا کہ ڈاکٹر عظیم کو کئی بین الاقوامی اعزاز اور کئی صدر جمہوریہ کے دست سے کتابوں کی رونمائی کا شرف ضرور حاصل ہے۔

روزنامہ 'ہندوستان ایکسپریس' دہلی، 14 مارچ 2015

کاوشم

چینئی: اوآرآئی پلاٹینم جوبلی آڈیٹوریم، یونیورسٹی آف مدراس میں تمل ناڈو کے معروف شاعر قلندرِ دکن حضرت کاوش بدری کی منتخب غزلوں کا مجموعہ 'کاوشم' کا اجرا ملک کے نامور ادیب، نقاد اور دانشور ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی کے دستِ مبارک سے عمل میں آیا۔ سینٹرل انسٹی ٹیوٹ آف

انڈین لینگویجز، میسور اور شعبۂ عربی، فارسی و اردو یونیورسٹی آف مدراس کے زیر اہتمام دو روزہ سیمینار کے دوران اس مجموعہ کا اجرا کیا گیا۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی کے علاوہ ڈاکٹر سید سجاد حسین صدر شعبۂ عربی، فارسی اور اردو، یونیورسٹی آف مدراس جناب ظفر احمد صدیقی، علی گڑھ، ڈاکٹر قاضی حبیب احمد، جناب شکیل اختر، آئی پی ایس، اڈیشنل ڈائرکٹر آف پولیس، جناب زبیر شاداب خان، جناب علیم صبا نویدی، جناب اشفاق الرحمٰن مظہر اور ڈاکٹر جاویدہ حبیب اور شہر کے معروف شعرا و ادبا نے شرکت کی۔

بذریعۂ ڈاک: علیم صبا نویدی، چیئرمین تمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، چنئی، 13 مارچ 2015

سات رنگ: ایک تجزیاتی مطالعہ

نئی دهلی: شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی میں منعقدہ 4 روزہ 'جشن اردو' کے موقعے پر شعبہ کی ریسرچ اسکالر ہما رفیق کی کتاب 'سات رنگ: ایک تجزیاتی مطالعہ' (عبداللہ حسین کے افسانوی مجموعہ) کا اجرا سابق صدر شعبۂ اردو پروفیسر ایمریٹس عبدالحق، پروفیسر معین الدین جینا بڑے، پروفیسر افروز تاج، صدر شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی پروفیسر ابن کنول، پروفیسر صغیر افراہیم، ڈاکٹر محمد کاظم، ڈاکٹر ظہیر رحمتی اور امریکہ سے تشریف لائے جان کالڈویل کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس موقعے پر ہما رفیق نے کہا کہ یہ میرے لیے خوش قسمتی کی بات ہے کہ میرے ذریعے لکھی گئی کتاب کا اجرا اردو کے نامور ادیبوں اور اساتذۂ کرام کے ہاتھوں ہوا ہے۔ یہ ہمارے لیے باعث افتخار ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس محبت کے لیے میں اپنے اساتذۂ کرام، والدین اور ساتھیوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

روزنامہ 'سیاسی تقدیر'، دہلی، 11 مارچ 2015

اے ایم یو میں کتابوں کا اجرا

علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے یو جی سی اکیڈمک اسٹاف کالج کے زیر اہتمام منعقدہ ادبی شام میں پرو وائس چانسلر بریگیڈیئر ایس احمد علی (ریٹائرڈ) نے شعبۂ انگریزی کے سابق سربراہ پروفیسر مسعود الحسن کی 'انگلش پوئم آن دا پروفٹ'، یونیورسٹی پالی ٹیکنک کے سابق پرنسپل پروفیسر ضیاء الحسن کی 'قرآن میں اعداد و شمار اور موضوعات ریاضی'، شعبۂ اردو کے سابق سربراہ پروفیسر اصغر عباس کی 'پرنٹ کلچر: سرسید علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ'، جامعہ ملیہ اسلامیہ کی اردو اکادمی کے ڈائرکٹر پروفیسر غضنفر علی کی 'روئے خوش رنگ' اور اے ایم یو کے جے این میڈیکل کالج کے سرجری شعبے کے سابق استاد ڈاکٹر احمد مطیع صدیقی کی 'گاڈس کریئشن آف ہیومن ان دی بیسٹ مولڈ' کا اجرا کیا۔ اس موقعے پر بریگیڈیئر ایس احمد علی نے بھی خطاب کیا۔

روزنامہ 'خبریں' دہلی، 20 مارچ 2015

دلت ادب: نظریہ و رجحان

لکھنؤ: ہندی-اردو ساہتیہ ایوارڈ کمیٹی کی جانب سے 26 ویں انٹرنیشنل لٹریری فیسٹیول کا اہتمام 21 مارچ سے 23 مارچ 2015 کو سنگیت ناٹک اکادمی کے سنت گاڈگے آڈیٹوریم میں کیا گیا۔ اس پروگرام کا افتتاح فرید محفوظ قدوائی، وزیر جنگلات حکومت اتر پردیش نے کیا۔ اس اس موقعے پر خواجہ معین الدین چشتی اردو عربی فارسی یونیورسٹی کے اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر اعظم انصاری کی کتاب 'دلت ادب: نظریہ و رجحان' اور ڈاکٹر ایاز احمد کی کتاب 'مضامین ریختی' کا اجرا کیا گیا۔ تقریب میں ملک کے نامور شاعروں اور ادیبوں کو مومنٹو دے کر انھیں اعزاز سے نوازا گیا جن میں کشور ناہید، گوپال داس نیرج، احسان قریشی وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے بعد مشاعرہ اور کوی سمیلن کا بھی انعقاد کیا گیا۔ مہمان خصوصی فرید محفوظ قدوائی، وزیر جنگلات حکومت اتر پردیش نے اس موقعے پر کہا کہ لکھنؤ میں اس طرح کی تقریبات کا اہتمام مسلسل ہونا چاہیے۔ اس سے اردو اور ہندی کو مشترکہ طور پر بڑھاوا ملے گا۔ استقبالیہ تقریر سراج مہدی نے پیش کی اور ملک و بیرون ملک سے آئے مہمانوں اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

پریس ریلیز: روح اللہ، خواجہ معین الدین چشتی، اردو عربی فارسی یونیورسٹی، لکھنؤ، اتر پردیش 27 مارچ 2015

میرا نقطۂ نظر اور سوز آرزو کا اجرا

نگینہ، بجنور: میرا نقطۂ نظر اور سوز آرزو کی رونمائی کے بعد ادبیات نگینہ میں نیا باب کھلا ہے ان خیالات کا اظہار محترمہ رعنا پروین صدیقی چیئرپرسن دہلی وقف بورڈ نے شاعر، ادیب اور دانشور پروفیسر محمد عرفان کی ادبی تخلیق 'میرا نقطۂ نظر' اور یوسف اقبال نگینوی کی غزلیات کا مجموعہ 'سوز آرزو' کی تقریب اجرا کے موقعے پر کیا۔ تقریب اجرا کا پروگرام قاضی سرائے واقع گلزار ابراہیم میں منعقد کیا گیا۔ چیئرپرسن محترمہ رعنا صدیقی نے کتابوں کی رونمائی کے بعد اپنے خطاب میں پروفیسر محمد عرفان کو بجنور ضلع کی ادبیات کا گرنتھ بتایا اور تلاش بسیار کے بعد کلام یوسفی کو منظر عام پر لانے کے لیے کتاب کے مرتب پرویز عادل ماحی کی دل کھول کر ستائش کی۔ روزنامہ 'عزیز الہند' دہلی، 3 مارچ 2015

شاطر حکیمی - فن اور شخصیت

ناگپور: راشٹر سنت تکڑوجی مہاراج ناگپور یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے زیر اہتمام حضرت 'شاد عارفی - حیات و خدمات' پر ایک سیمینار 14 مارچ 2015 کو منعقد کیا گیا۔ اس موقعے پر ناگپور یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب ونے دیش پانڈے کے ہاتھوں 'شاطر حکیمی - فن اور شخصیت' کی رسم رونمائی بھی عمل میں آئی۔ واضح ہو کہ اس کتاب کو شاطر صاحب کے صاحب زادے صوفی غلام رحمٰن اور پروفیسر ڈاکٹر اظہر حیات نے ترتیب دے کر شائع کیا ہے۔ 600 صفحات پر محیط اس کتاب میں 70 اہل علم اور اسکالرز کے وقیع اور جامع مضامین ہیں۔

بذریعۂ ڈاک: ڈاکٹر محمد اظہر حیات، ناگپور، 20 مارچ 2015

مہتاب عالم پرویز کی کتابوں کا اجرا

جمشید پور: ادبی تنظیم 'عالمی پرواز ڈاٹ کام' کے زیر اہتمام 24 مارچ کو، صابر کامپلیکس، آزاد نگر، جمشید پور میں جواں سال افسانہ نگار مہتاب عالم پرویز کے بہ یک وقت تین افسانوی مجموعوں (1) بازگشت، (2) مہتاب عالم پرویز کی منتخب کہانیاں (مرتب: ابرار مجیب)، (3) مہتاب عالم پرویز کے گرم افسانے (مرتب: رضوان واسطی) کی رسم اجرا کی تقریب کا انعقاد، معروف ادبی سرپرست جناب سید عباس رضوی چھبن کی زیر صدارت ہوا۔ جبکہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹر اسلم جمشید پوری صدر شعبۂ اردو چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی موجود تھے۔

شاعر اور ناقد ڈاکٹر زین رامش (شعبۂ اردو، ہزاری باغ یونیورسٹی) اور مشہور افسانچہ نگار ایم اے حق (رانچی) نے مہمانانِ اعزازی کے طور پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اسلم بدر، رضوان واسطی، ابرار مجیب اور جاوید اختر نے مہتاب عالم پرویز کے افسانوں کا جائزہ پیش کیا۔ اس تقریب کی نظامت گوہر عزیز نے کی، جبکہ ہدیہ تشکر نامور فکشن نگار ڈاکٹر اختر آزاد نے پیش کیا۔

روزنامہ 'انقلاب'، دہلی، 25 مارچ 2015

وفیات:

ادا جعفری

کراچی: اردو زبان کی معروف شاعرہ ادا جعفری طویل علالت کے بعد 90 برس کی عمر میں انتقال کر گئیں۔ ادا جعفری کی پیدائش 22 اگست 1924 کو ہندوستان کے یوپی بدایوں

شہر میں ہوئی۔ والدین نے ان کا نام عزیز جہاں رکھا۔ ادا جعفری نے 13 برس کی عمر میں ہی شاعری شروع کر دی تھی۔ وہ ادا بدایونی کے نام سے شعر کہتی تھیں۔ ادا جعفری کی شخصیت میں کتابوں، بچوں اور مظاہر فطرت سے محبت اور

قربت کا احساس بچپن ہی سے شامل رہا ہے۔ ادا کی شادی 1947 میں نورالحسن جعفری سے انجام پائی، شادی کے بعد ادا جعفری کے نام سے لکھنے لگیں۔ ان کے شعری مجموعہ شہر درد کو 1968 میں آدم جی ایوارڈ ملا۔ شاعری کے بہت سے مجموعہ جات کے علاوہ 'جو رہی سو بے خبری رہی' کے نام سے اپنی خود نوشت سوانح عمری بھی 1995 میں لکھی۔ 1991 میں حکومت پاکستان نے ادبی خدمات کے اعتراف میں تمغۂ امتیاز سے نوازا۔ ادا جعفری کا شمار بہ اعتبار طویل مشق سخن اور ریاضت فن کے صف اوّل میں ہوتا ہے۔ مرحومہ ادا جعفری نے جاپانی صنف سخن ہائیکو پر بھی طبع آزمائی کی۔ ان کی ہائیکو کا مجموعہ 'سازِ سخن' شائع ہو چکا ہے۔ ان کی تصانیف میں حرف شناسائی، سازِ سخن بہانہ ہے، سفر باقی ہے، شہر درد، غزالاں تم تو واقف ہو اور میں ساز ڈھونڈتی رہی شامل ہیں۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کے زیر اہتمام 1987 میں شائع ہونے والی کتاب 'غزل نما' کو ان کے نثری اظہار کا بے مثل نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب اردو غزل کے قدیم اساتذہ کے مختصر حالات زندگی اور انتخاب کلام پر مشتمل مضامین کا مجموعہ ہے۔ مرحومہ ادا جعفری کو پاکستان اکادمی آف لیٹرز کی جانب سے بابائے اردو ایوارڈ سمیت کئی ایوارڈز سے نوازا گیا۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 14 مارچ 2015

خواجہ حسن ثانی نظامی

نئی دہلی: حضرت خواجہ نظام الدین کے سجادہ نشیں اور معروف ادیب و دانشور حضرت سید خواجہ حسن ثانی نظامی کا بستی حضرت نظام الدین میں واقع ان کے گھر پر انتقال ہوگیا۔ وہ 83 برس کے تھے۔ پسماندگان میں بھتیجے اور بھتیجیاں شامل ہیں۔ گذشتہ دو برس سے وہ ذیابیطس اور امراض قلب میں مبتلا تھے۔ دو مہینے سے سخت علیل تھے۔ وہ غیر شادی شدہ تھے۔ ان کے مرید پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں جن کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ وہ پیلے رنگ کی مخصوص ٹوپیاں پہنتے تھے۔ ان کے انتقال سے دبستان دہلی کی قدیم روایت کا خاتمہ ہوگیا۔ دہلی کے علمی، ادبی اور روحانی حلقوں میں ان کے انتقال سے رنج و غم کی لہر دوڑ گئی ہے۔ وہ 15 مئی 1931 کو شمس العلما امام المشائخ حضرت خواجہ حسن نظامی اور خواجہ محمودہ بانو نظامی کے یہاں پیدا ہوئے۔ انھوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے بی اے کی تعلیم حاصل کی۔ وہ اپنے والد خواجہ حسن نظامی کی طرح صاحب طرز ادیب تھے۔ ان کے نثر کے نمونے تصوف رسم حقیقت، فوائد الفوائد کا اردو، ہندی ترجمہ میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ انھوں نے سیکڑوں کی تعداد میں ریڈیو ٹاک اور مضامین لکھے۔ انھوں نے ملک اور بیرون ملک کی مختلف یونیورسٹیز اور تعلیمی اداروں میں توسیعی خطبات دیے۔ اپنے والد کی تصنیفات جو دستیاب نہیں تھیں، ان کو از سر نو شائع کیا جن میں 1857 کے انقلاب پر 12 کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے والد خواجہ حسن نظامی کا جاری کردہ رسالہ ماہنامہ 'منادی' 1955 سے اپنی ادارت میں پابندی سے نکالتے رہے۔ ہر سال حضرت امیر خسرو اور حضرت نظام الدین اولیا اور حضرت خواجہ حسن نظامی کے عرس کے موقعے پر سیمینار اور قوالی کا پرگرام منعقد کراتے رہے۔ خواجہ حسن ثانی نظامی غالب اکادمی کے قیام ہی سے وابستہ تھے اور حکیم عبدالحمید کے انتقال کے بعد وہ دس برسوں تک صدر بھی رہے۔

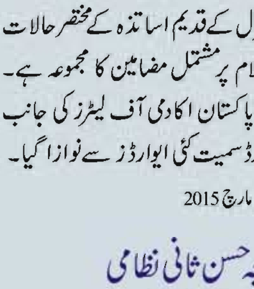

روزنامہ 'خبریں' دہلی، 16 مارچ 2015

محمد قمر خاں احراری

رامپور: معروف صحافی و انشا پرداز اور محقق محمد قمر خاں احراری ساکن ضلع اسپتال راجدوارہ کا طویل علالت کے باعث 10 مارچ کی صبح مراد آباد کے کوس موس اسپتال میں انتقال ہوگیا۔ مرحوم نہایت ملنسار، خوش اخلاق، صوم و صلاۃ کے پابند ہونے کے ساتھ غریبوں کے مسیحا اور علم دوست شخصیت کے حامل تھے۔ واضح رہے کہ مرحوم کئی کتابوں کے مصنف تھے جن میں 'تو پھر شرک کیا ہے؟' اور 'مرزا غلام احمد قادیانی خود اس کی زبانی' کافی مقبول عام ہوئی ہیں۔ اس وقت مرحوم فرقہ قادیانیت سے متعلق ایک انگریزی کتاب تصنیف کر رہے تھے۔ مرحوم تاحیات سماجی، ملی و دینی خدمات میں مصروف رہے۔

روزنامہ 'سیاسی تقدیر' دہلی، 11 مارچ 2015

حکیم عبدالمعید

نئی دہلی: تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں میں تعلیم کو فروغ دینے کے مقصد سے جامعہ ہمدرد کا قیام کرنے والے معروف قائد ملت حکیم عبدالحمید کے خلف الرشید اور ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کے صدر حکیم عبدالمعید کا دیر رات چانکیہ پوری میں واقع نرسنگ ہوم میں حرکت قلب بند ہوجانے سے انتقال ہوگیا۔ وہ 80 سال کے تھے۔ حکیم عبدالمعید کے پسماندگان میں ان کی اہلیہ، 2 بیٹے اور ایک بیٹی شامل ہیں۔ حکیم عبدالمعید، اپنے والد حکیم عبدالحمید کی زندگی میں ہی ان کے نائب کے طور پر ہمدرد لیباریٹری (وقف) کے امور سنبھال رہے تھے۔ حکیم عبدالحمید نے جامعہ ہمدرد کا قیام کیا لیکن اس کی جدید کاری اور فروغ میں عبدالمعید مرحوم نے نمایاں کارگزاری انجام دی۔ ان کی ذاتی کاوش اور کوشش کے نتیجے میں ہمدرد یونیورسٹی کا اسپتال 150 سے 350 بستروں میں منتقل کیا گیا بلکہ ہمدرد میں میڈیکل کالج کا قیام بھی عمل میں آیا، جو اس یونیورسٹی کی ایک بہت بڑی خدمت ہے۔ مرحوم نے اس میڈیکل کالج کے قیام کے لیے بہت بڑا سرمایہ فراہم کرایا تاکہ ہمدرد یونیورسٹی میں اقلیتی طلبہ میڈیکل سائنس کی تعلیم بھی حاصل کرسکیں اور ملک و ملت اس سے استفادہ کرسکے۔ مرحوم یونیورسٹی کے علاوہ بھی سماجی اور رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 20 مارچ 2015

خراج عقیدت:

ایک شام محمود الٰہی کے نام

لکھنؤ: پروفیسر محمود الٰہی شعور آدمیت کی بہترین مثال تھے۔ وہ جسم نہیں ایک مکمل فکر تھے۔ وہ ترقی پسندانہ ذہنیت کے مالک تھے لیکن اسلامی شعور ہمیشہ کارفرما رہا۔ مذکورہ بالا خیالات کا اظہار صدر جلسہ اور الہ آباد یونیورسٹی کے سابق صدر شعبہ اردو اور مرحوم پروفیسر محمود الٰہی کے شاگرد پروفیسر فضل امام رضوی نے ڈاکٹر سلیم احمد کے ذریعہ الماس نگر میں آراستہ بزم 'ایک شام محمود الٰہی کے نام' میں ظاہر کیے۔ یہ ادبی اور شعری بزم سابق صدر شعبہ اردو گورکھپور یونیورسٹی پروفیسر محمود الٰہی کی پہلی برسی پر ان کے افراد خانہ کے ذریعے منعقد کی گئی تھی جس میں مرحوم کے افراد خانہ، شاگردوں، پرستاروں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ جمعرات کو دیر رات تک پروگرام جاری رہا۔ پروفیسر فضل امام کی صدارت اور ڈاکٹر ہارون رشید کی نظامت میں منعقد اس تقریب کا آغاز قاری نثار احمد نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ ڈاکٹر غلام حسین، ڈاکٹر شکیل احمد اور ڈاکٹر وضاحت حسین رضوی (مدیر نیا دور) نے بطور مہمانان خصوصی شرکت کی۔ اس موقعے پر ڈاکٹر شکیل احمد کے سوانحی خاکوں پر مشتمل کتاب 'سمٹتا سائبان' کی رونمائی بھی عمل میں آئی۔ پہلی برسی کے موقعے پر دیگر شرکا نے بھی خراج عقیدت پیش کیے۔ آخر میں ڈاکٹر سلیم احمد نے مہمانان اور جلسہ کے شرکا کا شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 21 مارچ 2015

■

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

فرہنگ اصطلاحات (انگریزی-اردو) کامرس

ادارہ
صفحات: 306
قیمت: 141 روپے

زندگی نامہ: قرۃ العین

تحقیق وترتیب: جمیل اختر
صفحات: 296
قیمت: 143 روپے

حیوانات کی دلچسپ دنیا

مصنف: محمد خلیل
صفحات: 83
قیمت: -/24 روپے

باقیات علی سردار جعفری

مرتب: علی احمد فاطمی
صفحات: 498
قیمت: 228 روپے

ٹی وی نیوز پروڈکشن فن اور طریقۂ کار

مصنف: سمیع الرحمٰن
صفحات: 217
قیمت: 93 روپے

کیلی گرافی اور گرافک ڈیزائن

مصنف: خورشید عالم
صفحات: 180
قیمت: 144 روپے

دیوانِ بیدار

مرتب: پروفیسر نسیم احمد
صفحات: 256
قیمت: 122 روپے

اسلوبیاتی تنقید: نظری بنیادیں اور تجزیے

مصنف: پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ
صفحات: 500
قیمت: -/174 روپے

اکیسویں صدی میں اردو کا سماجی وثقافتی فروغ

مرتب: پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین
صفحات: 549
قیمت: -/235 روپے

اکیسویں صدی میں اردو: فروغ اور امکان

مرتب: پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین
صفحات: 349
قیمت: -/163 روپے

عصری لغت

مصنف: پروفیسر عبدالحق
صفحات: 749
قیمت: 240 روپے

اردو لوک ناٹک: روایت اور اسالیب (حصہ اوّل)

مصنف: کنول ڈبائیوی
ترتیب وترمیم: پروفیسر ابن کنول
صفحات: 482
قیمت: 170 روپے

اردو لوک ناٹک: روایت اور اسالیب (حصہ دوم)

مصنف: کنول ڈبائیوی
ترتیب وترمیم: پروفیسر ابن کنول
صفحات: 482
قیمت: 162 روپے

حصولِ آزادی کے لیے ہندوستان کی جدوجہد

مترجم: سعید احمد انصاری
صفحات: 680
قیمت: -/234 روپے

عربی ادب کی تاریخ (جلد سوم)

مصنف: عبدالحلیم ندوی
صفحات: 695
قیمت: -/178 روپے

عربی ادب کی تاریخ (جلد اوّل)

مصنف: عبدالحلیم ندوی
صفحات: 372
قیمت: -/112 روپے

انگریزی اصطلاحوں اور محاوروں کی جدید صحافتی فرہنگ

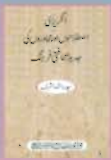

مصنف: سید راشد اشرف
صفحات: 493
قیمت: -/238 روپے

جسم وجاں

مصنف: عبدالمعز شمس
صفحات: 354
قیمت: -/138 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

URDU DUNIYA Monthly, May-2015, Vol.17, Issue:05
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. 70323/99
DL (S) - 01/3394/2014-16
ISSN 2249 - 0639
Date of Publication:24/04/2015
Date of Dispatch : 25 & 26 of advance month

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

قومی اردو کونسل کی منفرد پیشکش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Khwaja Md. Ekramuddin, Director, NCPUL on behalf of NCPUL, FAROGH-E-URDU-BHAWAN, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi-110025 and printed at S. Narayan & Sons, B-88, Okhla Indl. Area, Phase-II, New Delhi-110020 on 80 GSM Art Paper produced by JK Editor :Dr. Khwaja Md. Ekramuddin, Tel : 49539000